بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
للہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا
نہج المعرفت
فی
اسماء القائم
جلد چہارم
www.khrooj.com
خطبات عالیہ
شہزادہ فصیح البیان
السید محمد جعفر الزمان نقوی

مصنف کا نام	:	مخدوم السید محمدؒ جعفرؒ الزمان نقوی البخاری
کتاب	:	نہج المعرفت فی اسماء القائم جلد چہارم
مرتب	:	مہتاب اذفر
تکنیکی معاونین	:	علی رضا، بلال حسین
سنہ اشاعت	:	2016ء
تعداد	:	500
ایڈیشن	:	اول
پرنٹرز	:	فدک پرنٹنگ پریس لاہور
پبلشرز	:	القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی

کمرہ نمبر 11 اے اینڈ کے چیمبر 14 ویسٹ اینڈ وہارف روڈ

کراچی نمبر 2 پوسٹ کوڈ 74000 پاکستان

فون نمبر 021-3220537,32311979,32311482

Email: klbehaider@yahoo.com

ملنے کا پتہ	:	المنتظرین پبلی کیشنز جمن شاہ ضلع لیہ
فون		0606460259
ویب سائٹ	:	www.Khrooj.com
ای میل	:	Email.jammanshah@gmail.com

ISBN-

بسم الله الرحمن الرحيم

يا مولا كريم عجل الله فرجك و صلوات الله عليك

میں اپنی یہ کتاب ملکہ حلہ معصومہ معظّمہ پاک شہزادی
کے نام کرتا ہوں کہ جو اپنے پاک بھائی عجل اللہ فرجہ الشریف
کی ابدی حکومت کی منتظر ہیں دعا ہے کہ اس پاک معظّمہ بی بیؑ کا جگر
ٹھنڈا ہو، ان کا پاک گھر پھر آباد ہو، ان کے پاک گھر میں ابدی خوشیاں
آئیں ......آمین یا رب العالمین

دعا گو

جعفر نقوی

بسم الله الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل الله فرجك و صلوات الله علیك

فہرست عناوین

......☆......

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

سخنے چند

محترم قارئین! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ عظیم نعمت جو سرکار السید محمد جعفر الزمان نقوی البخاری کی صورت میں آپ کے اور ہمارے درمیان موجود تھی 8 فروری 2003ء کو دنیائے فانی سے راہ عدم کی جانب روانہ ہوئی ان کی فرقت سے نہ صرف میرا اور ان کے عقیدت مندوں کا نقصان ہوا اور اس شخص کا نقصان ہوا جو علم آل محمدؐ ،حق امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا متلاشی تھا بلکہ یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ پوری شیعت کا نقصان ہوا، پوری انسانیت کا نقصان ہوا، کیونکہ وہ ایک آفاقی رہنما ،آفاقی مصلح اعظم ،آفاقی نجات دہندہ کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کررہے تھے۔
آج انسانیت جن مصائب و آلام سے دوچار ہے آپ یقین کریں کہ ان کا حل سوائے ظہور قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف کے کوئی دوسری صورت ہے ہی نہیں، جس کا شعور انہوں نے عطا فرمایا یہ ان کا ہم پہ بہت بڑا احسان ہے۔
اسی لئے دل ان کی یاد میں تڑپتے ہیں ،آنکھیں ان کے سوگ میں نم رہتی ہیں ، دکھی روحیں ان کے دیدار کو ترستی ہیں ، جو کہ علم وحکمت کا ایک بحر بے کراں تھے جس سے پیاسے لوگ اپنی پیاس بجھاتے تھے ،وہ سچائیوں اور حقیقتوں کا ایک بولتا ہوا قرآن تھے کہ جس سے لوگ نہ صرف ان کی حیات مبارکہ میں مستفید ہوتے تھے بلکہ ان کی

رحلت کے بعد بھی ان کی تعلیمات ،ان کے لٹریچر سے فائدہ اٹھا رہے ہیں
تو دوستو ! میں عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ جس وقت یہ نعمت عظمیٰ ،مرشد کامل سرکار السید محمد جعفرؒ الزمان نقوی البخاری نے اس فانی دنیا کو خیر باد فرمایا تو اس سے قبل قبلہ السید سائیں شبیر حسینؒ کاظمی کو اپنی روزمرہ کی مصروفیت کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں اس وقت 70 موضوعات پہ بیک وقت لکھ رہا ہوں، جس کو ہم 2003ء سے پرنٹ کروانے میں لگے ہوئے ہیں
ہماری کم نصیبی کہ وہ عظیم ہستی ہم سے اوجھل ہوگئی کافی موضوعات نامکمل رہ گئے۔ ان میں سے آپ نے ایک سلسلہ اسماءِ القائمؑ کی شرح کا چلایا ہوا تھا جو کہ مجالس میں بھی بیان فرماتے تھے اور بعد میں اس کو تحریر میں بھی لاتے تھے جس کی تین جلدیں پرنٹ ہوچکی تھیں اور چوتھی جلد پہ کام جاری تھا لیکن وقت نے مہلت نہ دی اور جب ہم نے ان کے Deta کو دیکھا تو جلد چہارم کا پورا خاکہ نامکمل حالت میں ملا جس میں سے ہر اسم پاک پہ کچھ نہ کچھ لکھا ہوا تھا۔
میں نے بھائی مہتاب اذفر سے پر زور گزارش کی کہ آپ اس کو Edit کریں ہم سرکار کی فکر کو جتنا قارئین تک پہنچا سکیں گے وہ ہماری کامیابی وکامرانی ہوگی تاکہ اس سے لوگ فائدہ اٹھاسکیں
انہوں نے مہربانی فرمائی اس پہ کام شروع کیا لیکن بہت سے اسماء مبارکہ میں اتنا مواد موجود نہیں تھا کہ ہم ان کو پرنٹ کرواسکتے ان میں سے کچھ اسم پاک محترم قارئین کی نظر کرتے ہیں لیکن ان کو بھی پڑھ کر شاید آپ محسوس کریں کہ یہ تحریر ابھی بھی نامکمل ہے اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں کیونکہ یہ تو ابھی رف صورت میں

موجود تھی ،آپ سرکار خود اس کتاب کو فائنل فرماتے تو نہ جانے کتنے اور معارف بیان ہوتے جس کے لئے ہم تو عاجز ہیں

ہاں اس کتاب میں شہنشاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ایک توقیع مبارک محترم قارئین کی نظر کر رہے ہیں جو کہ سرکار کے مواد سے ہمیں ملی ہے جو انھوں نے مکمل فرمائی تھی۔ ہماری کوشش رہی ہے بلکہ ہے کہ سرکار کا ایک ایک لفظ جو انھوں نے قارئین کے لئے لکھا ہے ان تک پہنچائیں اس کے لئے وقت آڑے آجاتا ہے آپ ہمارے حق میں دعا کریں کہ ہم ان کی نمک حلالی کر سکیں ، ان کے کام آسکیں اور آخری سانس بھی نصرت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف میں صرف ہو......آمین

اب ان احباب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جو نصرت کی اس کڑی میں یعنی کتابوں کی پروف ریڈنگ ، ایڈیٹنگ ، ڈیزائننگ ، پرنٹنگ میں ہمارے شانہ بشانہ مصروف عمل رہے اور سب سے پہلے واجب الاحترام جناب مرشد السید سائیں شبیر حسین کاظمی کے بھی سبھی شکر گزار ہیں کہ جنھوں نے آقائی وسیدی مرشدی دامہ ظلہ تعالیٰ کے مشن و مقصد امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو ان کی رحلت کے بعد اس پورے سسٹم کو سنبھالا ہوا ہے اور سب کی دعا ہے کہ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رہے......آمین۔ اور جناب سید حسن رضا کاظمی ، جناب سید محسن رضا کاظمی ، جناب سید شاہ عباس کاظمی ، جناب سید شاہ حسین کاظمی ، جناب سید نوشیروان حیدر کاظمی جو بہت ہی خوبصورت نوحہ خوانی کرتے ہیں کے بھی احسان مند ہیں

اس کے بعد جناب سید مظہر حسین موسوی آف کراچی کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے Books کے شعبہ کو بڑے احسن طریقے سے سنبھالا اور سرکار مرشد السید محمد جعفرؒ

الزمان نقوی البخاری کے لٹریچر کو پاکستان ،انڈیا ،ایران اور یورپ تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے

پھر مہتاب اذ فرجن کی کاوشوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور علامہ سید منظور حسین شاہ صاحب آف سوہدرہ ، علامہ سید حسن عسکری صاحب آف لاہور، علامہ غلام شبیر حسین صاحب آف لاڑکانہ ،سید یحییٰ حسن رضوی صاحب آف فیصل آباد ،سید مسرت عباس صاحب آف شیخوپورہ ، ملک رمضان علی صاحب آف اسلام آباد، ملک علی اسد صاحب آف اسلام آباد جنہوں نے online Books کے لئے Website کا ہمارے ساتھ تعاون کیا ان کے بھی نہایت شکر گزار ہیں اور ملک محسن عباس ،ابحر مہدی ، بلال حسین ان سب کے مشکور ہیں

آخر میں اس دعا کے ساتھ اختتام کرتا ہوں کہ اے پروردگار ہماری التجاء ہے کہ اپنا وہ عظیم رہنما ، عادل حکمران ، وہ نجات دہندہ بھیج جو اس دنیا سے ظلم و جور کا خاتمہ فرمائے ،تمام مظلومین کا انتقام ہو اور اب تو ایک لمحہ بھی دیر نہ ہو اور یہ پاک گھر ایسے آباد ہو جیسے اس گھر پاک کو آباد ہونا چاہیے، اس گھر اطہر کی رونقیں دوبارہ بحال ہوں ، جناب علیؑ اکبر علیہ الصلوات والسلام کو اپنے صحن میں ہنستا مسکراتا دیکھ کر پاک والدہ صلواۃ اللہ علیہا کے دل کو سکون نصیب ہو، اور خدا کرے کہ ان خوشیوں کے مسرت آمیز جھونکوں میں پاک مستورات کو تمام دکھ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بھول جائیں اور خدا کرے کہ شہنشاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ساتھ میرے پاک مرشد آقائی وسیدی دامہ ظلہٗ تعالیٰ کا بھی گھر آباد ہو ان کا مشن عظیم بر آئے ......(آمین یا رب العالمین)

العبد العاصی......علی رضا جمن شاہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

ابنؑ سیدۃ العالمینؑ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے طائرانِ فلکِ عرفان !

آج کی رات وہ رات ہے جسے اہلِ فارس ''شبِ نیمہ ٔشعبان'' کہتے ہیں ،اہل سندھ جسے ''شبرات'' کہتے ہیں ،اہل ہندا سے ''شبھ رات'' کہتے ہیں، اہل مؤدت اسے ''شب برات'' کہتے ہیں ،اہل عرفان ''سیدۃ اللیالی'' (تمام راتوں کی سردار) کہتے ہیں اور متقین اسے لیلۃ القدر کہتے ہیں ۔

دوستو! ...... آپ کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ ہماری کچھی کے علاقے میں یہ رات بڑی

دھوم دھام سے صدیوں سے منائی جارہی ہے اور اسے شیعہ سنی بھائی مل کر مناتے چلے آرہے ہیں، لیکن ماضی کا زمانہ بڑی سادگی کا زمانہ تھا اور لوگوں کے خوشی منانے کے طریقے بھی بڑے سادہ سے ہوا کرتے تھے ہم نے اپنے بچپن میں ماضی کی ایک جھلک دیکھی ہے۔

ہوتا یہ تھا کہ لوگ کئی دن پہلے سے نرسل وغیرہ کاٹ کے رکھ لیتے تھے، جب وہ خشک ہوجاتے تھے تو ان کے چار پانچ انچ موٹے راڈ بناتے تھے جن کی لمبائی دس سے اٹھارہ فٹ ہوتی تھی، یعنی وہ ان نرسلوں کی چار پانچ انچ موٹی گھٹیاں بناتے تھے، جیسے قدیم چھپروں پر ڈالی جانے والی گھٹیاں بناتے ہیں، جسے مقامی زبان میں ''وَٹ'' کہتے ہیں

جب یہ رات آتی تھی تو شام کے وقت لوگ ان گھٹیوں کو اُٹھا لیتے جنہیں مقامی زبان میں ''ڈِھیں ڈُھوں مسارے'' کہا جاتا تھا، وہ ان کے ایک سرے کو آگ سے روشن کردیتے تھے، پھر ان سے کھیلتے تھے، بچے وہ روشن ڈِھیں ڈُھوں مسارے لے کر گلیوں میں دوڑتے تھے اور خوب موج مستی کرتے تھے، بڑے لوگ بھی کسی بڑے خالی میدان میں یہ کھیل کھیلتے تھے اور اسے بھی دیوالی [دیپ پاولی] کے طور پر منایا جاتا تھا، اس میں ہندو لوگ بھی شامل ہوتے تھے اور بلاتفریق مذہب وملت سارے لوگ اس خوشی میں شریک ہوتے تھے اور خوب نعرے بازی ہوتی تھی، اس میں کئی آتش بازی کے کرتب بھی ہوتے تھے اور اس طرح کافی رات گئے تک یہ کھیل ہوتے تھے اور کئی لوگ یہ ڈِھیں ڈُھوں مسارے روشن کرکے جنگلوں میں

دوڑتے تھے معلوم نہیں ان کے نزدیک اس کام کی وجہ کیا تھی؟ شاید اپنے مالک کو ڈھونڈنے کا کوئی تصور موجود ہو۔

اس رات ہر گھر میں اپنی حیثیت کے مطابق ہر آدمی پُرتکلف کھانے تیار کرتا تھا حلوے پوریاں خوب پکتی تھیں اور بچوں کے مزے ہوتے تھے۔ ہمارے بچپن سے آتش بازی پٹاخے اور ہوائیاں پھلجڑیاں [گولے، چوہے، تڑے، جلیبیاں، شُرلیاں، چرخیاں] متعارف ہو چکی تھیں، یہ سب آتش بازی میں کام آنے والی چیزوں کے مقامی نام تھے۔

لیکن دیہاتی لوگ اس وقت بھی ڈِھیں ڈُھوں مسارے بنا کر اس تقریب میں شریک ہوتے تھے اور آتش بازی کے ساتھ آگ کے یہ کھیل بھی شامل ہوتے تھے جو بعد میں ختم ہو گئے اور صرف آتش بازی اور مٹی کے دیئے جلانے کی رسم باقی بچ گئی اور اس کے بعد اس تقریب میں قصیدہ خوانی دھمال اور مجالس مسرت اور جشن کے ساتھ موم بتیاں جلانا اور بجلی کے قمقمے، ٹیوبز، بلب اور بجلی سے چراغاں کو شامل کیا گیا اور شب بیداری کے ساتھ شب قدر کے اعمال بھی شامل ہو گئے اور عرائض بھی لکھے جانے لگے۔

پھر یہ تقریب سعید آہستہ آہستہ اپنی اصل ڈگر پر آ گئی اور اس میں مذہبی و روحانیاتی پہلو نمایاں ہو گئے مگر ماضی میں یہ صرف ایک ''ڈِھیں ڈُھوں والی عید'' کے نام سے مشہور تھی اور منائی جاتی تھی۔ ہمارے زمانۂ شعور سے قبل کہتے ہیں تیروں کے سروں پر کپڑا باندھ کر اسے کسی روغن سے تر کر کے آگ لگا کر آسمان کی طرف ہوائیوں کی

طرح چھوڑا جاتا تھا اور تکلیوں کے سروں پر بھی اسی طرح آگ لگا کر فضا میں پھینکا جاتا تھا مگر ہم نے یہ منظر نہیں دیکھا ہے۔ ہم نے تو بچپن میں کئی کئی کلو آتش بازی منگوائی ہے اور ہزاروں کی تعداد میں موم بتیاں جلائی ہیں اور آج بھی ہمارے بچے اسی طرح اس تقریب کو سیلی بریٹ (Celebrate) کر رہے ہیں۔

اس موضوع پر بہت سی روایات ہیں کہ جب قیامت کے میدان میں مخلوق جمع ہو گی تو اس وقت اللہ جل جلالہ ماہ رجب، ماہ شعبان و ماہِ رمضان کو میدان میں بلائے گا اور ان سے مخلوق پر گواہی لے گا

☆ ینادی المنادی یا رجب ویا شعبان یا رمضان کیف عمل هذا العبد؟

جب ایک ایک فرد کو دربارِ الٰہی میں بلایا جائے گا تو اس وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ اے ماہ رجب، اے شعبان، اے ماہ رمضان! اس آدمی کے بارے تم بھی گواہی دو کہ اس شخص نے تمہارے ساتھ کیا رویہ رکھا؟ کیا اس نے تیرہ رجب منائی تھی؟ کیا اس نے نیمہ شعبان کا جشن منایا تھا؟ کیا ماہ رمضان کے روزے رکھے تھے؟ شاید اِنہی روایات کو دیکھتے ہوئے ہمارے بزرگ ماہ رجب میں اور شعبان میں روزے بھی رکھتے تھے اور تیرہ رجب اور نیمہ شعبان بڑی دھوم دھام سے منایا کرتے تھے اور نیمہ شعبان کے اعمال کیا کرتے تھے، عرائض لکھا کرتے تھے اور آج تک یہ بات تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ جاری ہے۔ یہ تو تھیں ہمارے ماضی کی چند باتیں، اب ہم اپنا مکمل بیان آگے بڑھاتے ہیں۔

دوستو! رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ نے اپنی مقدس کتاب میں فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّـا أَنـزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ () وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ () لَيْلَةُ الْـقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ () تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ () سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ()

رب ذوالجلال والاکرام نے فرمایا

''اُسے'' ہم نے نازل کیا لیلۃ القدر میں، اور کون سمجھ سکتا ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر ہزار شہر [مہینے] سے افضل و بہتر ہے، اپنے رب کے اِذن سے سبھی امر کے ساتھ ملائکہ اور روح نازل ہوتے ہیں، طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

دوستو! کلام اِلٰہی میں اس کے ستر ہزار باطن در باطن ہیں، ایک ایک آیت اور ایک ایک حرف کے ستر ہزار باطن ہیں، اور اس کا ظاہر بھی ایک نہیں ہے، بلکہ وہ بھی ایک راز ہے، اور آج ہم چاہتے ہیں کہ اپنے مالک و منعم ازل عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے عطا کردہ شعور کے مطابق ہم اس سورہ مبارکہ کے بارے میں تفصیل سے کچھ نہ کچھ عرض کریں تا کہ ہمارے عنوانیہ اسم مبارک کے اندر پوشیدہ اسرار آپ کے سامنے کافی حد تک کھل کر آ جائیں کیونکہ شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا ہر اسم مبارک لاکھوں اسرار کا امین ہوتا ہے۔

فردیں

دوستو! جب ہم اس سورہ مبارکہ پر نگاہِ تعمق ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں بنیادی طور پر کئی فردیں ہیں یعنی اس سورہ میں کئی چیزوں کا ذکر ہے جیسا کہ

(1) پہلی فرد ہے لیلۃ القدر

(2) دوسری فرد ہے مُنزِل ''ہم'' یعنی نازل کرنے والے

(3) تیسری فرد ہے نازل یعنی وہ جو نازل ہو رہا ہے

(4) چوتھی فرد ہے مُنزَل یعنی وہ جس پر یا جہاں پر نازل ہوا

(5) پانچویں فرد ہے روح

(6) چھٹی فرد ہے ملکوت

(7) ساتویں فرد ہے امر

اس میں امر صیغہ واحد ہے لیکن مراد ''امور'' (جمع) لیئے جاتے ہیں

(8) آٹھویں فرد ہے رب

دوستو! ......اگر ہم ان سب پر تفصیل سے بات کریں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اس لیئے ہم اجمال سے اس کی ایک ایک چیز پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے، اور میری یہ کوشش بھی ہو گی کہ نہایت آسان لفظوں میں آپ کو اپنی بات سمجھا سکوں۔

مرادات

دوستو!...... جب ہم خاندان پاک علیہم الصلواۃ والسلام کی فرمودہ

روایات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں سورہ قدر میں مذکور جملہ فردوں کے کئی کئی مرادات ملتے ہیں، جیسا کہ لیلۃ القدر کے کئی مرادات ملتے ہیں، مُنزل کے کئی مرادات ہیں، منزول کے کئی مرادات ہیں، نازل کے کئی مردات ہیں، اور ان مرادات کے حوالے سے ہمیں بہت سی روایات ملتی ہیں اور اس سورہ میں استعمال ہونے والے ایک ایک لفظ کے مزید بہت سے مرادات ملتے ہیں اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ یہ سبھی مرادات اپنے اپنے مقام پر درست بھی ہیں اور حقیقی بھی ہیں، جیسا کہ ہم لفظ آم کا استعمال کرتے ہیں اور اس کے کئی مرادات ہوتے ہیں اور وہ سبھی اپنے اپنے مقام پر درست ہوتے ہیں جیسا کہ ہم کہتے ہیں۔

جب میں باغ میں گیا تو مالی آم بو رہا تھا...... یہاں آم سے مراد اس کی گٹھلی ہے

جب میں باغ میں گیا تو مالی آم لگا رہا تھا...... یہاں آم سے مراد ننھا پودا ہے

جب میں باغ میں گیا تو مالی آم کاٹ رہا تھا...... یہاں آم سے مراد بڑا درخت ہے

جب میں باغ میں گیا تو بچہ آم کھا رہا تھا...... یہاں آم سے مراد اس کا پھل ہے

اسی طرح سورہ قدر کے جتنے مرادات ہیں وہ اپنے اپنے مقام پر درست ہیں اس لیئے مناسب ہوگا کہ میں ان کا یہاں ذکر کرتا چلوں

دوستو!...... جب ہم سورہ قدر کا تجزیہ وتحلیل کرتے ہیں تو ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس سورہ کے چار صفات توجیہی ہیں اور چار صفات تفضیلی ہیں، یعنی اس کی چار فضیلتیں اور چار ان فضیلتوں کی وجوہات بیان ہوئی ہیں، جو چاروں مرادات کے اندر اپنے مفاہیم کو جداگانہ انداز میں پیش کرتی ہیں، وہ چار صفات تفضیلیہ وصفات

توجیہیہ اس طرح ہیں

صفات تفضیلیہ

دوستو!......اب ہمیں یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ اس کی فضیلتیں کیا ہیں؟

()لیلۃ القدر کی پہلی فضیلت یہ ہے کہ یہ قدر والی ''لیلۃ'' ہے

()اس کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ یہ ادراک بشر سے اجل وارفع ہے

() تیسری فضیلت یہ ہے کہ یہ ہزار مہینے سے بہتر ہے

() چوتھی فضیلت غائب واحد معروف کا ظرف ہے جس کے بارے میں انا انزلناہ کی [ہُ] میں اشارہ ہے، جس کا یہ ظرف ہے

توجیہی صفات

()اس کی فضیلت کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس میں ملکوت کا نزول ہوتا ہے

()اس کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں ''الروح'' کا نزول ہوتا ہے

() اس کی فضیلت کی تیسری وجہ جملہ امور کا نزول برائے مقدرات و مقسمات ہے

()اس کی فضیلت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس میں طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے

دوستو!......اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری تفصیلات معلوم کرنے کے بعد

بھی انسان لاعلمی کے اولین پوائنٹ سے آگے نہیں بڑھ سکتا کیونکہ یہ تو معلوم ہی نہیں کہ ''لیلۃ القدر'' کیا ہے؟ عجیب بات تو یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے بھی فرمایا ہے کہ کسے معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ اس کے بعد اس نے جو جواب دیا ہے اس میں بھی بات کھلی نہیں اور وہ لیلۃ القدر اسی طرح ادراک سے باہر ہی رہی ہے۔

لیلۃ القدر کا مرادِ اول

دوستو!...... فرامین آئمہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کے مطابق لیلۃ القدر کے جو مرادات ہیں ان میں صرف چار مرادات پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں جن میں سے مراد اول نیمہ شعبان کی شب ہے اور ماہِ رمضان کی لیلۃ القدر ہے۔
ہم دیکھتے ہیں کہ شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ ہے شعبان کا مہینہ ہے 14 ماہ شعبان کے دن سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سارے اصحاب کرام کو جمع فرمایا اور فرمایا کہ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ شعبان ہمارا مہینہ ہے اور رمضان اللہ جل جلالہ کا مہینہ ہے اور رجب امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کا مہینہ ہے، لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ یہ جو نیمہ شعبان کی شب آرہی ہے یہ کتنی بڑی فضیلت والی رات ہے؟ فرمایا یہ ایسی رات ہے

☆من احیا لیلۃ العید و لیلۃ النصف من الشعبان لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب

جو شخص عید کی رات اور ماہِ شعبان کی اس مقدس رات میں شب بیداری کرے اس شخص کا دل اُس دن بھی زندہ رہے گا جب لوگوں کے دل مردہ ہو چکے ہوں گے۔

یہ ہے لیلۃ القدر کی قدر و منزلت کہ اس میں شب بیداری کرنا حیات قلب کی ضامن ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے

+☆ان اللہ یطلع لیلۃ النصف من الشعبان الی العباد فیغفر لاھل الارض الا رجل مشرك او مشاحن و العاق و قاتل نفس و ھی دفع لِاھل الحقد بحقدھم حتیٰ ھی دعوۃ فیغفر المستغفرین ھی رحم لمسترحمین و ھی تؤخر اھل الحقد و املی الکافرین

نیمہ ءشعبان کی رات کو خلاقِ کائنات اہل زمین پر نظر کرم فرماتا ہے اور سارے لوگوں کو بخش دیتا ہے مگر اس کی رحمت اور مغفرت سے کئی لوگ محروم رہ جاتے ہیں، ان میں سے مشرکین ہیں، پاک خاندانِ تطہیر کے مقدس افراد علیہم الصلواۃ والسلام سے دشمنی رکھنے والے ہیں، یا جو والدین کے عاق شدہ ہیں، یا جنھوں نے کسی بے گناہ کو قتل کیا ہے، یا جو مومنین سے کینہ رکھنے والے ہیں، یا پاک گھر کے بارے میں کینہ رکھنے والے ہیں۔فرمایا اس رات میں استغفار کرنے والوں کو اللہ عز و جل معاف فرماتا ہے اور رحمت طلب کرنے والوں پہ رحمت فرماتا ہے اور کفار کو مہلت دیتا ہے اور اہلِ کینہ کو بھی مہلت دی جاتی ہے۔

اس کے فضائل میں بہت سی ایسی احادیث بھی آئی ہیں کہ جن میں اس شب کی فضیلت کا پہلو بھی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی فضیلت کی وجہ بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

فرد ثانی و ثالث

دوستو! ......جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ سورہ قدر کی فرد ثانی ہے'' مُنزِل'' جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر'' ہم'' نے لیلۃ القدر میں اسے نازل فرمایا یعنی اس میں نازل فرمانے والے کا ذکر ہے اور فرد ثالث یعنی نازل ہونے والے کا بھی ذکر ہے۔

اس رات کے بارے میں احادیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس رات اللہ جل جلالہ اپنے آپ کو نازل فرماتا ہے یعنی خود ہی نازل ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔

☆اذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها و صوموا نهارها فان الله نزل فيها لغروب الشمس الى السماء (كذا الدنيا فيقول الامن مستغفر لى فاغفرله آلا مسترزق فارَزقه الامبتلى فعافيه و هى قول هل من سائل فاعطيه سؤاله و هل من مستغفر فاغفر له هل من تائب فاقبل توبته و هل من مدين فاسهل عليه قضاء دينه فاغتنموا هذه الليلة و سرعة الاجابته فيها كذا حتىٰ طلع الفجر۔

شہنشاہ معظم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا نیمہ ء شعبان کی رات میں شب بیداری کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نیمہ ء شعبان کی رات آتی ہے اور جونہی سورج غروب ہوتا ہے رب ذو الجلال والاکرام اس زمین کے قریبی آسمان پر نزولِ اجلال فرماتا ہے اور فلک الارض پہ نازل ہونے کے بعد فرماتا ہے اے اہل زمین! کیا تم میں سے کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے؟ کیونکہ میں معاف کرنے پر تیار ہوں؟ کیا کوئی رزق طلب کرنے والا بھی ہے تو طلب کرے میں آج رزق عطا فرمانے پر تیار ہوں؟ کیا کوئی سوالی ہے کہ جو سوال کرے اور میں اس کا سوال پورا کروں؟ کیا کوئی بیمار ہے جو شفا طلب کرے اور میں اسے عافیت سے نوازوں؟ کیا کوئی گناہوں سے توبہ کرنے والا بھی ہے تو آئے میں اس کی توبہ قبول کرنا چاہتا ہوں، کیا کوئی مقروض بھی ہے کہ وہ دولت طلب کرے اور میں اس کے قرضے ادا کروادوں اور اسے مستغنی کردوں، بس اسی طرح ساری رات ایک ایک بات کے بارے میں وہ مالکِ کائنات فرماتا رہتا ہے تا اینکہ صبح ہو جاتی ہے، فرمایا اس رات میں دعا بہت جلد مستجاب ہو جاتی ہے۔

دوستو!...... یہاں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ جل جلالہ کے بارے میں نزول و ہبوط کا تصور قائم کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ یہ

بات اس کی ذات کیلئے جائز نہیں ہے، اس لیئے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ذات واجب الوجود کے نزول سے مراد کیا ہے کیونکہ اس سورہ میں نازل فرمانے والوں کیلئے جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور نازل ہونے والے کیلئے واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے اس لیئے ہمیں اس میں تعمق کرنا ضروری ہوجاتا ہے کہ یہاں نازل فرمانے والوں سے مراد کیا ہے اور نازل ہونے والا کون ہے؟ کیونکہ انزلناہ ہے میں (ہُ) کی ضمیر بتارہی ہے کہ وہ ایک ہے اور وہ معروف ومشہور ہے کہ جس کی طرف اللہ جل جلالہ نے صرف اشارے کو کافی سمجھا ہے کیونکہ غیر معروف کیلئے اشارے کا استعمال نقص بیان ہوتا ہے، ہاں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ساری دنیا کیلئے جانا پہچانا ہو بلکہ ضروری یہ ہوتا ہے کہ جسے مخاطب کیا جارہا ہو اس کیلئے وہ معروف اور جانا پہچانا ہونا ضروری ہوتا ہے ورنہ اشارے کا استعمال نقص کلام و بیان ہوتا ہے۔ اب ہم اس بات پر توجہ کرتے ہیں کہ وہ معروف کون ہے؟ اس کے بارے میں جو روایات موجود ہیں ان سے معروف کے تین مرادت سامنے آتے ہیں۔

نازل معروف کا مرادِ اول

دوستو!......بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے اور اسے نازل فرمانے والا اللہ جل جلالہ ہے اور لیلۃ القدر سے مراد ماہ رمضان یا ماہ شعبان کی ایک رات ہے، لیکن یہ بات سورہ قدر کے مزاج واسلوبِ بیان کے خلاف ہے۔

جیسا کہ سورہ قدر میں اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے ''انا انزلناہ'' اگر ہم ان الفاظ کا ایک عمومی جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ انزلناہ...... میں انزلنا جمع فاعلین ہے اور [ہُ] واحد مفعول کی ضمیر ہے جو کسی نا معلوم وغیب وغیر مذکور ومعروف کی طرف اشارہ ہے......یعنی ''ہم نے'' ...... ''اُسے'' نازل فرمایا

یہ لفظ ''ہم'' عربی میں دو سے زیادہ افراد کیلئے استعمال ہوتا ہے جس میں کم از کم تین فردوں کا ہونا ضروری ہے اور یہ تو ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ''اللہ جل جلالہ کیلئے جمع کے صیغے استعمال کرنا اس کی شان کے منافی ہوتا ہے کیونکہ انسانوں کا احترام اسی میں ہے کہ ان پر جمع کے صیغے بولے جائیں اور اللہ جل جلالہ کا احترام اسی میں ہے کہ اس پر واحد کا صیغہ استعمال کیا جائے تا کہ اس کی وحدانیت کا پہلو غالب نظر آئے۔

اس لئے ''انزلناہ'' کے لفظ سے دو باتیں تو ثابت ہو ہی جاتی ہیں

( ) پہلی بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ اس ''ہم'' سے مراد اللہ جل جلالہ نہیں ہوسکتا۔

( ) دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ اس ''ہم'' میں جو بھی ہیں وہ دو سے زیادہ ہستیاں ہیں یعنی پانچ بارہ چودہ جتنے بھی ہیں۔

اس پر تو علیحدہ طریقے سے غور کرنا ہوگا کہ انزلناہ میں جو لفظ ''ہم'' ہے اس میں کون کون شامل ہیں یعنی مُنزلین کون ہیں؟ لیکن لکھنے والے یہ جو لکھتے ہیں کہ نازل ہونے والا قرآن مقدس ہے یہ نظریہ کئی حوالوں سے درست ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ''جو

نازل ہوا‘‘ اس کے بارے میں ہم پر چار باتیں ثابت ہوجاتی ہیں یعنی

( ) وہ واحد بھی ہے

( ) وہ غائب بھی ہے

( ) وہ مذکر بھی ہے

( ) وہ معروف بھی ہے کہ جس کا نام لینا ضروری نہیں سمجھا گیا

دوستو! ......اگر ہم قرآن کریم مان لیں تو ہمیں لیلۃ القدر نیمہ شعبان یا ماہ رمضان کی لیالی قدر میں سے کوئی رات مراد لینا ہوگی اس طرح ہمارے سامنے سورہ قدر کا ترجمہ اس طرح بن جائے گا۔

’’ہم نے قرآن کو نازل فرمایا قدر والی رات میں‘‘

جبکہ یہ ایک تاریخی اور واقعاتی حقیقت ہے کہ قرآن کریم کسی ایک رات میں نازل ہوا ہی نہیں بلکہ اس کا نزول پورے تئیس 23 سال تک ہوتا رہا ہے جس کا ثبوت خود کلام اِلٰہی میں مکی و مدنی سورتوں کی موجودہ ترتیب سے ثابت ہے کیونکہ شہنشاہ معظم سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اعلانِ نبوت کے بعد 13 سال مکے میں تشریف فرما رہے ہیں اور دس 10 سال مدینہ طیبہ میں، اس لیئے کچھ سورتیں مکہ میں نازل ہوتی رہیں اور کچھ مدینہ میں۔

یہ بھی ساری دنیا جانتی ہے کہ ان تئیس سال میں یہ بھی نہیں کہ ایک سال میں نازل ہونے والی سورتیں صرف شب قدر میں نازل ہوجاتی تھیں بلکہ ان کیلئے کوئی دن کوئی وقت کوئی مقام تک مخصوص نہیں تھا، بلکہ جب بھی خالق نے اپنے پاک حبیب صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم سے کلام فرمانا ہوتا تھا تو فرمالیتا تھا چاہے آپ سفر میں کسی سواری پر ہی سوار کیوں نہیں ہوتے تھے۔

کچھ علمائے کرام کا یہ فرمانا ہے کہ شب قدر میں قرآن کریم کے نزول کا آغاز ہوا تھا اورسورہ خلق کی چند آیات نازل ہوئی تھیں۔

یہ بات کلام اِلٰہی سے میل نہیں کھاتی کیونکہ آیات کو عربی میں مؤنث کے صیغوں سے لایا جاتا ہے جیسا کہ ''تلك آیات '' کا استعمال ہوتا ہے اور یہاں جو [انزلناہ] میں جو آخری [ہُ] ہے یہ بتا رہا ہے نازل ہونے والا کوئی مذکر ہے ورنہ مؤنث کیلیئے ''ھا'' اور ''ھن '' کا استعمال ہوتا۔

اس لییئے یہ بات بھی کلام اِلٰہی کے مزاج کے خلاف ہے

بعض علمائے کرام کا فرمانا ہے کہ شب قدر میں پورے کا پورا قرآن بیت المعمور پر نازل ہوا تھا اور قلب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے بعد میں نازل ہوتا رہا۔

یہ بات واقعاتی لحاظ سے درست نہیں لگتی کیونکہ نزول قرآن سے دس سال قبل شہنشاہ معظم سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی اول کی دنیا میں جب آمد ہوتی ہے تو وہ کعبہ میں قرآن سمیت سارے صحف انبیاؑء کی تلاوت فرما کر ثابت کرتے ہیں کہ یہ قرآن ان کے پاس تو ازل سے ہے، اب یہاں کوئی بھلا یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ وصی کے پاس تو یہ قرآن ازل سے ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آخری 23 سال میں قسطوں میں نازل ہوا ہو؟

دوستو!...... یہ بھی عجیب بات ہے کہ اللہ جل جلالہ نے آیت میثاق میں سارے نبیوں سے فرمایا تھا☆لما اتیتکم من کتاب و حکمة......

اس سے ثابت ہے کہ جس روز میثاق ہوا تھا اور انبیاء و رسل کو نبوت عطا فرمائی گئی تھی کتاب تو اسی دن سارے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرما دی گئی تھی، اسی لیئے جناب عیسیٰ علیہ السلام اپنے ظہور کے روز اول فرماتے ہیں کہ میں اللہ جل جلالہ کا نبی و عبد ہوں اور کتاب بھی لایا ہوں۔ اب یہ بات تو کوئی بھی مسلمان سوچ سکتا ہے کہ جن کی نبوت سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماتحت ہے اسے تو کتاب روزِ اول مل جائے اور جو اصل نبی حقیقی ہیں انہیں چالیس سال بعد ملے، یہ کیسے ممکن ہے؟

دوستو! اس قسم کے بہت سے اشکال ہیں جو میری سمجھ سے باہر ہیں، میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ میرے پاس تو صرف جہالت کا خزانہ ہے اور میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

نازل معروف کا مرادِ ثانی

دوستو!......بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد خود اللہ جل جلالہ ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ

☆اذا کانت لیلة النصف من الشعبان هبط رب تبارك و تعالیٰ الی السماء فیطلع اطلاع الی اهل الارض فیغفر لاهل الارض جمیعا الاالکافر او مشاحن

فرمایا جب نیمہ شعبان کی مقدس رات وارد ہوتی ہے تو رب العالمین سماء دنیا پر ہبوط فرماتا ہے اور اہل دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کافر و مشاحن (کینہ و دشمنی رکھنے والے) کے علاوہ سارے لوگوں کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

اس کی تشریح و تفسیر میں کافی کچھ کہا گیا ہے کیونکہ ان احادیث میں دو لفظ ایسے ہیں جنہیں کوئی بھی اللہ کے شایانِ شان نہیں سمجھتا وہ الفاظ ہیں ''نزول'' اور ''ہبوط'' ان کے معنی ہیں کسی بلندی سے پستی پہ آنا، یا اونچائی سے پستی پہ اترنا، اور اللہ جل جلالہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ پہلے کسی اور جگہ پہ تھا اور پھر کسی اور جگہ چلا گیا ہے، یہ اس کے محیط بالعالمین ہونے کے منافی ہے اس لیئے ایسے الفاظ کی تاویل و تعبیر کی جاتی ہے اس لیئے کچھ علما نے لکھا ہے کہ

☆سبحانه هو اعظم من ان يزول عن مكانه ولكن نزوله على الشى اقباله عليه لابجسم

اللہ اس بات سے منزہ ہے کہ وہ کسی ایک مکان سے کسی دوسرے مکان کی طرف نزول فرمائے لیکن اس کے کسی چیز کی طرف نزول فرمانے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے نہ کہ جسمانی طور پر اس پر نازل ہوتا ہے۔

یہ تو سارے جانتے ہیں کہ اقبال کی ضد ادبار ہے جس کے معنی ہیں پشت پھیرنا یا بے رخی کرنا

بعض علما نے لکھا ہے کہ یہ تعبیر غلط ہے

☆ولکن عدد من الروایات عن الائمة من اهل البیت علیهم الصلواة والسلام تنفی هذا التعبیران الله تعالیٰ هی نزل ملکا لیلة ......الخ

یہ تعبیر جو کی جاتی ہے وہ درست نہیں کیونکہ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلواۃ والسلام کی بہت سی روایات ایسی ہیں جو اس بات کی تردید کرتی ہیں تا اینکہ لکھتے ہیں شاید اس سے مراد یہ ہو کہ اس رات میں اللہ ایک فرشتے کو نازل فرماتا ہے جو تمام رات فلک الارض پر منادی کرتا رہتا ہے۔

اب علمائے کرام کی ہمارے سامنے دو تعبیریں ہیں

() پہلی یہ ہے کہ اللہ عرش پہ بیٹھ کر اس زمین کے قریبی آسمان کی طرف توجہ فرماتا ہے

() دوسری یہ ہے کہ وہ کسی فرشتے کو زمین کے قریبی فلک پر نازل فرماتا ہے اور وہی منادی کرتا رہتا ہے

اس تعبیر کی قباحت تو سب کے سامنے ہے کیونکہ جو ذات کبھی بھی کائنات کے کسی ایک ایٹم سے بھی غافل نہیں ہوتی اور نہ اس کی توجہ انسانی انداز کی توجہ ہے کہ جب ایک طرف ہوتی ہے تو دوسری طرف نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی توحید کا نقص ہے، اس لیئے یہ نظریہ رکھنا باطل ہوگا۔

دوسری تعبیر بظاہر اللہ کی عظمت کے خلاف نہیں ہے مگر احادیث کے مزاج کے خلاف

ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ اللہ خود فلک ارض پہ تشریف فرما ہوتا ہے اور وہاں سے اہلِ زمین سے مخاطب ہوتا ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب سے سلسلہ ءِ روز و شب عالمِ وجود میں آیا ہے یہ رات ہمارے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے نام سے منسوب ہوئی ہے اور اسی رات کو انہوں نے اپنی شب نزول و ہبوط قرار دیا تھا اور مخلوق کے سامنے پاک خاندان علیہم الصلواۃ والسلام نے اپنے رازوں کو راز رکھنے کے ساتھ ساتھ عارفان شہنشاہٴ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کو بھی رزقِ عرفان عطا فرمانا تھا اس لیئے فرمایا ''رب'' فلکِ ارض پہ نازل ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ تھی کہ جب سے رات دن کا یہ سلسلہ خلق ہوا ہے اسی دن سے ہر سال اسی رات کو ہمارے رب الارض عجل اللہ فرجہٗ الشریف فلک الارض پہ تشریف لاتے ہیں اور اپنی شبِ نزول کی نسبت سے اسی رات پہلے آسمان پر نیابت اِلٰہیہ کے تخت رحمانیت و رحیمیت کو زینت بخشتے ہیں اور بتقاضہ ءِ رحمانیت نیک و بد کو ،مومن و منافق کو، مسلم و کافر کو نعماتِ دنیا عطا فرماتے ہیں، اور بتقاضہ ءِ رحیمیت مومنین اور اپنا نام لینے والوں کے جملہ گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور ان کی طرف سے ایک فرشتہ منادی پوری رات ندا کرتا رہتا ہے کہ کون ہے جو ہم سے کچھ طلب کرے اور ہم عطا فرمائیں۔

() ان روایات سے عارفین کو یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ ان کا اصل گھر تو کوئی اور ہے وہاں سے ہر سال پہلے آسمان پر اُتر کر اُس زمین کا مشاہدہ فرماتے ہیں کہ جہاں انہیں انسان کی ہدایت کیلیئے تشریف لانا ہے۔

( )اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں سے فلک الارض پر تشریف لاتے ہیں؟
ہبوط اور نزول کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ فلک الارض سے بھی کسی بلند مقام سے تشریف لاتے ہیں۔

دوستو!...... یہ بھی تو ایک مسئلہ ہے کہ ان کی ملکیت تو عالمین ہیں کیا یہ کسی عالم سے یہاں تشریف لاتے ہیں کیونکہ احادیث کی ایک کثیر تعداد بتا رہی ہے کہ اس زمین کی تخلیق سے بھی قبل کئی عالم تخلیق ہوئے تھے ان کی تعداد کے بارے میں اور تخلیق کے بارے میں کہیں یہ فرمایا گیا ہے اللہ نے اس عالم کی تخلیق سے قبل ہزار ہزار عالم خلق فرمائے۔

دوستو!......ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ الفاظ (ہزار ہزار) لاتعداد کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں یا واقعی دس لاکھ عالمین ہیں؟

( )امام جعفرؑ الصادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ تمہیں کیا معلوم؟ عالمین میں سے بارہ 12 ہزار عالمین تو ایسے بنائے گئے ہیں کہ ایک ایک عالم تمہاری ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں سے بھی بڑا ہے، وہ عالمین مخلوق سے بھرے ہوئے ہیں، اور اس زمین کی تخلیق سے بھی پہلے کے ہیں اور انہیں یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ اللہ نے کئی اور بھی عالمین پیدا کئے ہیں۔ سائل نے سوال کیا پھر ان میں حجت خدا کون ہے تو فرمایا؟

☆انا حجة الله علیهم وہاں حجت اللہ ہم ہیں

اس موضوع پہ بہت سی روایات و احادیث ہیں جس کیلئے بحار الانوار میں کتاب السما

والعالم اور بصائر الدرجات وغیرہ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے
کسی حدیث میں ہے کہ اس سورج کے ماوریٰ چالیس سورج ہیں جن کے مابین چالیس سال بروایت دیگر چالیس ہزار اِلٰہی سال کا فاصلہ ہے جو ہمارے نوری سال [لائٹ ایئر Light Year] سے لاکھوں گنا زیادہ فاصلہ بنتا ہے اور ان کے نظام ہائے شمسی میں کئی زمینیں ہیں ان میں خلقِ کثیر آباد ہے اور ان کا دین دشمن پہ تبرا کرنا ہے، بعض روایات میں ہے کہ ان پر ملکوت نگران ہیں اگر وہ اصنام قریش پر لعنت نہ کریں تو ان پر عذاب اِلٰہی نازل ہو جاتا ہے
عالمین کی تعداد بارہ ہزار سے دس لاکھ تک لکھی ہوئی ہے اور ان عالمین میں سے بعض کے صرف چند شہروں کا ذکر بھی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس کا ایک شہر اتنا بڑا ہے تو ملک کتنا بڑا ہوگا؟ اور وہ عالم کتنا بڑا ہوگا؟ مثلاً عجلان بن صالح نے شہنشاہ معظم امام صادق علیہ الصلواۃ والسلام سے عرض کیا کہ یہ دنیا قبہءِ آدم ہے تو انہوں نے فرمایا ہاں، اس کے بعد فرمایا تمہاری مغرب کے پیچھے انتالیس مغارب ہیں جس کی سفید زمین مخلوق سے بھری ہوئی ہے اور انہوں نے ایک طرفۃ العین کیلئے کبھی بھی خالق کی نافرمانی نہیں کی وہ نہیں جانتے کہ اللہ نے کسی آدم کو پیدا بھی کیا ہے اور وہ اصنام قریش سے بیزاری کرتے ہیں، سائل نے عرض کی وہ کیسے بیزاری کرتے ہیں؟ فرمایا انہیں ایسا ہی حکم ہے جیسے تمہیں ابلیس پہ لعنت کرنے کا حکم ہوا ہے

(بصائر الدرجات 493 بحر المعارف 406)

شہنشاہ معظم امام صادق علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا اللہ جل جلالہ نے مشرق میں

ایک شہر جابلقا آباد فرمایا ہے جس کے گرد فصیل ہے، اوراس کے بارہ ہزار سونے کے دروازے ہیں، ایک دروازے سے دوسرے کا فاصلہ ایک فرسخ = آٹھ کلومیٹر) کا ہے، اور ہر دروازے پر ایک برج ہے، اس کے سامنے بارہ ہزار مقاتل [فوجی چھاؤنیاں] ہیں جن میں ہر وقت فوجی گھوڑوں کو دوڑاتے رہتے ہیں اورتلواریں تیز کرتے رہتے ہیں اور وہ ہمارے آخری لختِ جگر عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا انتظار کر رہے ہیں۔ اسی طرح کا مغرب میں ایک شہر ہے جس کا نام جابرسا ہے اس کی بھی یہی کیفیت ہے ان شہروں کی لمبائی بارہ ہزار فرسخ بیان ہوئی ہے گویا 98 ہزار میل لمبا ایک ایک شہر ہے۔

اسی طرح شہنشاہ معظم امام صادق علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا اللہ نے ایک شہر بنایا ہے کہ جو اتنا وسیع ہے کہ اسے طے کرنے کیلئے چالیس دن لگتے ہیں، اس میں ایک ایسی قوم آباد ہے کہ جس نے کبھی بھی اپنے خالق کی نافرمانی نہیں کی ہے وہ نہ تو ابلیس کو جانتے ہیں، نہ جناب آدم کو اور نہ انہیں یہ معلوم ہے کہ اللہ نے انہیں خلق فرمایا بھی ہے یا نہیں۔

☆تلقاهم فی کل حین فیسالون عما هی یحتاجون الیه

ہم ان میں ہمہ وقت موجود رہتے ہیں اور وہ اپنی ضرورت کی ہر چیز ہم سے دریافت کرتے ہیں ...... (بصائر)

اسی طرح امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی دستار کے وارثِ اول امامِ مجتبیٰ علیہ الصلواۃ والسلام نے بھی فرمایا تھا کہ اللہ جل جلالہ کے دو شہر ہیں ایک مغرب میں ہے

ایک مشرق میں ہے جن کے گرد لوہے کی فصیل ہے اور ہر شہر میں ستر ستر ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ہم ساری زبانوں کے عالم ہیں اور ان پر حجت ہمارے بھائی حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ہمارے علاوہ ان پر کوئی حجت نہیں ہے...... (بصائر ص492)

() یہ بھی فرامین ہیں کہ یہ عالمین اس عالم دنیا سے قبل کے ہیں اور امیر کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہ مرتبہ فرمایا تھا کہ 80 ہزار آدم خلق ہوئے جو ہم نے خلق فرمائے اور ایک آدم کے بننے سے دوسرے کے بننے تک تیس ہزار سال فلکی کا فاصلہ تھا اور تمہارا بابا آدم تو کل ہی ہم نے بنایا ہے، ہمیں اچھی طرح یاد ہے چالیس دن ہم نے جناب آدم کی مٹی کی تیاری پہ صرف فرمائے، چالیسواں جو دن تھا وہ جمعہ کا دن تھا، ظہر کا وقت ہم نے اس کی مٹی گوندھی اور عصر سے قبل بنا کر فارغ ہو گئے۔

یہ فرمایا گیا ہے کہ ایسے بھی عوالم ہیں کہ جن کے آدم کی نسل اپنی مدت پوری کر کے اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے اور ان پر قیامت گزر چکی ہے، ان کے مومنین جنت میں جا چکے ہیں اور ان کے ظالمین وغیرہ جہنم میں ابدی سزا کو پہنچ چکے ہیں اب اس زمین کی باری ہے۔ اب ان روایات میں سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

بات جہاں سے شروع ہوئی تھی وہاں واپس آتے ہیں، وہ یہ ہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں اب کون بتا سکتا ہے کہ اصل کس عالم میں ان کی حقیقی رہائش گاہ ہے اور کہاں سے فلکِ ارض پہ نگاہ فرمانے تشریف لاتے ہیں؟ پتہ نہیں ان کی اصلی رہائش گاہ وہ ہے کہ جہاں غیر کا نام تک نہیں ہے؟ یا اصلی رہائش گاہ

وہ ہے کہ جہاں کے لوگ انہیں اپنے سامنے موجود پاتے ہیں، رابطہ کرتے ہیں، ظاہراً جواب پاتے ہیں۔ یہ بات میرے سوچنے کی نہیں ہے، میں نے تو سوچ اور عقیدے کو ایک راستہ دکھانا تھا، اب سوچنا آپ کا کام ہے کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کہاں سے پہلے آسمان پر تشریف لاکر اس حقیر سی دنیا کو نعمات عطا فرماتے ہیں۔

() میں تو اتنا جانتا ہوں کہ وہ پہلے آسمان پر آتے تو ہر سال تھے مگر 255 ہجری سے قبل فلکِ ارض تک تشریف لاتے تھے، نعمات عطا فرما کر واپس اپنے مقامِ اعلیٰ کی طرف تشریف لے جاتے تھے، مگر سنہ 255 ہجری میں رحمت کو اتنا جوش آیا کہ نعمات عطا فرماتے فرماتے خود آپ نعمت اللہ الکبریٰ بن کر مخلوق میں تشریف لے آئے ۔ یہاں یہ تو ثابت ہوگیا کہ وہ ہر سال کسی نامعلوم مقام اعلیٰ سے اس فلک الارض پر تشریف لاتے تھے اور 255 ہجری میں اس دنیا میں تشریف لے آئے۔

ملکوت وروح ومنزول الامر

دوستو!......جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ سورہ قدر کی 8 فردیں ہیں جن میں سے چار کے بارے میں ہم کچھ نہ کچھ عرض کر چکے ہیں، اب مراد اول کے تحت بقیہ فردوں میں سے ہم تین کے بارے میں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

() پانچویں فرد تھے ملکوت

() چھٹی فرد تھی روح

( ) ساتویں فرد ہے امور نازلہ

دوستو! اب ہم اس سورہ مبارکہ کے ایک اور موضوع کی طرف توجہ کرتے ہیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ سورہ کے الفاظ یہ ہیں

☆تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ......

یعنی اس شب میں اپنے رب کے اذن سے ملکوت اور روح کا جملہ امور کے ساتھ نزول ہوتا ہے یعنی پہلی فرد ہیں ملکوت (فرشتے)

دوستو! یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ ملکوت مَلَكْ کی جمع ہے اور ملک کے بارے میں صاحبانِ مفردات لکھتے ہیں کہ

☆ اَلْمُتَوَلِّي مِنَ الْمَلَائِكَةِ شَيْئاً مِنَ السِّيَاسَةِ يُقَالُ لَهُ مَلَك" بِالْفَتْحِ وَ مِنَ الْبَشَرِ يُقَالُ لَه مَلِك" بِالْكَسرِ

وہ فرماتے ہیں کہ ملکوت میں سے جن کے سپرد نظام سیاست اِلٰہی میں سے کچھ بھی ہوتا ہے، انہیں مَـــلَك یعنی لام پر زبر کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور انسانوں میں جو امور سیاست پر کچھ بھی اختیار رکھتے ہیں انہیں مَـــلِك یعنی لام کی زیر کے ساتھ لکھا جاتا ہے جس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔

اس بات سے ثابت ہوا کہ ہر فرشتہ مَلک نہیں ہوتا ہاں ہر مَلک فرشتہ ہوتا ہے۔عربی میں انہیں اس طرح ممیّز کیا جاتا ہے کہ فرشتوں کی جمع کو ملائکہ لکھتے ہیں اور ملک کی جمع کو ملکوت لکھتے ہیں لیکن آج یہ فرق نہیں کیا جاتا ماضی میں اسی طرح تھا جیسا کہ لسانیات کے ماہرین اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

دوستو! ...... وہ فرشتے جو اللہ جل جلالہ کے امور سلطنت میں کسی کارکن کے طور پر کام کرتے ہیں یا کسی اہل کار کی طرح ڈیوٹیوں پر متعین ہوتے ہیں انہیں ملکوت کہا جاتا ہے لیکن جو مخصوص امور پر فائز ہوتے ہیں اور سپیشل ڈیوٹی کیلیئے وقف ہوتے ہیں انہیں ملائکہ کہا جاتا ہے اور سورہ قدر کے الفاظ یہ ہیں کہ☆ تنزل الملائکۃ ...... ملائکہ کی تنزیل ہوتی ہے نہ کہ ملکوت کی یعنی یہ کسی خاص ڈیوٹی کیلیئے نازل ہوتے ہیں جو روزمرہ کے معمولات سے ہٹ کر کوئی ڈیوٹی ہے۔

دوستو! ...... اگلی فرد ہے ''روح'' ...... میں جس کے بارے میں یہاں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا کیونکہ یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ جس پر تفصیل سے ہم پھر کبھی بات کریں گے۔ یہاں یہ نتیجہ پیش ضرور کروں گا کہ اس رات میں روح اور ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور ملائکہ کسی خاص ڈیوٹی کیلیئے نازل ہوتے ہیں۔

دوستو! ...... اب یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ وہ ڈیوٹی کیا ہوتی ہے؟

اس کا جواب ہمیں خود سورۂ مبارکہ میں موجود نظر آتا ہے کیونکہ فرمایا گیا کہ روح اور ملائکہ اپنے رب کے اذن سے کل امر کیلیئے (جملہ امور کیلیئے) نازل ہوتے ہیں اب مناسب ہوگا کہ میں☆ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ...... کے بارے میں تھوڑی سی گفتگو کرتا چلوں۔

مِن کُلِّ اَمر کے بارے میں بھی ہمیں خاندان تنزیل علیہم الصلواۃ والسلام نے بہت کچھ فرمایا ہے، اس لیئے ہمیں انہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا سارے علمائے کرام جانتے ہیں کہ مختلف احادیث سے ثابت ہے کہ اس رات میں اس کائنات کے ایک سال کے

جملہ مقدرات لے کر ملائکہ نازل ہوتے ہیں جیسا کہ شہنشاہ معظم امام موسیٰ کاظم علیہ الصلواۃ والسلام سے سلیمان نامی صحابی نے ''مِن کُلِّ اَمر'' کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا اس رات کو ایک سال کے فیصلے ہوتے ہیں، جس میں موت وحیات و صحت وسقم سے لے کر رزق تک کے فیصلے ہوتے ہیں......[خلاصہ] بحارالانوار 3/96

اسی طرح بہت سی احادیث ہیں جن میں فرمایا گیا ہے موت وحیات، صحت وسقم، رزق واولاد، خیر وشر الغرض کائنات کے ایک ایک فرد کا مقدر اسی رات کو نازل ہوتا ہے اسی رات کو لوحِ محو واثبات پر تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، کسی کا رزق بڑھایا جاتا ہے، کسی کا گھٹایا جاتا ہے، کسی کو اولاد لکھی جاتی ہے، کسی سے اولاد واپس لینا مقدر کیا جاتا ہے، یعنی ایک سال تک کا ہر چیز کا کوٹہ اسی رات کو مقرر ہوتا ہے اور احکام کا نفاذ ہوتا ہے، گویا یہ حکومت اِلٰہی کے سالانہ بجٹ کی رات ہے کہ جس رات حکومت اِلٰہیہ کے عمال وحکام کے سامنے پورے سال کا بجٹ پیش کیا جاتا اور اسے منظور کیا جاتا ہے اور بجٹ پیش کرنے والے وزرائے خزانہ ہوتے ہیں جیسا کہ کشاف اسرار جناب صادق آل اطہار علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ اس رات ملائکہ وروح القدس وکتب سمائے دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور مخلوق کے امور کا ایک سال کا فیصلہ ہوتا ہے......[خلاصہ]......بحارالانوار 4/99

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ پورے سال کا بجٹ کس کے سامنے پیش ہوتا ہے اور آخری فیصلہ کون کرتا ہے؟

دوستو! ......اس کا جواب جو ہمیں مختلف روایات سے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ بعض

روایات میں ہے کہ یہ بجٹ سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش ہوتا ہے بعض روایات میں ہے کہ یہ بجٹ سب سے پہلے سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے، پھر وہ اسے امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی طرف فارورڈ فرماتے ہیں اس کے بعد سلسلہ بسلسلہ یہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف تک جاتا ہے اور فائل سگنیچر (File Signature) ان کے ہوتے ہیں تو یہ بجٹ منظور ہو جاتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ بجٹ سب سے پہلے ہر زمانے کے امام علیہ الصلواۃ والسلام کے سامنے منظوری کیلئے جاتا ہے، ان کے اذن کے بعد یہ سارے معصومین ازل علیہم الصلواۃ والسلام کی کیبنٹ میں پیش ہوتا ہے اگر ہم ان ساری روایات کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن ایک بات جو ہے وہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ بجٹ منظوری کیلئے کیبنٹ کے سامنے پیش ہی نہیں ہوسکتا جب تک اسے زمانے کے شہنشاہ منظور نہ فرمائیں، جیسا کہ سورہ مبارکہ میں جو'' فیھا باذنہ '' کے الفاظ ہیں وہ یہی بتاتے ہیں کہ رب الارض صرف زمانے کا امام ہی ہوتا ہے، کیونکہ وہ اس زمین کا مربی و والد ہوتا ہے اور وہی اس کی ہر چیز کو پروان چڑھانے کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور جو کوئی بھی جس کا مربی ہوتا ہے اسے اللہ بھی اس کا رب کہنے میں فخر محسوس فرماتا ہے، جیسا کہ ماں باپ کو اس نے اولاد کا رب کہا ہے، سورہ بنی اسرائیل آیہ 24 میں ارشادِ رب العزت ہے۔

☆وَقُل رَّبِّ ارحَمھُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْراً

اسی طرح جو اس کائنات کا مربی ہو گا اس پر بھی لفظ رب کا بولا جانا درست ہو گا اور کائنات کی تربیت کی ذمہ داری کیونکہ ہر زمانے کے امام کی ہوتی ہے اس لیئے سب سے پہلے انہی سے اِذن لینا لازم ہے اور انہی کے اِذن سے ملائکہ وروح کتب لے کر معصومین ازل علیہم الصلواۃ والسلام کی کیبنٹ میں بجٹ پیش کرتے ہیں اب یہ تو آپ سمجھ گئے کہ اس رات کو ملائکہ اور روح القدس پورے سال کا مقدر لے کر بارگاہِ امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف میں پیش ہوتے ہیں اور ان کے اِذن سے زمین پر نفاذ کیلیئے نازل ہوتے ہیں۔

دوستو!...... یہاں مناسب ہو گا کہ میں مقدرات کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ عرض کرتا چلوں۔ یہ تو سارے صاحبان علم جانتے ہیں کہ تقدیر و تقدر میں بنیادی طور پر چار چیزیں لازم ہوتی ہیں۔

() مقدرات شئے () وقت شئے () زمان شئے () شرط شئے

میں ایک مثال سے اس بات کو واضح کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ ایک آدمی کو رزق ملنا ہے تو اس میں۔

() نمبر ایک یہ مقدر ہوتا ہے کہ اسے اتنی مقدار میں فلاں چیز ملنا ہے

() نمبر دو یہ مقرر ہوتا ہے کہ اسے کس عمر میں اور کس زمانے میں ملنا ہے

() نمبر تین یہ کہ اسے فلاں رزق کس وقت ملنا ہے

اسی لیئے کہتے ہیں کہ

☆کل امر مرھون الی اوقاتھا......

ہر چیز اپنے وقت کی مرہون ہوتی ہے

() نمبر چار اس رزق کیلئے شرط بھی مقرر ہوتی ہے کہ اگر یہ کرے گا تو اتنا ملے گا یہ نہیں کرے گا تو اتنا ملے۔ اسی لیئے فرمایا گیا ہے دعا سے زیادہ رزق میں اضافہ کرنے والی چیز کوئی بھی نہیں ہے۔

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ تقدیر حتمی ہوتی ہے یعنی اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا تو پھر دعا کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی ،اس لیئے اکثر امور میں بعض شرائط ہوتی ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ صلہ رحمی یعنی اپنے خاندان سے بہتر سلوک کرنے سے عمر میں اضافہ ہوجاتا ہے اسی طرح بہت سی شرائط ہوتی ہیں کہ اگر دعا کرے گا تو رزق میں اضافہ ہوجائے گا اور اگر صلہ رحمی کرے گا تو موت کا وقت بدل دیا جائے گا یہاں ہم الواح ثلاثہ و اربعہ اور قضا و قدر پر بحث نہیں کرسکتے اس پر ہم پہلے ہی بہت کچھ بیان کرچکے ہیں اس کا اعادہ یہاں مناسب نہ ہوگا۔

اب ہم اپنا سفر فکر ایک اور منزل کی طرف جاری کرتے ہیں

منزل الامور

دوستو!......اب ہم اس سورہ کی آخری فرد پر پہنچ چکے ہیں یعنی یہاں اس سوال پر غور کریں گے کہ ملائکہ اس دنیا پر احکام اِلٰہی کے نفاذ کیلئے کس پر نازل ہوتے ہیں؟ یعنی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بجٹ پاس ہوجاتا ہے تو اس کے بعد یہ نفاذ کیلئے کہاں جاتا ہے اور اسے اس دنیا پر نافذ کون کرتا ہے؟

اس سوال کا جواب بھی ہم اپنی طرف سے دینے کی بجائے خود خاندان تنزیل علیہ الصلواۃ والسلام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں تو جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ

☆ الملائكة فى هذا الموضع المومنون الذين يملكون علم آل محمد عليهم الصلواة والسلام، الروح روح القدس و هو فى سيدة النساء العالمين صلواة الله عليها، من كل امر يقول من كل امر مسلمه حتىٰ مطلع الفجر يعنى حتىٰ يقوم القائم عجل الله فرجهٗ الشريف

25/97بحارالانوار،تاویل الایات 791

اس کا جواب یہ فرمایا ہے کہ جملہ امور مسلّمہ لے کر ملائکہ ان مومنین و صالحین کی خدمت میں جاتے ہیں کہ جو علم آل محمد علیہم الصلواۃ والسلام کے حامل وامین ہوتے ہیں، اور یہ ان کی خدمت میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے خروج تک پیش کرتے رہیں گے۔

عمالِ حکومت الٰہیہ کے بارے میں میری کتاب نہج المعرفت فی اسماء القائمؑ جلد دوم اسم مبارک غوث الغیوثؑ اور قطب الاقطابؑ کی طرف رجوع کریں۔اب چونکہ وقت ہمارا ساتھ چھوڑ رہا ہے، ہمارے دوسرے بہت سے معززین ذاکر صاحبان موجود ہیں جو شاید اس انتظار میں ہیں کہ میں کب منبر پاک اُن کے حوالے کروں گا، اس لئے آج کیلئے اتنا ہی کافی ہے، پھر جب مالک پاک نے موقع عطا فرمایا تو انشاء اللہ اس موضوع کو مکمل کرنے کی کوشش کروں گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

ابنِ سیدۃ العالمینؑ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے پروازیان ملاء العلیٰ!

اِس سلسلہ کی پہلی مجلس میں نے نیمہ شعبان کی رات یعنی شب برات کو آپ کے سامنے پڑھی تھی، آج دوبارہ موقع عطا ہوا ہے تو عرض کر رہا ہوں کہ آپ سب کو یقیناً یاد ہوگا کہ اپنی سابقہ مجلس میں ہم نے ایک سلسلہ شروع کیا تھا جس میں اپنے وقت کے پاک امام زمانہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے ایک اسم مبارک پر اُنہی کے عطا کردہ عقل وشعور وفہم وفراست کے سہارے روشنی ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن دامن وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ہماری بات پایہ ءِ تکمیل تک نہیں

پہنچ پائی تھی ، آج ہم اپنے بیان کا سلسلہ بغیر اعادہ کیئے وہیں سے شروع کر رہے ہیں جہاں اسے چھوڑا تھا

دوستو! ......لیلۃ القدر ایک ظرف بھی ہے جس میں نازل ہونے والا نازل ہوا جیسا کہ ارشاد ہے

إِنَّـا أَنـزَلْـنَـاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ......یعنی اس میں لفظ فی ظرفیہ ہے کہ بطن شب قدر میں وہ نازل ہوا یعنی اس نازل ہونے والا کا ظرف لیلۃ القدر ہے

دوستو! ......اگر ہم اس ''لیلۃ القدر'' کی ترکیب لفظی کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں دو لفظ ہیں ایک ہے ''لیلۃ'' جس کے عمومی معنی رات کے لیئے جاتے ہیں اور دوسرا لفظ ہے ''قدر'' ......اس پر بھی ہمیں غور کرنا ہوگا

مراد ثانیہ

دوستو ! ......فرامین معصومین علیہ الصلواۃ والسلام سے لیلۃ القدر کی جو دوسری مراد ہے وہ ہے ...... ''لیلۃ العدیم''

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ لیلۃ العدیم کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ جل جلالہ نے نور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اپنا سلسلہ ءِ تخلیق وتکوین شروع فرمایا تو اس سے قبل عالم الوجود میں عدم کامل کی ایک رات چھائی ہوئی تھی ، اس وقت اللہ جل جلالہ نے جو چیز اس عدم کامل کی رات میں نازل فرمائی وہ امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی ولایت تھی جیسا کہ

کشاف الاسرار صادق آل اطہار علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا تھا

☆ نـزلـت ولاية اميرالمومنين فی ليلة القدروهی ليلة قدرت ولاية علیّ فيها و قدرت فيها السموات والارض...... الخ

امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی ولایت لیلۃ القدر میں نازل ہوئی تھی اوراسی میں آسمانوں اورزمین کا تقدر ہوا تھا یعنی جو نازل ہوئی وہ ولایت تھی، جو اس کا ظرف تھا وہ وہ لیلۃ القدر تھی کہ جس سے قبل کامل عدم تھا، اسی لئے اُس لیلۃ القدرکولیلۃ العدیم بھی کہا جاتا ہے۔

پھر اسی لیلۃ العدیم میں کائنات کی ایک ایک چیز کوخلق فرمایا گیا، زمین و آسمان بچھائے گئے، عرش وکرسی کو قائم کیا گیا، اورانہیں قیام وقرار نہ ملا جب تک ان پر ولایت کا قیام نہ ہوا، اسی طرح جنت، دوزخ، ارواح وملکوت کو اسی لیلۃ القدر و قدرت میں بنایا گیا۔

جب ہم لیلۃ العدیم کوسامنے رکھ کرازسرنوسورہ قدر کےایک اور باطن کی طرف سفر کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ لیلۃ العدیم کوئی رات نہیں تھی بلکہ وجود غیراللہ کیلئے عدم محض تھا اوروجود واجب کیلئے وجود محض تھا پھراس نے سلسلہ وجود امکان شروع فرمایا۔

قاسم بن محمد بن عبید نے کشاف اسرار صادق آل محمد علیہ الصلواۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آقا ہمیں سمجھ نہیں آئی کہ خالق نے سب کچھ بتا کے بھی کچھ نہیں بتایا کہ

☆ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ...... الخ

ہمیں تو کچھ بھی نہیں بتایا، تو مولا نے فرمایا کہ

☆لیلة هی السیدة صلواة الله علیها

فرمایا کہ لیلۃ سے مراد ہماری جدہ طاہرہ صلواۃ اللہ علیہا ہیں اور قدر سے مراد پروردگار عالم ہے اس کے بعد فرمایا

☆من ادرک السیدة صلواة الله علیها فقد ادرک لیلة القدر

یعنی جس آدمی نے جناب سیدۃ صلواۃ اللہ علیہا کی معرفت کا ادراک کیا

اس نے گویا لیلۃ القدر کا ادراک حاصل کرلیا

اسی شہنشاہِ معظم علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا کہ سورہ حم اور دخان میں فرمایا گیا کہ حم، کتاب مبین، انا انزلنا فی لیلۃ المبارکۃ، تو اِس میں کتاب مبین سے مراد مولا امیر کی ذات بابرکات اور لیلۃ المبارکہ سے مراد ہماری جدہ طاہرہ معظّمہ کائنات صلواۃ اللہ علیہا ہیں۔ لیلۃ القدر کی جو صفات بیان کی گئی تھیں ان میں پہلی صفت یہ بتائی گئی تھی کہ

☆وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْر یعنی لیلۃ القدر کا ادراک کوئی نہیں کرسکتا

اسی طرح جناب سیدہ کونین صلواۃ اللہ علیہا کا ادراک بھی کوئی نہیں کرسکتا جب معظّمہ پاک صلواۃ اللہ علیہا کے اسم پاک کی وجہ تسمیہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ

☆لِاَن لایدرک معرفتها الخلق

مخلوق کو ان کی حقیقی معرفت سے محروم رکھا گیا ہے

(ف ط م) کا جو مادہ ہے اس کے لغوی معنی

1......اگر انسان کیلئے استعمال کیا جائے تو معنی ہوں گے چھوٹے بچے یعنی دودھ پینے والے بچے کا دودھ چھڑانا

2......اگر جانور پر استعمال ہو تو اونٹنی کے بچے کا جبراً دودھ چھڑوانا

یعنی جناب سیدہ کائنات صلواۃ اللہ علیہا کی معرفت سے انسانیت کو ایسے چھڑوایا گیا ہے جیسے دودھ پیتے بچے سے دودھ چھڑوایا جاتا ہے، یعنی معظّمہ کائنات صلواۃ اللہ علیہا کے اسم پاک کا مفہوم ہی یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی معرفت حقیقی سے محروم رکھا گیا ہے، اگر کوئی انسان چاہتا ہے کہ میں ان کی معرفت حاصل کروں تو جیسے بچہ ماں کا دودھ پینا چاہتا ہے لیکن ایک خدائی جبری نظام ہوتا ہے جو اس کو پینے نہیں دیتا، بعینہٖ خالق کا ایک جبری نظام ہے جو معظّمہ کائنات صلواۃ اللہ علیہا کے میدانِ عرفان میں عقل کو داخل ہی نہیں ہونے دیتا، ان کے میدانِ معرفت میں عقل کو جرأتِ دخول ہے ہی نہیں، ان کے حجابِ قدس میں عقل کو داخل ہونے کی جرات ہی نہیں۔

علامہ مجلسی علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ پاک معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا کو رات سے تشبیہ دی گئی ہے تو کیوں دی گئی ہے؟ اس لیئے دی گئی ہے کہ رات بھی امر خفی ہے جس میں کچھ نظر نہیں آتا، اسی طرح پاک سیدہ صلواۃ اللہ علیہا کی ذات بابرکات بھی امر خفی ہے کہ ان کا ادراک بھی امر خفی ہے، جیسے رات کی تاریکی میں بصارت کام نہیں کرتی ویسے ہی ان کے میدانِ معرفت میں بصیرت کام نہیں کرتی، خالق نے ایسے ہی دعویٰ نہیں کر دیا کہ☆ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْر کہ کس کی جرأت ہے؟ کس کی طاقت ہے؟

کون جان سکتا ہے کہ معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا کون ہیں؟

ان کا عرفان انسانی عقل سے ایسے ماوریٰ ہے جیسے پروردگار عالم کی معرفت کلی محال ہے ایسے ہی پاک معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا کی معرفت بھی محال ہے، وہاں بھی اقرارِ عجز معرفت ہے، یہاں بھی اقرارِ عجز ہی معرفت ہے۔

☆العجز عن الدرك الادراك

درک سے عاجزی بھی ایک ادراک ہے

(مهجة البيضا جلدنمبر 8)

ان کے حریم قدس میں اپنی سوچ کو داخل کرنے کی کوئی کوشش بھی نہ کرے، اللہ کا نظام جبر ہے جس میں کوئی عقل داخل نہیں ہوسکتی، کوئی فکر داخل نہیں ہوسکتی، کوئی سوچ داخل نہیں ہوسکتی، کسی کا ادراک اور فہم وفراست کام ہی نہیں کرسکتا

دوسری فضیلت یہ ہے کہ یہ قدر والی رات ہے سرکار علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا

☆الليلة هى معظّمه صلواة الله عليها والقدر هو الله جل جلاله

کہ رات سے مراد معظّمہ کائنات صلواۃ اللہ علیہا اور قدر سے مراد اللہ جلال جلالہ۔

لغت کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قدر کے معانی قدر ومنزلت بھی ہے، مقدار بھی ہے، مقدر بھی ہے، قدرت وعزت وعظمت بھی ہے، جاہ وجلال شان وہیبت بھی ہے، اور تقدیر بھی ہے، اب یہ آپ کی مرضی کی بات ہے، فیصلہ کریں کہ انہوں نے فرمایا

پاک جدہ طاہرہ صلواۃ اللہ علیہا لیلۃ ہیں اور اللہ ان کی قدر ہے۔
اب آپ یہ سمجھ لیں کہ معظّمہ ءِ کائنات پاک صلواۃ اللہ علیہا کی عظمت وجلال کا نام پاک اللہ ہے، ان کی قدر ومنزلت کا نام اللہ جل جلالہ ہے، ان کی عظمت وشان کا نام اور ان کے مقدر کا نام اللہ ہے، ان کی تقدیر کا نام اللہ ہے، ان کی مقدار کا نام اللہ ہے، ان کی وسعت کا نام اللہ ہے، لیکن فرمایا یہی گیا ہے کہ قدر سے مراد اللہ ہے۔
یہ ایک مسلمہ ہے کہ ''صفت ہمیشہ اپنے موصوف پر قائم ہوتی ہے'' صفت کا قیام اپنے موصوف پر ہوتا ہے، اس پر تھوڑی سی مثال دے دوں کہ پانی ٹھنڈا ہے، یہاں پانی موصوف ہے، ٹھنڈک اس کی صفت ہے، اگر پانی نہیں ہوگا تو ٹھنڈا کہاں سے ہوگا دوسری مثال کہ بندہ نیک ہے، بندہ موصوف ہے اور نیک اس کی صفت ہے، اگر بندہ نہ ہو تو نیک کہاں سے ہوگا۔ یعنی معلوم ہوا کہ ہمیشہ صفت کی بنیاد موصوف پر ہوتی ہے موصوف کے بغیر صفت کا قیام محال ہوتا ہے۔
شہنشاہ امام علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا کہ لیلۃ یا لیل موصوف ہے اور قدر صفت ہے یعنی رات معظّمہ کائنات صلواۃ اللہ علیہا ہیں اور قدر اللہ ہے، رات موصوف ہے اور قدر اس کی صفت ہے اور صفت قائم ہوتی ہے موصوف پر، گویا یہ کہا جارہا ہے کہ پروردگار عالم کی کل واحدانیت اگر قائم ہے تو اس پاک معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا پر قائم ہے۔ مجدد عرفانیات حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ مصباح ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا گیا کہ

☆ این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق

کہ پروردگار عالم مخلوق پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھا؟ جب کچھ بھی نہیں تھا تو اس وقت اللہ کس میں رہتا تھا اور کون سی چیز میں رہتا تھا تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

☆کان فی العماء (عما میں تھا) کہ پروردگار عالم عما میں رہتا تھا

عماء کے لغوی معنی ہیں کہ جو بادل بہت اونچا ہو اس کے باوجود بھی موسلا دھار بارش برسائے اس بادل کو عماء کہتے ہیں۔ لیکن جب کچھ بھی نہیں تھا تو بادل کہاں سے آیا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عام بادل نہیں تھا، تو عما سے مراد یہ ہے کہ جب کائنات کی کوئی چیز نہیں تھی تو اس وقت پروردگار عالم پاک معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا کی جلال وعظمت کی پاک چادر میں رہتا تھا۔

علم اعداد کی جتنی بھی اقسام ہیں ان میں سے ایک علم علم جفر بھی ہے جو اعداد پر انحصار کرتا ہے، علم جفر کی 50 یا 60 کلیدیں ہیں، ان میں سے ایک ہے کلید ابجد اور دوسری کلید ہے کلید ایقغ۔ اس میں صفریں نہیں ہوتیں الف کا عدد ایک ہے 1 اور ی کے 10 تو صفر کو نکال لو تو بچا 1 اور ق کے 1 اور غ کے 1 یہ دوسری کلید ہے علم ایقغ کی۔

جب ہم علم ایقغ استعمال کر کے علم جفر سے پوچھتے ہیں سرکار علیہ الصلواۃ والسلام نے جو فرمایا ☆کان فی العما تو عما کا ابجد کیا ہے، علم اعداد کے لحاظ سے عما کے عدد کیا بنتے ہیں؟ تو وہ ہمیں بتاتا ہے کہ ع کے 7 م کے 4 اور الف کا 1 یہ ہوئے 12، یعنی خلقت کائنات سے پہلے اللہ تعالیٰ 12 میں بستا تھا یا 12 میں موجود تھا۔ آپ کو ایک

مزیدار بات بتاؤں کہ باقی جتنے بھی معصوم علیہم الصلواۃ والسلام ہیں پروردگار عالم نے ان کو اپنی صفت بنایا ہے موصوف نہیں بنایا۔

☆وما ارسلناك الّا رحمة للعالمين اپنی رحمانیت ورحیمیت کا مظہر بنا کر بھیجا ہے صفت بنایا موصوف نہیں ۔موصوف خود آپ اللہ تعالیٰ ہے، کسی کو اپنی ہیبت کا مظہر بنایا، کسی کو اپنے جلال کا مظہر بنایا، کسی کو اپنے صبر کا مظہر بنایا، کسی کو اپنی غیبت کا مظہر بنایا، ہر کسی کو اپنا مظہر بنایا، اپنی صفت عطا کی ہے، موصوف خود رہ گیا ہے، لیکن ان چودہ ذوات مقدسہ میں صرف معظّمہ ءِ کائنات صلواۃ اللہ علیہا کی ذات بابرکات ہی ہیں جن کو موصوف بنایا اور ان کی صفت آپ ہو گیا۔

ایک بڑی عجیب بات بتاتا چلوں کہ ایک موقع پر ایک صفت کا پروردگار عالم خود موصوف بنا ہے، اور ان معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کو صفت بنایا ہے، اور وہ ہے صفت عصمت ۔اللہ بھی معصوم، پاک معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا بھی معصوم، عصمت کا مظہر جو بنایا تو موصوف خود خالق ہو گیا اور صفت پاک معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا

پہلی میں موصوف پاک معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا اور صفت اللہ جل جلالہ صفت کا قیام موصوف پر ہوتا ہے، میری بات سمجھ میں آ رہی نا۔ میں ایک اہم پوائنٹ کی طرف جا رہا ہوں، اگر توجہ کرو گے تو مزہ آئے گا۔

پاک معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا کو موصوف بنایا اور خود صفت بن گیا اور یہاں پاک معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا کو صفت بنایا اور خود موصوف بن گیا مگر جہاں صفت بنائی ایسی بنائی کہ جس پر موصوف قائم ہے، موصوف ذات کا قیام بھی اس صفت پر ہے، کہ اللہ اللہ نہیں

اگر عصمت نہ ہوتو، اس کی واحدانیت کا قیام ہی اس صفت پر ہے، اور کوئی نبی نبی نہیں جب تک معصوم نہ ہو، اور کوئی امام امام نہیں جب تک عصمت کا حامل نہ ہو، اور اللہ اللہ نہیں جب تک عصمت کا حامل نہ ہو، یہ عصمت ایسی صفت ہے جس پر اس کی ذات قائم ہے، جس پر خود موصوف قائم ہے، کہ موصوف ذات کا قیام بھی اس صفت پر ہے، کہ اللہ اللہ نہیں اگر عصمت نہ ہوتو، جیسے اللہ کے واسطے حیات واجب ہے ایسے ہی اللہ کے واسطے عصمت بھی واجب ہے۔

اللہ کل شئے پر قادر ہے لیکن اتنا بھی نہیں جو اپنے اوپر موت طاری کر سکے، جیسے اللہ تعالیٰ کیلئے حیات واجب ہے ویسے ہی اللہ تعالی کیلئے عصمت واجب ہے، خلاف عصمت کرنا چاہے تو اپنی ساری قدرتیں خرچ کرنے کے باوجود عصمت کے خلاف نہیں کر سکتا۔

☆كنت كنزاً مخفياً (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا) اللہ تھا اور کچھ نہ تھا، جب کائنات نہیں تھی، کچھ بھی نہیں تھا، ہر چیز بعد میں بن رہی ہے مگر وہ کہہ رہا ہے کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔سوال یہ ہے کہ چھپا ہوا جو تھا وہ کس میں اور کہاں چھپا ہوا تھا اور کس سے چھپا ہوا تھا، اُس کو کس چیز نے چھپایا ہوا تھا؟

میری قلندرانہ بات یہ ہے کہ یہ تیرہ پاک ذوات علیہم السلام ایک دوسرے کا پردہ ہیں اور حجاب اللہ ہیں، ایک حجاب اگلے حجاب کیلئے پردہ ہے، تین حجاب کھڑے ہیں، پہلا حجاب، دوسرا حجاب، تیسرا حجاب، پہلے والا حجاب تیسرے کو نہیں دیکھ سکتا، اور تیسرے والا پہلے کو نہیں دیکھ سکتا اور درمیان والا دونوں کو دیکھ رہا ہے، ایک حجاب

نہیں تیرہ حجاب ہیں ۔ تیرہ حجابوں میں چودھویں پاک سیدہ صلواۃ اللہ علیہا کی ذات بابرکات ہیں اور اللہ ذوالجلال کا حجاب یہی معظّمہ ءِ کائنات پاک صلواۃ اللہ علیہا بنی ہوئی ہیں ۔ باقی مخلوق سے چھپانے والی ذات پاک معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا ہیں جن سے چھپا رہے ہیں وہ تیرہ 13 پاک بیٹے علیہم السلام ہیں ۔

تیسری فضیلت ☆لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ أَلۡفِ شَهۡرٍ...... ہزار مہینوں سے بہتر ہے خیر بہتر کے متبادل استعمال ہوتا ہے، لفظ خیر ہمیشہ تقابل کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے خالق کائنات نے سورہ البقرہ کی آیہ 221 میں فرمایا کہ

☆وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّن مُّشۡرِكٍ وَلَوۡ أَعۡجَبَكُمۡ

تحقیق مومن بندہ خیر ہے یا بہتر ہے مشرک سے، چاہے تمہیں وہ مشرک پسند ہی ہو

☆وَلَأَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّن مُّشۡرِكَةٍ وَلَوۡ أَعۡجَبَتۡكُمۡ

اور مومنہ بہتر ہے تمہارے لیئے مشرکہ عورت سے چاہے وہ مشرکہ تمہیں پسند ہی کیوں نہ ہو۔

یعنی ایک سردار زادی ہے مشرکین کی اور دوسری طرف لونڈی ہے مومنین کی، تو وہ لونڈی بہتر ہے خیر ہے مومن کیلیئے سردار زادی سے۔ ایسے ہی خالق کائنات نے اپنے متعلق فرمایا کہ وہ خیراً ناصرین ہے اور خیراً رازقین ہے اور خیر الحاکمین ہے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک موازنے میں فیصلہ سنایا جائے وہاں خیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورہ ہود آیہ 86 میں فرمان ہے

☆بَقِيَّةُ اللّهِ خَيرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

اگرتم مومن ہوتو بقیۃ اللہ تمہارے لیئے بہتر ہے

یعنی اگر تمام چیزوں کو ایک طرف اور بقیۃ اللہ کو ان کے سامنے دوسری طرف کھڑا کیا جائے تو باقی کل کائنات سے بقیۃ اللہ تمہارے لیئے بہتر ہے۔

لفظ ''خیر'' ہے، تو ہمیشہ تقابل میں خیر کا استعمال ہوتا ہے، میں اپنی منزل کی طرف جا رہا ہوں، اللہ نے فرمایا کہ یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، خیراً من الف شہر ۔الف یعنی ہزار، اور شہر یعنی مہینے، اب قانونِ تقابل کا ایک کلیہ ہوتا ہے کہ جن دو چیزوں کے درمیان تقابل یا موازنہ کیا جاتا ہے اُن میں کسی نہ کسی جگہ کوئی نہ کوئی قدرِ مشترک ضرور ہوتی ہے، اگر کلی طور پر نہ ہو تو جزوی طور پر ہی سہی اشتراک ضرور ہوتا ہے، کلی ہو یا جزی ہوتا کہ ان کا موازنہ کیا جا سکے۔

اب موازنہ کیلیئے کچھ نسبت مناسب ہونا ضروری ہے، جیسے عقد کی نسبت ہے کہ جو آدمی عقد کرنا چاہتا ہے، وہ جس سے عقد کرنا چاہتا ہے اُس میں عقد کی صلاحیت مشترک کا موجود ہونا لازمی ہوتا ہے، یعنی مومن کیلیئے مومن بہتر ہے اور مشرک کیلیئے مشرک، یہ قرآن کا فیصلہ ہے اور اِس کے تحت ایک قدر مشترک دونوں میں موجود ہے۔

قرآن پاک میں لفظ خیر استعمال ہوا ہے یعنی مومن بہتر ہے مشرک سے۔ موازنے کیلیئے کچھ نسبتیں مشترک ہونا ضروری ہیں، جیسے تلوار لاٹھی سے بہتر ہے، یعنی ہم نے تقابلی جائزہ لیا کہ جنگ کے وقت لاٹھی سے بہتر کام تلوار کرے گی، اس کا مطلب

ہے کہ ہم نے ایک قدر کو سامنے رکھا ہے کہ کہیں لڑائی میں دفاعی صورت حال پیدا ہو جائے تو وہاں تلوار لاٹھی سے بہتر ہے، لیکن اگر میں کہوں گا کہ بہتر سے مراد تلوار کی لمبائی ہے تو یہ دوسرا موازنہ نہ ہوگا۔ حسن کا موازنہ نہ ہوگا تو یہ تیسرا موازنہ نہ ہوگا، اگر اس کے کسی دوسرے پہلو سے موازنہ نہ ہوگا تو اس کا دوسرا تقاضہ ہوگا نہ کہ Better than تقابل میں جیسے خالق نے فرمایا کہ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جب ہم اس کا جنرلی (Generaly) تجزیہ کریں گے تو وقت کی توقیت کا اندازہ کریں گے، جیسے کہ دن ہفتے مہینے اور سال بنتے ہیں ان کا اندازہ لگایا جائے گا، یعنی ایک طرف اس رات کو اور دوسری طرف کئی سال کے دن رات اور ہزار ہا مہینوں کو رکھیں گے، یعنی وقت کی توقیت ان میں قدرِ مشترک ہوگی۔ جیسے خالق نے تولا ہے کہ نیمہ شعبان کی رات کو اور ہزار مہینوں کو ترازو میں تول کر فیصلہ سنایا ہے کہ یہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

یہاں ہمارے لیئے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک طرف ہم یہ مہینے مراد لیتے ہیں جو دنوں یا ہفتوں سے بنتے ہیں اور رات کی مراد معظّمہءِ کائنات صلواۃ اللہ علیہا لیتے ہیں تو پھر کوئی قدرِ مشترک نہیں رہتی، مجبوراً ہمیں یہاں مہینوں کی مراد ڈھونڈنا پڑے گی کہ آیت مبارکہ میں شہر سے مراد کیا ہے؟ کوئی نہ کوئی اشتراک تو ہونا چاہیے، کچھ نہ کچھ مناسبت یا قدرِ مشترک اِس پاک معظّمہ مطہرہ صلواۃ اللہ علیہا کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ابھی ہمیں شہر (مہینے) تلاش کرنا ہیں۔

عربی لغت کے لحاظ سے شہر شہرت لفظ کا تجزیہ کریں گے پتہ چلے گا کہ عرب میں قبیلے

کے بزرگوں کو شہر کہا جاتا تھا، بڑوں کو شہر کہا جاتا تھا، معتبرین کو شہر کہا جاتا تھا۔ اور اسی نسبت سے چونکہ یہ مہینے بھی معتبر بنتے تھے تو اس لیئے ان کو بھی شہر کہا گیا

کسی شخص نے مظہر علم الٰہی امام محمدؐ باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ سرکار ہم قرآن پاک میں سورہ توبہ کی آیہ 36 میں پڑھتے ہیں کہ

☆إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ

بے شک اللہ کی کتاب میں اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے

آقا! یہاں مہینوں سے مراد کیا ہے؟

پاک ذات نے مسکرا کر فرمایا کہ بارہ مہینوں سے مراد ہم بارہ امام ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ سنا دیا کہ امام بارہ ہوں یا ہزار ہوں یا ہزار ہا ہوں ہر حال میں یہ پاک معظّمۂ کائنات صلواۃ اللہ علیہا اُن سے بہتر ہیں۔

ظاہراً شوہر کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ ☆ الرجال قوامون علی النساء مرد عورتوں پر حاکم ہیں، شوہر حاکم ہے بیوی محکوم ہے، یہ ایک عمومی کلیہ ہے کہ ہر عورت کا شوہر حاکم ہے، ہر عورت محکوم ہے، لیکن ہر ایک کا دائرہ دائرۂ بشریت کے اندر ہے یعنی اِس کلیہ کا اطلاق صرف اولادِ آدم پر ہوتا ہے، انوار اِلٰہیہ پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

آپ کہیں گے کہ میں بغیر ثبوت کے بات کر رہا ہوں، آپ کتب تاریخ اور سیرت سارے اہل سنت، اہل تشیع، دیو بند، بریلوی جتنے بھی مسالک ہیں سب کی کتابیں اُٹھا کر دیکھو کہ کوئی ایسا موقع نظر نہیں آتا کہ امیر کائنات صلواۃ اللہ علیہ آئے ہوں

اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھ کھڑے ہوئے ہوں۔

کتابیں اُٹھا کر دیکھو کہ فاتح خیبر کی شکل میں آئیں تو ایک سپاہی یا جرنیل یا آرمی چیف کی حیثیت دیتے ہوئے استقبال کیلئے جانا ایک انفرادی عمل ہے، لیکن تعظیم کیلئے اٹھنا اور بات ہے۔

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ امیر کائنات صلواۃ اللہ علیہ کی شہنشاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی اُٹھ کر تعظیم نہیں کی اور معظّمہ پاک بی بی صلواۃ اللہ علیہا کی کبھی بیٹھ کر تعظیم نہیں کی۔ اسلام کے تمام مسالک کی کتابیں دیکھو کہ جونہی جس مقام پر چاہے منبر پر ہیں، چاہے مسجد میں ہیں، چاہے سفر میں ہیں، چاہے حذر میں ہیں، چاہے گھر میں ہیں جس مقام پر بھی شہنشاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں معظّمہ کائنات صلواۃ اللہ علیہا پر جونہی نگاہ پڑی تعظیم کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے، آگے بڑھے، مرحبا کہا، بڑھ کر پیشانی کا بوسہ لیا، جس مسند پر خود تشریف فرما تھے وہ جگہ چھوڑ کر پاک دختر کو بٹھایا ہے۔ اہل سنت بھی کہہ رہے ہیں، اہل تشیع بھی کہہ رہے ہیں، تمام اسلامی مسالک کہہ رہے ہیں۔

ایک بات ہے ادب کی دنیا کی کہ تفضیل مفضول علیٰ الفاضل عقلاً وشرعاً قبیح ہے یعنی فاضل کے سامنے مفضول کی تعظیم گویا فاضل کی توہین ہوتی ہے۔ اپنی اِس بات کو مثال سے واضح کرتا ہوں۔

میرے پاس ایک بہت بڑے عالم بیٹھے ہوئے ہیں اسی دوران ایک عام یا جاہل سا آدمی آتا ہے اور میں اس کی تعظیم کیلئے اُٹھ کھڑا ہوتا ہوں تو درحقیقت میں نے اس

کی تعظیم نہیں کی بلکہ اس عالم کی توہین کی ہے۔ اگر میری جھولی میں قرآن رکھا ہوا ہو اور میں تلاوت میں مصروف ہوں اور میرا کوئی دوست آ جائے اور میں قرآن کی تلاوت ترک کرتے ہوئے اُس کی تعظیم کیلئے کھڑا ہو جاؤں تو گویا میں نے اس کی تعظیم نہیں کی بلکہ قرآنِ کریم کی توہین کی ہے۔ فاضل کے سامنے مفضول کی تعظیم فاضل کی توہین ہے۔

اب میں آپ کو ایک منظر دِکھاتا ہوں، ذرا چشم تصور سے دیکھیں کہ ایک مقام پر شہنشاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، پاک حسنین علیہما الصلواۃ والسلام بھی ساتھ ہیں اور امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام بھی ساتھ ہی تشریف فرما ہیں، دوسری جانب سے معظّمہءِ کائنات صلواۃ اللہ علیہا تشریف لا رہی ہیں، اِدھر سے شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی تعظیم کیلئے اُٹھ رہے ہیں تو کیا امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام بیٹھے رہیں گے؟ چلو ایک منٹ کیلئے فرض کریں کہ امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام بیٹھے رہے ہوں اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعظیم کیلئے سروقد اُٹھ کھڑے ہوں تو اِس بات سے کیا ہم یہ سمجھ لیں گے کہ نعوذ باللہ فاضل ہیں شہنشاہ امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام اور مفضول ٹھہرے نبی۔ سائیں ان میں فاضل ومفضول کا فرق ہوتا ہی نہیں ہے، یہ ایک ہی نور ہیں، فرض کرتے ہیں کہ فرض کرنے سے ہی مسائل حل ہوتے ہیں۔

فرض کرلیں کہ فاضل ہیں شوہر اور مفضول ہیں پاک سیدہ صلواۃ اللہ علیہا۔ سیدہ صلواۃ اللہ علیہا کی تعظیم کرنا گویا امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی توہین ہے، نعوذ

باللہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی توہین کی ہے یانہیں؟

ہم آپ کو بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ان کو عمومی کلیات سے نہ پرکھو، یہ اللہ کے وہ راز ہیں جو ہماری سمجھ سے بہت ارفع واعلیٰ اور بالاتر ہیں۔کسی پہلو سے دیکھتے ہیں تو شوہر کائنات کا مالک نظر آتا ہے اور پاک سیدہ صلواۃ اللہ علیہا ان کے ماتحت نظر آتی ہیں،کسی دوسرے پہلو یعنی عصمت کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو چودہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کا مرکز پاک معظّمہءِ کائنات صلواۃ اللہ علیہا نظر آتی ہیں۔

مرادِثالثہ

دوستو!......لیلۃ القدر سے جو دوسری مراد لی جاتی ہے وہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور اسے بھی جملہ عرفاء نے اپنا موضوع گفتگو بنایا ہے جیسا کہ عارف دوراں جناب امام خمینیؒ نے عارف کامل محمد علی شاہ آبادی اصفہانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ انزلناہ میں جو[ہُ] ہے وہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں

☆اناانزلنا ہ فی لیلۃ القدر اشارۃ الی الحقیقۃ الغیبیۃالنازلۃ فی بنیۃ المحمدؐیۃ التی ھی حقیقۃ لیلۃ القدر......

کہ اس میں جو ہا کی ضمیر ہے اس میں اس حقیقت غیبیہ کی طرف اشارہ ہے جو نازل ہونے والی ہے اور جو کہ وجود محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ظاہر پر نازل ہوئی ہے اور یہی حقیقت لیلۃ القدر ہے اکثر عرفاء یہی فرماتے ہیں کہ جب سرور

کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور واجب الوجود ذات جل جلالہ کے نور سے جدا ہوا تو اسے ایک ''حقیقت غیبیہ'' میں قیام حاصل ہوا یعنی اس وقت وجود تو کوئی تھا نہیں یعنی کچھ بھی نہیں تھا تو خلا بھی نہیں تھا بلکہ اس وقت اللہ جل جلالہ کی ذات ہی ذات تھی اگر وہاں خلا فرض کیا جائے تو پھر تو ذات واجب الوجود سے جدا ہونے والی شئے اس کی ذات سے باہر قیام کرسکتی ہے، جب اور کوئی چیز تھی ہی نہیں تو اسے قیام کیلئے ذات واجب الوجود ہی کے وجود میں جگہ پانا چاہیے اس کے علاوہ کوئی تصور کرنا بھی محال ہے۔

سمجھانے کیلئے اس کی مثال ہم دے سکتے ہیں کہ سمندر کے اندر اگر کسی قطرے کو سمندر سے ممیّز یا علیحدہ کیا جائے اور اسے علیحدہ رکھنے والا کوئی غیر ظرف بھی نہ ہو تو وہ اسی کے اندر ہی نام کی حد تک جدا تصور ہوگا حقیقتاً تو جدا نہ ہوگا لیکن اس کی قدرت کاملہ نے اسے اپنی ذات کے اندر رکھتے ہوئے اپنی ذات سے جدا رکھا، جیسے انڈے کی زردی اس کی سفیدی کے اندر رہ کر جدا رہتی ہے۔

یہ مثال انتہائی ناقص ہے اور اس کے نقائص کو ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں لیکن سمجھانے کیلئے ہمارے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے کیونکہ زردی انڈے کی سفیدی میں رہ کر سفیدی سے ایک جدا وجود رکھتی ہے۔ لیکن سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اس طرح بھی جدا تصور نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ ذات واجب الوجود ہی اس کا ظرف حقیقی تھی لیکن جس ظرفِ غیر تظرفی میں اس نور کو قیام عطا فرمایا گیا اسے اللہ جل جلالہ نے لیلۃ القدر قرار دیا کہ جس میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نزول ہوا۔

یہاں نزول کا مفہوم بلحاظ مراتب ہے نہ کہ بلحاظ تعینات جہت ہے اور یہ ظرفِ غیر مظر فی جامع حقیقت محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا جو حقیقتاً وجود محمد یہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھا اور انہی کا نور ہی تھا گویا ان کا اپنا نور انہی کے اندر اپنا قیام و وجدان پا رہا تھا اور اس کا ظرف تھا، وہ وہی اس کا مظروف تھا کیونکہ یہ سب واحد الاصل تھے پھر اسی لیلۃ القدر کے اندر تعدد وجود پذیر ہوا یعنی ایک کے دو ہوئے، دو کے پانچ ، پانچ کے بارہ چودہ ہو گئے۔

اور یہ بھی عرفاء کا نظریہ ہے کہ وہاں ان کا جو تعدد تھا یعنی ان کی جو کثرت تھی وہ بروزی تھی، اور ان کا اس دنیا میں جو تعدد و تکثیر و کثرت ہے وہ بھی ظہوری ہے، ذات کے لحاظ سے نہ یہ وہاں متعدد تھے اور نہ یہاں متعدد ہوئے تھے۔ یہاں بروز اور ظہور میں جو فرق ہے وہ بھی عرض کرتا چلوں۔

دوستو! ...... بروز اس ظہور کو کہتے ہیں جو اپنی حقیقت اصلیہ سمیت ظاہر ہوا اور ظہور میں یہ شرط نہیں ہوتی بلکہ ظہور اصطلاحی طور پر اس ظہور کو کہتے ہیں جو حقیقت اصلیہ سے جدا گانہ ہو جیسا کہ جناب جبریل علیہ السلام جناب عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا کے سامنے آئے تو کیسے؟

قرآن کہتا ہے کہ☆ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِيّاً

کہ انہوں نے حقیقی بشر کے روپ میں ظہور فرمایا، یا بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اصحاب کے سامنے دحیہ کلبی کی شکل میں ظہور فرماتے تھے تو یہ ان کا ظہور تھا نہ کہ بروز تھا، اور ان کا مقام بروز سدرۃ المنتہٰی پر ہوتا ہے، اسی طرح سرور

کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اوران کے انوار باہرہ کا اس ایک لاکھ اسی ہزار یا اس سے زیادہ عوالم میں ظہور رہوا ہے نہ کہ بروز۔

اس موضوع پر میں نے اپنی روحانیاتی کتب میں قدرے تفصیل سے بات کی ہے یہاں اس کا اعادہ نہیں کروں گا

دوستو!...... جہاں نوراول کا قیام اول ہوا اس ''مقام اُمیت'' کو مقام لیلۃ القدر کہا جاتا ہے اور انا انزلناہ کی ایک تفسیر یہ بھی کی جاتی ہے کہ نوراول کا نزول اول بطن لیلۃ القدر میں ہوا اور اس ''مقام امیت'' کو لیلۃ القدر اس لیئے کہا جاتا ہے کہ وہاں عقول وافہام عوالم کیلیئے ایک کامل تاریکی ہے کہ جس میں نہ بصارت کام کرسکتی ہے نہ بصیرت کو اذن نفوذ حاصل ہے۔

دوستو!...... میں عرض کررہا تھا کہ جس بطن لیلۃ القدر میں نوراول کا قیام ہوا تھا اس کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کا نور تھا کہ جس پر نور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نزول ہوا تھا۔لیکن مجھے معلوم نہیں کہ یہ بات کہاں تک درست ہے کیونکہ میں تو عاجز عن المعرفت ہوں۔

مرادِ رابعہ

دوستو!......جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ لیلۃ القدر کی چار مرادات ہیں ان میں سے چوتھی مراد کیا ہے؟ اگر ہم معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کے فرامین کی روشنی میں دیکھیں تو ان میں سے ایک مراد خود ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین

صلواۃ اللہ علیہا ہیں جیسا کہ امام صادق علیہ الصلواۃ والسلام سے محمد بن قاسم بن عبید نے لیلۃ القدر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا

☆قال ان انزلناه فی ليلة القدر الليلة سيدة صلواة الله عليها والقدر الله جل جلاله فمن عرف سيدة صلوات الله عليها حق معرفتها فقد ادرك ليلة القدر وانما سميت سيدة صلوات الله عليها لان الخلق فطموا عن معرفتها ......

بحار 34/65

فرمایا کہ انا انزلناہ میں جس لیلۃ القدر کا ذکر ہے وہ ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا ہیں، اور قدر سے مراد اللہ جل جلالہ ہے، فرمایا جس نے بھی ان کی معرفت کا حق ادا کیا ہے اس نے لیلۃ القدر کا ادراک کرلیا ہے اور ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ پورے عالم خلق کو ان کی معرفت کاملہ سے دور رکھا گیا ہے یعنی کسی میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ ان کی معرفت کاملہ حاصل کر سکے۔

علامہ مجلسی اعلیٰ اللہ مقامہ نے ان روایات کے آخر میں تبصرہ فرماتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا کو رات سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جیسے رات امر خفی ہوتی ہے اسی طرح ان کی ذات کو پردے میں رہنے کی وجہ سے لیلۃ القدر کہا گیا ہے۔

دوستو! ...... میں عرض کروں گا کہ اس تشبیہ کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جس طرح

رات میں داخل ہو جانے کے بعد انسان کی بصارت کام نہیں کرتی اسی طرح ان کی معرفت کے میدان میں داخل ہونے کے بعد انسان کی بصیرت کام چھوڑ دیتی ہے، یعنی جس طرح تاریک رات میں آنکھوں کو کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح ان کی ذات کے بارے میں سوچنے پر عقولِ کائنات اندھی ہو جاتی ہیں اور انہیں کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا، اسی لیئے فرمایا گیا ہے کہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ اسی طرح امام صادق علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا

☆اللیلة القدر یعنی السیدة صلوات الله علیها تنزل الملائکة ، الملائکة فی هذا الموضع المومنون الذین یملکون علم آل محمد علیهم الصلواة والسلام الروح روح القدس وهو فی السیدة صلواة الله علیها من کل امر یقول من کل امر مسلمه حتیٰ مطلع الفجر یعنی حتیٰ یقوم القائم عجل الله فرجهٗ الشریف ......بحارالانوار...... 25/97

فرمایا لیلۃ القدر ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا ہیں، اور ملکوت کی تنزیل ان خاص مومنین پر ہوتی ہے کہ جو علم آلِ محمد علیہم الصلواۃ والسلام کے مالک ہوتے ہیں اور ان پر امور مسلمہ نازل ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا خروج یزداں عروج ہو جائے گا، اور روح القدس بھی ملکہءِ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا میں سے ہے، اسی طرح سورہ دخان کی مذکورہ آیت کے بارے میں فرمان ہے کہ۔

☆ان الکتاب المبین سے مراد شہنشاہ معظم امیر المومنین علیہ الصلواۃ والسلام ہیں اور ☆و اللیلۃ المبارکۃ سے مراد ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا ہیں۔

تفضیلی وتوجیہی صفات

دوستو!...... جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ لیلۃ القدر کی چار صفات تفضیلی ہیں اور چار صفات توجیہی ہیں۔ تفضیلی صفات یہ ہیں......

()اس کی پہلی فضیلت یہ ہے کہ یہ ادراک بشر سے ارفع واعلیٰ وماوریٰ لیلۃ ہے

()اس کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ یہ قدر والی لیلۃ ہے

()اس کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ یہ ہزار شہر [مہینے] سے بہتر ہے

()اس کی چوتھی فضیلت یہ ہے کہ لیلۃ القدر غیب معروف کا ظرف ہے

توجیہی صفات یہ ہیں

()اس کی فضیلت کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اس میں نزول ملکوت ہوتا ہے

()اس کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ ہے اس میں نزول روح ہے

()اس کی فضیلت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں نزول امر ہے

()اس کی فضیلت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس میں تا طلوع فجر سلامتی ہی سلامتی ہے

ماورائیت ادراک

دوستو!......لیلۃ القدر کی پہلی فضیلت یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ ادراک عالمین سے ماوریٰ ہے یعنی پورے عالم خلق کے عقول و افہام اسے سمجھنے اور جاننے اور ادراک کرنے سے عاجز و قاصر ہیں اور یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ لیلۃ القدر کی چوتھی مراد ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا ہیں اسی لیئے یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ فرمان معصوم علیہ الصلواۃ والسلام ہے کہ

☆ فمن عرف السيدة صلوات الله عليها حق معرفتها فقد ادرك ليلة القدر وانما سميت سيدة صلوات الله عليها لان الخلق فطموا عن معرفتها......بحار34/65

فرمایا جس نے بھی ان کی معرفت کا حق ادا کیا ہے اس نے لیلۃ القدر کا ادراک کرلیا ہے اور ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ پورے عالم خلق و امر کو ان کی معرفت کاملہ سے دور رکھا گیا ہے یعنی کسی میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ ان کی معرفت کاملہ حاصل کرسکے۔

اللہ جل جلالہ کی طرح ان کی معرفت کا کمال یہی ہے کہ انسان مالک کے عطا کردہ عقل وشعور وفہم وفراست کی حدتک انتہائی بلند عقیدہ رکھے اور اس کے بعد ان کی معرفت سے عاجز ہونے کا اقرار کرلے کیونکہ کمال معرفت اقرار عجز عن المرفت ہی ہوتا ہے۔

اسی لیئے اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے☆ مَـا أَدْرَاكَ مَـا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ......فرمایا کون ادراک کرسکتا ہے لیلۃ القدر کیا ہے؟ یا کون جانتا ہے؟ کسے معلوم ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ یعنی لیلۃ القدر کے ادراک کی کلی نفی فرمادی گئی ہے

فرمایا معظّمہ کونین صلواۃ اللہ علیہا کے اسم مبارک کا مفہوم بھی یہی ہے کہ پورے عالم خلق کو ان کی معرفت سے دور رکھا گیا ہے کیونکہ ''ف ط م'' کے مادے سے جتنے الفاظ ہوتے ہیں ان میں دور کرنے یا محروم رکھنے معنی ضرور ہوتے ہیں، اسی لیئے بچے سے ماں کا دودھ چھڑانا ہو، یا کسی سے دور کرنا ہو، یا آگ کو بجھا کرکسی کو بچانا ہو، یہ سب اسی مادے کے مشتقات میں سے ہیں۔

قدر

دوستو! ......جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ لیلۃ القدر کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ یہ لیلۃ قدر والی ہے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ یہ ملکہ عالمین سیدۃ الاولین و الآخرین صلواۃ اللہ علیہا ہیں جیسا کہ فرمایا گیا تھا

☆ الليلة سيدة صلواة الله عليها والقدر الله جل جلاله ......بحار 34/65

یعنی لیل سے مراد ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا ہیں اور قدر سے مراد اللہ جل جلالہ ہے یعنی ان کی ''قدر'' اللہ جل جلالہ ہے

لفظ قدر کے کئی معانی ہیں یعنی

مقدر......قدرت......عزت......عظمت......مقدار......شان......تقدیر......وغیرہ

اگر ہم ان سارے معانی کو سامنے رکھتے ہوئے نتائج اخذ کریں تو ہم سہل زبان میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ

ان کی عزت کا نام اللہ جل جلالہ ہے......ان کی عظمت کا نام اللہ جل جلالہ ہے

ان کے مقدر کا نام اللہ جل جلالہ ہے......ان کی مقدار کا نام اللہ جل جلالہ ہے

ان کی شان وجلالت کا نام اللہ جل جلالہ ہے......ان کی تقدیر کا نام اللہ جل جلالہ ہے

ان کی عزت کا نام اللہ جل جلالہ ہے......ان کی قدرت کا نام اللہ جل جلالہ ہے

اب یہ بات تو آپ نے سوچنا ہے کہ جن کی قدرت کاملہ کا نام ہی اللہ جل جلالہ ہو ان کے اختیارات کیا ہوں گے؟

دوستو!...... یہاں ایک اور طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں، یہ ایک مسلمہ ہے کہ ''صفت ہمیشہ اپنے موصوف پر قائم ہوتی ہے'' اور اس کا قیام موصوف کے بغیر محال ہوتا ہے۔ آپ جب یہ کہتے ہیں کہ ''پانی'' ''سرد'' ہے تو اس میں پانی موصوف ہے اور سردی اس کی صفت ہے جو پانی پر قائم ہوتی ہے، اگر پانی کو نابود کر دیا جائے تو اس کی صفت باقی نہ رہے گی اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ''برکت'' والی ''رات'' اس میں برکت صفت ہے اور رات موصوف ہے اور برکت کا قیام رات پر ہے اگر رات نہیں رہے گی تو اس کی برکت بھی نہیں رہے گی

اب اس فقرے کو دیکھیں کہ لیلۃ تو ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا ہیں اور ''قدر'' اللہ جل جلالہ ہے......اگر اس میں صفت وموصوف کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا تو موصوف ہیں اور

اللہ جل جلالہ ان کی صفت ہے یعنی اگر ہم معظّمہ کونین صلواۃ اللہ علیہا کو لیلۃ مان لیں تو قدر اللہ جل جلالہ ہوگا اور اس طرح وہ ان کی صفت قرار پائے گا۔ اب سابقہ مسلمہ کو یہاں اپلائی (Apply) کریں کہ جس میں تھا کہ "صفت ہمیشہ اپنے موصوف پر قائم ہوتی ہے" تو اس طرح ثابت ہوگا کہ اللہ جل جلالہ کی وحدانیت بھی ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا پر قائم ہے۔

یعنی ایک طرف اس نے اپنے آپ کو ان کی قدر ثابت کر کے انہیں اپنا موصوف بنایا ہے اور دوسری طرف انہیں اپنی عصمت قرار دے کر انہیں اپنی صفت بنایا ہے اور یہ بھی بڑی مزے کی بات ہے کہ عصمت بھی اس کی ایسی صفت ہے کہ جس پر اس کی وحدانیت کا قیام ہے کیونکہ اگر اللہ جل جلالہ معصوم نہ رہے تو اللہ ہی نہ رہے کیونکہ اس کیلئے معصوم ہونا واجب ہے اور اس کی عصمت واجب ہے، جیسے اس کی حیات واجب ہے۔

اب یہاں کوئی سوال کر سکتا ہے کہ یہ غلو ہو رہا ہے کہ اللہ کی وحدانیت کا قیام ان کے نور اوّلیہ پر ہو رہا ہے۔ تو دوستو یہ تو سارے لوگ جانتے ہیں کہ اس ذات اجل و ارفع نے فرمایا تھا ☆ کنت کنزاً مخفیاً ......یعنی وہ ایک چھپا ہوا خزانہ تھا اب یہ بھی تو سوچیں کہ وہ چھپا ہوا تھا تو کس چیز میں چھپا ہوا تھا؟ اور کس سے چھپا ہوا تھا؟

اس بات کی حقیقت تو وہ خود ہی جانتا ہے میں صرف آپ کو سمجھانے کیلئے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آپ بس یوں سمجھ لیں کہ وہ جس بھی چیز میں چھپا ہوا تھا وہ ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کے حجابِ قدس کی چادر نور ہی میں مخفی تھا اور تیرہ سے مخفی تھا کیونکہ اس وقت

کوئی دوسرا تو تھا ہی نہیں، گویا وہ اپنے چودہ حجابات میں مخفی تھا، اور ایک حجاب بھی دوسرے حجاب کے اندر چھپا ہوا تھا۔

خیر من الف شہر

دوستو!......آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ اس کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ یہ ہزار شہور [مہینوں] سے بہتر ہے۔

اب ہم بھی اپنے منعم ازل عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے عطا کردہ شعور کے مطابق عرفان کی اگلی سیڑھی پر قدم رکھ رہے ہیں اور انہی کے سہارے پہ آگے بڑھیں گے جہاں تک وہ چاہیں گے۔

جیسا کہ آپ کو یاد ہے کہ اللہ جل جلالہ نے لیلۃ القدر کی جو وضاحت فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ☆لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَيۡرٌ مِّنۡ أَلۡفِ شَهۡرٍ......یعنی لیلۃ القدر ہزار مہینے سے افضل ہے، ہزار مہینے سے بہتر ہے، جیسا کہ ہم لفظ ''خیر'' کلام اِلٰہی میں دیکھتے ہیں تو بہت سے مقامات پر ہمیں اس کا استعمال نظر آتا ہے جیسا کہ

☆وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّن مُّشۡرِكٍ وَلَوۡ أَعۡجَبَكُمۡ

تحقیق مومن بندہ خیر ہے یا بہتر ہے مشرک سے، چاہے تمہیں وہ مشرک پسند ہی ہو

☆وَلَأَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّن مُّشۡرِكَةٍ وَلَوۡ أَعۡجَبَتۡكُمۡ

اور مومنہ بہتر ہے تمہارے لیئے مشرکہ عورت سے چاہے وہ مشرکہ تمہیں پسند ہی کیوں نہ ہو اسی طرح اللہ کے بارے میں بھی ایسے ہی الفاظ استعمال ہوئے جیسا کہ

☆ھوخیر الناصرین ......وانت خیر الرازقین......ھو خیر الحاکمین
وہ جملہ نصرت کرنے والوں سے بہتر ہے، تو سارے رزق دینے والوں سے خیر یعنی بہتر ہے، وہ اللہ جل جلالہ سارے فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے اسی طرح سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خیر البشر کہا جاتا ہے ان سارے مقامات کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ ''جہاں بھی لفظ خیر کا استعمال ہوتا ہے وہاں ہمیشہ قانون تقابل کے تحت ہوتا ہے''......یعنی دو چیزوں کو سامنے رکھ کران دونوں کے مابین بہتر، افضل، اعلیٰ اور عظیم کا حکم لگایا جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے یہ افضل و بہتر ہے۔

اسی طرح کوئی جب شہنشاہ معظم سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خیر البشر کہتا ہے تو ایک طرف وہ پوری انسانیت کو کھڑا کر دیتا ہے اور دوسری طرف سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو، اور اس کے بعد انہیں پوری انسانیت سے بہتر کہتا ہے۔ بالکل اسی قانون کے مطابق اللہ جل جلالہ نے ایک طرف ہزار مہینے کھڑے کر کے ان کا لیلۃ القدر سے تقابل فرمانے کے بعد فیصلہ صادر فرمایا کہ یہ ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

قانون تقابل کو تو آپ نے سمجھ لیا ہے، اب یہ بھی سمجھ لیں کہ یہ بھی ایک کلیہ ہے کہ ''تقابل بشرطِ اشتراکِ قدرِ مشترک ہوتا ہے''......یعنی جب بھی کسی چیز کا موازنہ کیا جاتا ہے تو ان دونوں میں کسی نہ کسی اشتراکیہ صفت کا پایا جانا لازم ہوتا ہے اور پھر اسی صفت کے حوالے سے دونوں کا موازنہ کرنا ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے کہ عقد میں آنے کی صلاحیت مشرکہ و مومنہ دونوں میں موجود ہے تبھی موازنہ ہوا

ہے، اسی طرح نصرت کرنے والے ہر نوع ہر جنس کے ہو سکتے ہیں مگر اسی ''نصرت'' کے حوالے سے موازنہ کرتے ہوئے اللہ جل جلالہ کو بہتر ناصر فرمایا گیا ہے۔

سابقہ حوالوں میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کہیں ''نصرت'' قدر مشترک ہے کہیں ''حکم'' ہونا قدر مشترک ہے...... کہیں رزاقیت قدر مشترک ہے...... یہ بات یاد رہے کہ اس میں صرف ایک ہی قدر مشترک ہوتی ہے باقی کوئی چیز مشترک نہیں ہوتی یعنی تقابل میں وہ شامل نہیں مانی جاتی، جیسا کہ کوئی کہتا ہے یہ تلوار لاٹھی سے بہتر ہے، تو اس میں تلوار کا حسن، چمک وغیرہ زیرِ تقابل نہیں ہوتے، تلوار کی لمبائی اگرچہ لاٹھی جتنی ہی کیوں نہ ہو یا لاٹھی تلوار سے لمبی ہی کیوں نہ ہو مگر تقابل میں وہ داخل نہیں ہوتی، ہاں جب لمبائی کی بات ہوگی تو یہ ایک علیحدہ تقابل ہوگا جو سابقہ سے جدا ہوگا ورنہ اللہ جل جلالہ اپنی ذات کا کسی بھی دوسرے سے تقابل نہ فرماتا اور نہ خود کو خیر الناصرین کہتا اور نہ خیر الرازقین وحاکمین کہتا۔

اب ہم اس آیت کو دیکھیں کہ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے اگر ہم اس کو عام دنوں اور راتوں اور مہینوں اور برسوں کے تناظر میں دیکھیں گے تو پھر یہ ایک رات ہوگی اور اس کے اور مہینوں کے مابین قدرِ مشترک ''توقیت'' ہوگی یعنی وہ رات اور دن بھی وقت کے پیمانے ہیں اور مہینے بھی وقت کے پیمانے ہیں۔

اب جبکہ ہم یہ جان چکے ہیں کہ لیلۃ القدر سے مراد ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا ہیں تو پھر ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ ان کی مہینوں کے ساتھ کوئی قدر مشترک نہیں ہے، اس لیئے ہمیں ان مہینوں کو تلاش کرنا لازم ہوگا کہ جن کے ساتھ ان کی کوئی نہ کوئی قدر مشترک

پائی جائے۔

اب یہاں یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ عربی میں مہینے کو شہر کہتے ہیں، تو اس کی وجہِ تسمیہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں صاحبان لسانیات نے لکھا ہے کہ

☆والشهور والاشهر قيل الشهر ماخوذ من الشهرة وهی الشيوخ بين الناس سمی به الشهر المعروف لاشتهاره فی اول ظهوره برؤية الهلال ......الخ

لفظ شہر شہرت سے نکلا ہوا ہے اور شہرۃ لوگوں میں مشہور ہونے کو کہتے ہیں، چونکہ وقت کے مشہور دورانیے ایک چاند کے چڑھنے سے دوسرے چاند کے چڑھنے کے ہوتے ہیں اس لیئے ان کی مشہوری کی وجہ سے اس عرصے کو شہر کہتے ہیں۔یعنی دراصل شہر مشہور افراد کو کہتے ہیں جو کہ قبائل میں اتنے مشہور ہوں کہ بہت زیادہ قبائل کے افراد انہیں جانتے ہوں اور ان کی شہرت دور دور تک پہنچی ہوئی ہو یعنی شہر سے مرادِ اول افراد ہی ہیں اب ہم خاندانِ تنزیل وتاویل علیہم الصلواۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اللہ نے سورۂ توبہ آیہ 36 میں فرمایا ہے کہ

☆إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللّهِ

اللہ جل جلالہ نے اپنی کتاب میں بارہ شہر [مہینے مقرر] فرمائے ہیں تو ان مہینوں سے مراد کیا ہے؟

جناب ابوحمزہ ثمالیؒ اور جناب جابر بن یزید جعفیؒ نے گویا ہماری طرف سے یہی سوال شہنشاہ معظم باقر العلم النبیینؑ علیہ الصلواۃ والسلام کی بارگاہ میں کیا تو آپ نے فرمایا

یہ بارہ مہینے بارہ آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام ہیں۔اس حدیث پر بھی میں پہلے
کافی گفتگو کر چکا ہوں اس لیئے یہاں اس کا اعادہ بھی نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی وہ
تبصرے پیش کرسکتا ہوں کہ اس پر جو علمائے اعلامؒ نے فرمائے ہیں، میں یہاں آپ
کو اس سابقہ بیان کا نتیجہ ہی دے سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بارہ مہینوں سے مراد بارہ
آئمہ ہدیٰ علیہم الصلواۃ والسلام ہی ہیں۔

جب ہم نے یہ دیکھ لیا کہ مہینوں سے مراد بارہ آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام ہیں تو
تب ہماری سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی کہ جب لیلۃ القدر سے مراد ملکہ عالمین صلواۃ
اللہ علیہا ہیں تو پھر شہور سے مراد عام مہینے نہیں بلکہ ائمہ ہدیٰ علیہم الصلواۃ والسلام ہیں
دوستو!......سورہ قدر میں فرمایا یہ گیا ہے کہ☆ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ
شَهْرٍ...... یعنی ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا ہزار اماموں سے بھی بہتر و اعلیٰ و افضل ذات
ہیں۔یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ لفظ ہزار بمعنی کثرت کے یا کلیت کے استعمال ہوا
ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ ہم نے تمہیں ''ہزار'' بار روکا کہ یہ کام نہ کرو اس میں لفظ
''ہزار'' تعداد مقرر کیلیئے استعمال نہیں ہوا، ممکن ہے کہ سمجھانے والے نے دس بیس
بار سمجھایا ہو اور لفظ ''ہزار'' سے وہ ''لاتعداد'' مراد لے رہا ہو۔اسی طرح یہ کہتے ہیں
کہ ہم نے تو جنگ کرنا ہے چاہے سامنے ''ہزار'' آدمی کیوں نہ آ جائیں اس لفظ ہزار
سے مراد بھی کثرت و کلیت مقابلین ہے نہ کہ ''تعدادِ مقررہ'' ہے۔

اسی طرح یہاں بھی یہی فرمایا گیا کہ ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا ہزار ہا اماموں سے
افضل و بہتر ہیں یعنی امام جتنے بھی ہوں چاہے ہزار ہو جائیں یہ ان سے بھی بہتر ہیں،

یہ تو صرف بارہ ہی امام ہیں ناں؟ یعنی یہ سبھی اماموں سے افضل ہیں

دوستو!......اب کوئی آدمی کہہ سکتا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے

☆الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء ......مرد اپنی عورتوں سے افضل ہوتے ہیں

اور شہنشاہ امیر کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے شوہر ہونے کے ناطے سے ان سے افضل ہیں، اور باقی آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تو اولاد ہونے کی وجہ سے ہم ان سے مفضول مان سکتے ہیں مگر شوہر ہونے کے ناطے سے امیر کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ان سے افضل ہی ہیں۔ اِس بات کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ بات عام انسانیت کے حوالے سے کہی گئی ہے اور امت کے احکام میں پاک خاندان علیہم الصلوٰۃ والسلام شامل ہوتا ہی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے آپس میں جو رشتے ہیں وہ عام انسانی طرز کے نہیں ہیں کہ ان پر انسانی طرز کے احکام لاگو یا تصور کیے جاسکیں۔

آپ تاریخ و سیرت کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی امیر کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کیلئے کھڑے نہیں ہوئے چاہے آپ گھر میں ہوتے تھے، یا سفر میں، یا مسجد میں، یا منبر پر، کبھی بھی تعظیم کو کھڑے نہیں ہوئے۔ ہاں میدانِ جنگ میں ناصر انبیاء و رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استقبال کیلئے گئے ضرور ہیں مگر عمومی معمول یہ نہیں رہا ہے کہ جب بھی امیر کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں یہ تعظیم کو کھڑے ہو جائیں۔

مگر ساری کتب سیرت اٹھا کے دیکھ لیں دوست دشمن کی کتابیں دیکھ لیں کہ ملکہ

عالمین صلواۃ اللہ علیہا جب بھی شہنشاہِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی ہیں چاہے گھر میں تھے، چاہے مسجد میں تھے، چاہے منبر پر تھے، فوراً ان کی تعظیم کو کھڑے ہوگئے، بڑھ کر ان کی پیشانی کا بوسہ لیا، اور انہیں صدر مسند پر تشریف رکھنے پر مجبور فرمایا۔

دوستو!...... یہ بھی کلیہ ادب ہے کہ ''فاضل کے سامنے مفضول کی تعظیم کو اٹھنا فاضل کی توہین کے مترادف ہوتا ہے''......جیسا کہ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم سامنے موجود ہو یا آپ کی گود میں ہو، اس وقت وہاں اگر کوئی کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ آجائے اس کی تعظیم کو کھڑے ہونا آپ کیلئے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قرآن کی توہین کے برابر ہے۔

اب آپ کتب سیرت میں دیکھ سکتے ہیں کہ ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا جب بھی تشریف لائیں چاہے امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام وہاں موجود ہی کیوں نہ تھے جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فوراً تعظیم کو کھڑے ہوگئے اور جب آپ کھڑے ہوتے ہوں گے تو کیا امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام ان کے ساتھ تعظیم کو کھڑے نہیں ہوتے ہوں گے، وہ بیٹھے رہتے ہوں گے؟

ان ساری باتوں سے جو نتائج نکلیں ان سے خود فیصلہ کرلیں کہ اس گھر کے افراد من حیث الذات، من حیث التکوین ومن حیث النور ایک ہی نور ہیں اور اس میں اوّلیت کسے حاصل ہے یہ میں نہیں جانتا اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اللہ جل جلالہ نے کس قدرِ مشترک کو سامنے رکھتے ہوئے ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کو سارے بلکہ ہزاروں

آئمہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام سے افضل قرار دیا ہے۔

دوستو! میں چوتھی فضیلت کو یہاں بیان نہیں کروں گا بلکہ آخر میں کروں گا

توجیہی صفات

دوستو!...... جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ لیلۃ القدر کی فضیلت کی چار وجہیں بیان ہوئی ہیں جو یہ ہیں

(1) تنزل الملائکہ......یعنی نزولِ ملائکہ

(2) تنزل الروح......یعنی نزولِ روح

(3) مِن کُلِّ اَمر......یعنی سارے کے سارے امر کا نزول

(4) سَلَامٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ......یعنی طلوعِ فجر تک سلامتی

تنزیلِ ملائکہ اور روح

دوستو!...... جیسا کہ آپ کے سامنے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ لیلۃ القدر کے چاروں مرادات میں اس کے ذیلی الفاظ بھی اپنے مرادات کو بدل لیتے ہیں جیسا کہ ''بلند و بالا'' کا استعمال اپنے مقامات پر اپنی ڈیفی نیشن (Defination) بدل دیتا ہے، جب یہ ایک انسان پر بولا جاتا ہے تو اس کی حد چھ سات فٹ ہوتی ہے، اور جب درخت پر بولا جاتا ہے تو اس کی حد سو دو سو فٹ تک چلی جاتی ہے، اور جب کسی عمارت پر بلند و بالا کے الفاظ بولے جاتے ہیں تو اس کی حد ہزار دو ہزار فٹ تک چلی جاتی ہے، اور جب کسی پہاڑ کیلئے بولا جاتا ہے تو اس کی حد تیس چالیس ہزار فٹ تک

چلی جاتی ہے۔اسی طرح جب موصوف بدلتا ہے تو صفات کے حدود بدل جاتے ہیں۔اسی طرح جب لیلۃ القدر سے مراد شعبان معظم یا رمضان المبارک کی کسی رات کو لیں گے تو وہاں ملائکہ اور روح کا مفہوم اور ہوگا، اور جب اس سے مراد ملکہ ءِ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کو لیا جائے گا تو پھر یہاں ملائکہ اور روح کے مردات بھی بدل جائیں گے۔

دوستو!...... اب ہم پھر سورہ قدر کی طرف توجہ کرتے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ لیلۃ القدر میں ملائکہ اور روح کا نزول ہوتا ہے یہاں ملائکہ سے ملکاتِ اِلٰہیہ مراد ہیں یعنی اِلٰہی قوتوں کا نزول مراد ہے۔ملکہ کیا ہوتا ہے اس کی مثال شجاعت سے دی جا سکتی ہے یا سخاوت سے دی جا سکتی ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت یعنی یہ قوتیں دکھائی گئی تھیں اور روح سے مراد روحِ اوّلیہ ہے جیسا کہ ہماری اکثر کتب مآ خذ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

☆اول ما خلق الله الروح ......یعنی اللہ جل جلالہ نے سب سے پہلے روح کو خلق فرمایا

اس قسم کی احادیث بہت سی ہیں کہ جن میں فرمایا گیا کہ

☆ اول ماخلق الله العقل، اول ماخلق الله نوری، اول ماخلق الله العلم، اول ماخلق الله اللوح

دوستو!...... یہاں اس بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ اللہ جل جلالہ نے وجود بخشنے کا

جو سلسلہ شروع فرمایا تھا وہ دو قسم کا تھا، ان میں سے پہلی قسم کو ''تکوین'' کہتے ہیں اور دوسری قسم کو ''تخلیق'' کہتے ہیں۔

ہر وہ چیز جو ''کن'' کہنے سے وجود میں آئی ہے تکوینی کہلاتی ہے

کیونکہ لفظ ''کن'' امر کا صیغہ ہے اس لیئے وہ عالم جو ''کن'' سے بنا ہے اسے عالم امر کہتے ہیں۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی کرتا چلوں کہ آج کئی فاضل علماء اولاد، رزق، موت، اور حیات کو تکوینی سمجھتے ہیں جو درست نہیں ہے کیونکہ بچہ مراحل شش گانہ سے گزرتا ہے اور یہ مراحل قرآن کریم سے ثابت ہیں کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر علقہ، پھر مضغہ وغیرہ ہوتا ہے اور یہ سلسلہ چھ ماہ سے نو ماہ تک چلتا ہے اس لیئے ان امور کو امور تکوینی کہنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ جل جلالہ کے امر کن کی پیداوار نہیں ہے۔

ہاں تو دوستو! میں عرض کر رہا تھا کہ شہنشاہ معظم سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی چیزوں کے بارے میں فرمایا

''اول ماخلق الله'' سب سے پہلے اللہ جل جلالہ نے ہمارے نور کو خلق فرمایا ہے، اسی طرح فرمایا کہ سب سے پہلے علم یا عقل یا لوح یا روح کو خلق فرمایا گیا

اگر ہم ان احادیث کو سرسری نگاہ سے دیکھیں تو ہمیں یہ احادیث ایک دوسرے کے منافی و نقیض نظر آتی ہیں کیونکہ اگر یہ چیزیں ایک دوسرے سے مختلف الوجود ہیں تو پھر یہ ساری احادیث درست نہیں ہوں گی کیونکہ اوّلیت تو ایک ہی چیز کو حاصل ہو گی لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان احادیث میں سے کوئی ایک حدیث بھی غلط نہیں ہے۔ ان

ساری احادیث کو درست ثابت کرنے کیلئے عرفاء کرام رضوان اللہ علیہم کے دو نظریات ہیں۔ بہ الفاظِ دیگران کے دوگروہ ہیں۔

( ) پہلا گروہ فرماتا ہے کہ ان ساری احادیث میں منقول الفاظ کا مراد ایک ہی ہے یعنی نورِ سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ...... کیونکہ اِن کا پاک نور ہی عقلِ اول ہے، یہی روحِ اول ہے، وغیرہ وغیرہ

( ) دوسرا گروہِ عرفاء فرماتا ہے کہ یہ سارے منقولات ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں یعنی روح اور ہے، عقل اور ہے، لوح اور ہے، قلم اور ہے، لیکن ان کی تخلیقی اوّلیت اپنے اپنے حساب سے ہے کیونکہ اول تو ایک ہوسکتا ہے متعدد نہیں۔ یعنی اوّلیت کلیہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہے، لیکن اعیانِ ثابتہ سے اعیانِ خارجہ کی طرف سفر وجود شروع ہوا تو سب سے پہلے اس مرتبہءِ وجود میں ظرف علم یعنی عقل کو خلق فرمایا گیا، اس ظرف میں جو کچھ وجود پذیر ہوا ان میں سے سب سے اول وجود علمیہ کی تخلیق ہوئی، پھر وجود مقدری میں سب سے پہلے لوح کو وجود بخشا گیا پھر قیام وجودِ مکتوبی کیلئے سب سے پہلے قلم کو وجود بخشا گیا، اسی طرح یہ سلسلہءِ وجود اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے اوّلیت کے اعزاز حاصل کرتا چلا گیا

اب میری یہ اوقات نہیں کہ میں ان دو عرفانیاتی نظریات وآراء پر بطورِ حکم کوئی فیصلہ سناؤں بلکہ میں تو ان کی آراء پیش کر کے بات کو آگے بڑھانا چاہوں گا۔

دوستو! ...... یہاں ایک وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ احادیث جن میں ''اول ما خلق اللہ'' کے الفاظ موجود ہیں یہ ساری عالم خلق کے بارے میں ہیں نہ

کہ عالم امر کے بارے میں، کیونکہ لوح ہو یا قلم، عقل ہو یا علم یہ سب نور معصومین علیہم الصلواۃ والسلام سے اخذ فرمائے گئے ہیں اور انہیں مراحل وجود سے گزرنا پڑا ہے اسی لیئے علم کو نور کہا گیا ہے، عقل کو نور کہا گیا ہے، لوح کو نور کہا گیا ہے، قلم کو نور کہا گیا ہے اور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس تو سلسلہءِ امر سے بھی اول ہے اس لیئے آپ نے بار ہا تاکید سے فرمایا تھا کہ

☆نزهوا عنا ذلة كن......یعنی ''ہم سے کن کی ذلت کو دور رکھیں''

اسی بات کو دیکھتے ہوئے مجدد روحانیات آیت اللہ روح اللہ خمینی الموسوی اعلی اللہ مقامہٗ نے مصباح میں فرمایا کہ اس نورِ اول کو مخلوق کہنا بھی جائز نہیں ہے۔

دوستو!......اب ہم اپنے موضوع کی طرف واپس آتے ہیں جیسا کہ میں عرض کر رہا تھا کہ روح سے مراد کوئی عام روح نہیں بلکہ ''اول ما خلق اللہ الروح'' والی روح ہے، جو پورے عالم خلق کی روح ہے، کہ جس کے بغیر پورا عالم خلق بے جان ہے، اور یہی روح ہی سلسلہءِ وجود کی جان ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ عالم خلق میں قیام کیلیئے روحِ اوّلیہ کو ایک ظرف کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ ظرف لیلۃ القدر یعنی ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کا وجود لیلۃ مخفیہ ہی ہے جس کے بارے میں اللہ جل جلالہ نے فرمایا کہ ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا اور ملکات اِلٰہیہ اور روح اوّلیہ کو بھی اس کے ساتھ نازل فرمایا گویا یہ روحِ اُلوہیت ہے جو ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کی خلوتوں میں نزول فرماتی ہے اور تنہا نہیں بلکہ☆مِن کُلِّ اَمر......کل کے کل امور کے ساتھ

یہاں لفظ ''من'' تبعیضیہ نہیں بلکہ مترادف بالبا ہے

☆مِن کُلِّ اَمر یعنی جملہ امورِخلق پر تولیت اور تصرف کے ساتھ نازل فرمایا۔اب اس سے آگے بات نہیں کرسکتا کیونکہ آگے ریڈلائن (Red Line) ہے۔

دوستو!......تیسری توجیہی صفت تھی کہ اس میں نزول امور ہوتا ہے تو اس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ عالم خلق وامر میں نازل ہونے والا کون سے امور لے کر کن پر نازل ہوتا ہے۔

سلامتی

دوستو!...... اس لیلۃ القدر کی چوتھی اور آخری توجہی صفت ہے طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی جیسا کہ ارشاد ہے☆سَلَامٌ ھِیَ حَتّٰی مَطلَعِ الفَجرِ یعنی اس میں ''طلوعِ فجر'' تک سلامتی ہی سلامتی ہے جب کشاف علم واسرار صادق آل اطہار علیہ الصلواۃ والسلام کی بارگاہ میں اس کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا☆

سلام ھی حتیٰ مطلع الفجر یعنی حتیٰ یقوم القائم عجل اللہ فرجهٗ الشریف ......بحارالانوار......25/97

فرمایا لیلۃ القدر میں طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے، کا مقصد یہ ہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے قیامِ حکومتِ اِلٰہیہ تک مخلوق کیلیئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔

ہاں جب خروج ہو گیا تو کسی کو سلامتی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے خروج سے قبل دوست دشمن دونوں کیلئے سلامتی ہے ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ اس زمانہءِ لیلۃ القدر میں دشمنوں نے جتنے ظلم ڈھائے ملکہءِ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کی طرف سے انہیں سلامتی ہی ملی ،ظلم اور بربریت کو چودہ پندرہ صدیوں تک مہلت ملی ہے اور ظالمین نے ظلم پر ظلم بڑھائے مگر ہمیشہ رحمانیت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے سلامتی ہی بخشی گئی۔

دوستو! متعدد معصومین علیہم الصلواۃ والسلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان

☆ لکم فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسوۃ حسنۃ......

کے تحت ساری انسانیت کیلئے سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسوۂ حسنہ ہیں، اور ہمارے لیئے ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا اُسوۂ حسنہ ہیں

<u>اُسوہ صبر و برداشت اور تسلی کے قابل اِقتداء نمونہءِ عمل کو کہتے ہیں</u>

یعنی اُسوہ کے معنی ہیں ایسا نمونہءِ عمل جس میں صبر، برداشت ،حلم اور تسلی کا عنصر غالب ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر سارے مسلمان اپنے لیئے صبر وضبط اور حلم کیلئے کوئی قابل اقتداء اور پیروی کرنے کے لائق کوئی نمونہءِ عمل ڈھونڈ نا چاہیں تو وہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سارے معصومین و مظلومین علیہم الصلواۃ والسلام کیلئے اگر ضبط وصبر وحلم کا کوئی آئیڈیل (ideal) ہے تو وہ ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا ہی ہیں، اور تمام معصومین علیہم

الصلواۃ والسلام نے انہی کی ذات کو سامنے رکھ کر اپنے پروقار اور بردبار رویوں کو مرتب کیا ہے، اور کائنات کی سلامتی کا موجب یہ اُسوۂ حسنہ بن گیا کہ کسی بھی معصوم ازل علیہ الصلواۃ والسلام نے جلال کو جمال پر کبھی بھی غالب نہیں آنے دیا۔

کتب تواریخ وسیرت گواہ ہیں کہ جہاں بھی کسی معصوم ازل علیہ الصلواۃ والسلام کے جمال پر جلال کا سایہ محسوس ہونے کا شائبہ نظر آیا تو انہوں نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا۔آپ دیکھیں کہ جب عمر ابن عبدود ملعون زمین پر گرا، امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام اس کے سینے پر سوار ہوئے، اس کی گردن پر ذوالفقار کو جمادیا تو اس ملعون نے اپنے اظہار نفرت کیلئے زمین پر تھوکا جو عرب میں کمالِ نفرت اور حقارت کی علامت مانا جاتا تھا، یہ دیکھ کر امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے فوراً اس کی گردن سے تلوار اُٹھالی ،اس نے سوال کیا کہ آپ نے میری گردن سے تلوار کیوں اٹھالی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلے تو ہم رضائے اِلٰہی کیلئے یہ کام کر رہے تھے اب تمہاری اس حرکت سے ہمیں محسوس ہوا کہ اس میں ہمارا اپنا غصہ یا جلال بھی شامل ہورہا ہے اور ذاتیات بھی شامل ہورہی ہے اس لیئے ہم نے تلوار اُٹھالی ہے، اب جلال کی کیفیت کے اختتام کے بعد ہی تمہاری گردن اڑائیں گے اور پھر ایسا ہی کیا۔

اسی طرح کربلا کے میدان میں ہم دیکھتے ہیں کہ لاتعداد ملعونوں کی گردنیں اڑانے کے بعد جہاں یہ محسوس ہوا کہ جلال جمال پر غالب آرہا ہے تو آپ نے فوراً تلوار نیام میں ڈال دی اور یہ تلوار کا نیام میں ڈالنا اس کا ثبوت ہے کہ وہ ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا کے اُسوۂ حسنہ ہی پر عمل پیرا تھے۔

اس کے بعد سارے معصومین ازل علیہم الصلواۃ والسلام نے یہی رویہ رکھا تا اینکہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے بھی صدیوں کے مصائب کو اسی طرح سینے سے لگالیا جیسے ملکہ عالمین سیدۃ الاولین و الآخرین صلواۃ اللہ علیہا نے جملہ اختیاراتِ الٰہیہ حاصل ہونے کے باوجود صبر وضبط کا مظاہرہ فرمایا اور رحمانیت اِلٰہیہ کا جامع مظاہرہ فرمایا۔مگر اِلٰہی فیصلہ یہ ہے کہ یہ قیام خروج تک ہی کا معاملہ ہے کیونکہ فرمایا گیا تھا

☆سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ

یعنی یہ سلامتی اور یہ مہلت خروج تک ہے۔اس وقت دشمن کو مہلت ہے کہ جو ظلم ڈھانا ہیں ڈھالے، ابلیس کو مہلت ہے کہ جو شیطانیت پھیلانا ہے پھیلالے، کیونکہ وقت معلوم آنے پر ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی ملعون کو ظلم و جبر و زیادتی یا تشدد کی ذرہ بھر مہلت مل سکے۔

طلوع فجر

دوستو!...... یہاں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ ہیں کہ☆حتیٰ مطلع الفجر یعنی طلوع فجر تک سلامتی ہے۔

یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ طلوع فجر اور ہے، اور طلوع شمس اور ہوتا ہے ۔طلوع شمس من المغرب کے بارے میں جو احادیث ہیں ان میں فرمایا گیا ہے کہ جب مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہوگا تو اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوجائے

گا، اعمال کا دوار نیہ ختم ہو جائے گا، حساب کا وقت شروع ہو جائے گا، اس دن کسی کا ایمان لانا نفع بخش نہ ہوگا اور یہ تو میں اپنے اسمائے مبارکہ کی تشریحات کے ضمن میں عرض کر چکا ہوں کہ ''شمس مغرب'' شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہیں جیسا کہ امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے جناب صعصہ بن صوحان سے اپنے آخری لخت جگر کے بارے میں فرمایا تھا

☆و هوالشمس الطالعة من مغربها يظهر عندالركن والمقام فيطهر الارض و يضع ميزان العدل فلا يظلم احد احداً

......الحديث:......منتخب الاثر

جس شمس نے مغرب سے طلوع فرمانا ہے وہ ہمارے آخری لخت جگر عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہیں جو رکن و مقام پر ظاہر ہوں گے اور اس زمین کو ظالمین سے پاک کریں گے اور میزان عدل نصب فرمائیں گے اور کسی ایک پر بھی ظلم نہیں ہوگا یعنی ظالمین کو چھوڑا نہیں جائے گا اور جو ظالم نہیں ہوگا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

یعنی توبہ کا دروازہ تو طلوعِ شمس کے بعد بند ہوگا لیکن دشمن کیلئے جو سلامتی کا دور ہے جو مظاہرۂ رحمانیت کا زمانہ ہے وہ اس سے بھی پہلے بند کر دیا جائے گا کیونکہ وہ طلوعِ فجر کے وقت ہونا ہے اور کیونکہ طلوع شمس کا وقت طلوعِ فجر ہمیشہ پہلے ہوتا ہے، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ دشمن پر سزا کا سلسلہ خروج وظہور سے پہلے ہی شروع ہو جائے گا۔

نازل

دوستو !...... گفتگو کا ایک طویل سفر کرکے اب میں اپنی منزل پر پہنچا ہوں کیونکہ میں نے اس ساری سورہ کے مرکزی پوائنٹ پر اب تک کوئی بات ہی نہیں کی اور وہ مرکزی پوائنٹ ہے۔

''وہ جو بطن لیلۃ القدر میں نازل ہونے والا ہے''

یہ تو میں پہلے ہی عرض کرچکا ہوں کہ اس سورہ میں نازل فرمانے والوں کیلیئے جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، اور نازل ہونے والے کیلیئے واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اس لیئے ہمیں اس میں تعمق کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ یہاں نازل فرمانے والوں سے مراد کیا ہے اور نازل ہونے والا کون ہے؟ کیونکہ انزلناہُ میں (ہُ) کی ضمیر بتا رہی ہے کہ وہ ایک ہے اور وہ معروف ومشہور ہے کہ جس کی طرف اللہ جل جلالہ نے صرف اشارے کو کافی سمجھا ہے، کیونکہ غیر معروف کیلیئے اشارے کا استعمال نقص بیان ہوتا ہے، ہاں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ساری دنیا کیلیئے جانا پہچانا ہو بلکہ ضروری یہ ہوتا ہے کہ جسے مخاطب کیا جارہا ہو اس کیلیئے وہ معروف اور جانا پہچانا ہونا ضروری ہوتا ہے، ورنہ اشارے کا استعمال نقص کلام و بیان ہوتا ہے۔

اب ہم اس بات پر توجہ کرتے ہیں کہ وہ معروف کون ہے؟

اس کے بارے میں جو روایات موجود ہیں ان سے معروف کی تین مرادت سامنے آتی ہیں، ان میں سے دو کے بارے میں تو عرض کرچکا ہوں اور تیسری مراد کے

بارے میں یہاں عرض کرنا چاہوں گا۔

دوستو!......عرفا کرام رضوان اللہ علیہم کی تو دنیا ہی الگ ہوتی ہے، اس لیئے ان کی رائے بھی یہاں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔عرفائے کرام رضوان اللہ علیہم کا فرمان ہے کہ فرامین معصومین علیہم الصلواۃ والسلام سے ثابت ہے کہ لیلۃ القدر سے مراد ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا ہیں جو اللہ جل جلالہ کی عصمت کاملہ کی مظہر ہیں اور قرآنِ نبوت وامامت ہمیشہ ان کی ''حقیقت عصمتیہ'' میں نازل ہوتا ہے اور یہی مقام''اُمیت'' ہے......

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ''مقام اُمیت'' کیا ہے؟

دوستو!......اگر ہم لغوی اعتبار سے دیکھتے ہیں تو ''اُمیت'' دو مادوں سے مشتق نظر آتی ہے۔

نمبرایک''اُم''یعنی ماں سے مشتق ہے

نمبردو''اُمی'' سے یعنی مادرزاد کے معنی میں آتا ہے، اوراَن پڑھ بھی اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ''جیسے شکم مادر سے پیدا ہوا تھا ویسا ہی ہے''یعنی اس نے دنیا میں آکر کچھ بھی نہیں سیکھا اورعرب لوگ اسے بطور احتقار وحقارت استعمال کرتے تھے۔

جیسا کہ انگلش میں کہتے ہیں بلڈی نان سینس (Bloody Nonsense) جس کے معنی ہیں...... [پیدائشی جاہل]۔

اگرہم ان دونوں طرحوں کے استعمال کو دیکھیں تو ہمیں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ

ان دونوں میں ظاہری اختلاف تو موجود ہے مگر حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں، یعنی ان دونوں کا اصل میں مشتق ایک ہی ہے یعنی دونوں اُم [ماں] سے ہی مشتق ہیں، اور عربی میں ''اُم'' ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے کہ جو کسی چیز کی اصل و بنیاد ہو اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عربی میں لفظ ''اُم'' کم و بیش پچاس طریقوں سے بولا جاتا ہے اور سارے معانی میں یہی تصور مشترک ہے جیسا کہ اُم القریٰ ...... بستیوں کی ماں جو ان کی اصل ہو...... اُم الطریق ...... مین روڈ کو کہتے ہیں جس سے چھوٹی سڑکیں نکلیں ...... اُم النجوم کہکشاں کو کہتے ہیں کہ جو ستاروں کی اصل ہے، اسی طرح آپ دیکھتے جائیں گے تو یہ بات ثابت ہوتی چلی جائے گی کہ ''اُمیت'' میں ایسی اصل کا تصور ضرور ملے گا کہ جس سے فرع نکل رہے ہوں یا جس پر کوئی نہ کوئی چیز قائم ہو۔

دوستو! ......اسی طرح اُمیین کا استعمال بھی دو طرح سے ہوتا ہے

( ) بطور افتخار و فخر

( ) بطور احتقار و حقارت

جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے بطور افتخار و فخر فرمایا ہے

☆هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ......(سورہ جمعہ)

فرمایا ''وہ [اللہ جل جلالہ] وہی تو ہے جس نے ''اُمیین'' میں ایک کو رسالت پر مبعوث فرمایا جو انہی میں سے ہے۔

اس آیت میں اللہ جل جلالہ نے بطور افتخار و فخر فرمایا کہ میں نے اُمیین میں ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہی میں سے ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جن میں سے رسول صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے وہ عرب کے جاہل لوگ نہیں تھے بلکہ وہ تمام کے تمام ازل سے ابد تک طیبین وطاہرین ومعصومین علیہم الصلواۃ والسلام ہی تھے، اور اس پر تو فخر کیا جا سکتا ہے، نہ کہ عرب کے جاہلوں میں سے ہونے پر، اور اس قسم کا نظریہ توہین وکفر کے مترادف ہے اور جہاں کفار ومشرکین پر لفظ اُمی کا استعمال ہوا ہے وہاں بطور احتقار وحقارت استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں مادرزاد جاہل، ان پڑھ، گنوار۔

اس بحث کے بعد ہم واپس اپنے موضوع پر آتے ہیں جیسا کہ ''مقام اُمیت'' حقیقت عصمتیہ ہے کہ جس میں سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کا نزول ہوتا ہے۔عرفاء کا فرمان ہے کہ یہ نور اول اپنے جس جس عالم میں بھی ظہور فرماتا ہے وہاں لیلۃ القدر یعنی ''مقام اُمیت'' ہی میں نزول فرماتا ہے۔

جیسا کہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ لیلۃ القدر سے جو دوسری مراد لی جاتی ہے وہ حقیقت محمدؐیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، جیسا کہ عارف دوراں جناب امام خمینیؒ نے عارف کامل محمد علی شاہ آبادی اصفہانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ انزلناہُ میں جو [ہُ] ہے وہ کیا ہے؟

☆انا انزلنا ہ فی لیلۃ القدر اشارۃ الی الحقیقۃ الغیبیۃ النازلۃ فی بنیۃ المحمدؐیۃ التی ھی حقیقۃ لیلۃ القدر

فرماتے ہیں کہ اس میں جو (ہُ) کی ضمیر ہے اس میں اس حقیقت غیبیہ کی طرف اشارہ ہے جو نازل ہونے والی ہے اور جو کہ وجودِ محمدؐی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ظاہر پر نازل ہوئی ہے اور یہی حقیقت لیلۃ القدر ہے

اکثر عرفاء یہی فرماتے ہیں کہ جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور واجب الوجود ذات جل جلالہ کے نور سے جدا ہوا تو اِسے ایک حقیقت غیبیہ میں قیام حاصل ہوا جو اس کے ظرف کی طرح تھی، جبکہ وہ ذات واجب الوجود ہی اس کا ظرف حقیقی تھی لیکن جس ظرف غیر تظرفی میں اس نور کو قیام عطا فرمایا گیا اسے اللہ جل جلالہ نے لیلۃ القدر قرار دیا کہ جس میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نزول ہوا۔ یہ بھی میں عرض کر چکا ہوں کہ جو اس نور کا ظرف تھا وہی اس کا مظروف بھی تھا کیونکہ یہ سب واحد الاصل تھے، پھر اسی لیلۃ القدر کے اندر تعدد وجود پذیر ہوا۔

دوستو!...... اس سے قبل میں اپنے کئی خطبات میں ان انوار کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ انہوں نے مختلف عوالم علویہ کے اصلاب شامخہ سے کس طرح عوالم ماتحتہ کے ارحام مطہرہ میں نزول فرمایا، اس لیئے ہم جملہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی زیارات میں اصلابِ شامخہ اور ارحام مطہرہ کا جو ذکر کرتے ہیں اس سے مراد یہی عوالم علویہ کے وہ مقامات ہیں کہ جہاں آپ نے قیام فرمایا اور ہر عالم علویہ کا وہ مقام جہاں یہ نزول فرماتے رہے ہیں وہ ان کیلیئے بمنزلت اُم کے ہے یعنی عالم علویہ سے نزول ان کیلیئے جائے قرار ہے اس لیئے اسے ''مقام اُمیت'' کہا جاتا ہے

دوستو! ''مقام اُمیت'' کی یہ شان ہے کہ وہ مقام عصمت اللہ ہوتا ہے جو ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کی حقیقت عصمتیہ ہی ہے، جس کا ایک صفاتی نام لیلۃ القدر بھی ہے کیونکہ اس میں غیر کیلیئے ایک لامتناہی تاریکی ہے، ایک ایسی اندھیری رات ہے جس میں نہ کسی کی بصارت کام کرسکتی ہے، نہ ہی بصیرت کی جرأت ہے کہ وہ اس میں نفوذ

پذیر ہو۔

اب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس جس عالم میں اس نور اول نے قیام فرمایا ہے ہر عالم میں لیلۃ القدر جداگانہ ہے یعنی یہ مقام وہاں کے ساکنین کیلئے اور وہاں کی مخلوق کیلئے ناقابل ادراک مقام ہے، اور وہاں کی مخلوق کی وہاں تک رسائی ممکن ہی نہیں ہے اور نہ ان کے عقول کی رسائی ممکن ہے۔

اسی چیز کو جناب امام خمینی اعلی اللہ مقامہ نے حقیقت غیبیہ نازلہ کہہ کر اس کی ''غیبیت کلیہ'' کی حقیقت کو ظاہر فرمایا ہے اسی طرح عالم لاھو سے ہزاروں عوالم کے اصلاب وارحام سے گزر کر جب یہ نور اس دنیا پر ظاہر ہوا تو یہاں بھی اس کا نزول لیلۃ القدر ہی میں ہوا کیونکہ اس کے نزول کی شرط ہی ''حقیقت عصمتیہ'' ہی ہے، چاہے وہ بیٹی کے روپ میں ہو یا والدہ پاک صلواۃ اللہ علیہا کے روپ میں ہو۔

جیسا کہ شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ صلواۃ اللہ علیہا کا ظہور دراصل ایک ظہور حقیقت عصمتیہ تھا جو دراصل ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کا مقام مظہریت تھا، اس لیئے وہ معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا ایک طرف تو خود عصمت کبریٰ کی حامل تھیں اور دوسری طرف حقیقت عصمتیہ کی فرع بھی تھیں، یعنی ایک طرح سے ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا اپنی جدہ طاہرہ صلواۃ اللہ علیہا کی اصل واُم تھیں، اسی لیئے سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اُم ابیھا صلواۃ اللہ علیہا فرمایا تھا کہ یہ تو اپنے بابا پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اُم واصل ہیں کیونکہ ان کی والدہ ماجدہ صلواۃ اللہ علیہا کی یہی اصل واُم ہیں۔

اب عرفانیات کے انتہائی نازک مقام سے ہمیں گزرنا ہے کیونکہ یہ مقام انتہائی حساس ہے اس لیئے پہلے ہی عرض کر رہا ہوں کہ اگر یہاں تھوڑی سی بات بھی سمجھ نہ آئی تو ہزاروں فسادات عقل وعقائد شروع ہو جائیں گے اور اگر سمجھ آ گئی تو آپ میرے مالک ومنعم ازل عجل اللہ فرجہ الشریف کو ضرور دعا فرمائیں گے۔

دوستو!......امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی جو والدہ ماجدہ صلواۃ اللہ علیہا تھیں وہ بھی عصمت اللہ الکبریٰ ہی تھیں اور اُن کی ذات کا ظہور بھی دراصل ایک ظہورِ حقیقت عصمتیہ تھا جو دراصل ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کا مقام مظہریت تھا، اس لیئے وہ معظّمہ صلواۃ اللہ علیہا ایک طرف تو خود عصمت کبریٰ کی حامل تھیں دوسری طرف حقیقت عصمتیہ کی فرع بھی تھیں، یعنی ایک طرح سے ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا ان کی بھی اُم واصل تھیں اور امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی والدہ پاک صلواۃ اللہ علیہا کیلیئے بھی یہ عصمت کل کا درجہ رکھتی تھیں۔

اسی طرح جب ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کے نور اول نے اس عالم ناسوت کو زینت بخشی تو انہوں نے بھی اپنی ہی فرع میں ظہور فرمایا، اور محسنہ اسلام بی بی صلواۃ اللہ علیہا کو اعزاز مادری عطا فرمایا تو وہ بھی ایسا ہی تھا کہ انہوں نے اپنی ہی فرع کو اپنی جائے نزول وظہور قرار دیا جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کسی بھی درخت کا بیج اس کی اصل ہوتا ہے، مگر وہی بیج جب اس درخت کے پھل میں ظہور پذیر ہوتا ہے تو گویا اصل اپنی فرع میں ظہور پذیر ہو رہا ہوتا ہے۔ یہ تشبیہ اگرچہ ناقص ہے مگر سمجھانے کی حد تک کفایت ضرور کرتی ہے لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ان کا مقام ظہور تھا مقام

بروز نہیں تھا۔

دوستو!......اب آپ نے یہاں تک تو بات کو سمجھ لیا تو اب ہم اور آگے بڑھتے ہیں ۔عرفاء کرام رضوان اللہ علیہم کا یہ مسلمہ ہے کہ جس عالم علویہ سے نور کا نزول ہوتا ہے وہ مقام ابویت کا حامل ہوتا ہے اور جس میں نازل ہوتا ہے وہ مقام اُمیت کا حامل ہوتا ہے، اس طرح سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کیلئے مقام ابویت کا درجہ رکھتے تھے اور ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا اُن کیلئے مقام اُمیت کا درجہ رکھتی تھیں یعنی جس مقام ذات اِلٰہی سے انوار اِلٰہی علیہم الصلواۃ والسلام کا نزول و ہبوط ہوا اس مقام اعلیٰ کو مقام ابویت کہتے ہیں جو مقام اُمیت سے بھی ماقبل کا مقام ہے، اور یہ مقام سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت مطلقہ کا مقام ہے کہ جہاں سے سارے انوار عالم بروز میں ہبوط فرما ہوئے۔

جتنے بھی عوالم میں معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کے انوار نے ہبوط فرمایا ہے ان سب عوالم میں ان کیلئے ایک منفرد مقام ابویت ہوتا ہے جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی حقیقت مطلقہ کا مظہر ہوتا ہے اور پھر ان میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رقیقۃ العلویہ کا نزول و ہبوط ہوتا رہا ہے، اور یہ انوار ''مقام ابویت'' سے ''مقام اُمیت'' میں قیام پذیر ہوتے رہے ہیں تا اینکہ انہوں نے اس عالم ناسوت کو زینت بخشی اور یہاں انہوں نے اپنی مظہریت کا قیام فرمایا اور جناب عبد اللہ علیہ الصلواۃ والسلام اور جناب ابو طالب علیہ الصلواۃ والسلام دونوں کو مقام ابویت ملا اور انوار معصومین علیہم الصلواۃ والسلام

نے سب سے آخر میں ان میں قیام فرمایا۔

دوستو!...... یہ انوار اپنی ہئیت بروزی میں تو ازل سے موجود تھے مگر حالت ظہور میں ان کا ہبوط کائنات کی استمداد کیلیئے مختلف مواقع پر ہوتا رہا ہے، اس لیئے کسی کو ان کے اس دنیا میں آنے کو عام انسانی پراسس (Process) پر قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ عام انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو وہ مراحل شش گانہ سے گزرتا ہے، پہلے نطفہ ہوتا ہے، پھر علقہ ہوتا ہے، پھر مضغہ ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ،لیکن ان کا نور روز ازل سے اپنی اصلیت وحقیقت کے حوالے سے ہمیشہ اپنے نقطہءِ کمال پر رہا ہے اور نیابت اِلٰہیہ میں سب کی نصرت فرماتا رہا ہے،اسی لیئے امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا تھا

☆ نصرت الانبیاء سراً ونصرت المحمد صلی الله علیه وآلهٖ وسلم جهراً و اعلانیة

کہ ہم نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی نصرت چھپ کر کی ہے اور اپنے شہنشاہ بھائی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت جب بھی کی ہے ظاہراً اور اعلانیہ کی ہے۔

یہاں اشارے کے طور پر کاہنہ یمن کا واقعہ بیان کرنا چاہوں گا کہ جب سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اپنے مقام ابویت سے ہبوط ونزول فرماکر اپنے مقام اُمیت میں قیام پذیر ہوا تو ایک کاہنہ یمن نے ایک عورت کو کافی رقم دے کر اُکسایا کہ جوروٴسائے شہر کی مشاطہ تھی یعنی ان کی مستورات کے بال سنوارا کرتی تھی، اس

کاہنہ نے اسے لالچ دیا اوراس سے کہا کہ تم اپنے بالوں میں خنجر چھپا لو جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ پاک صلواۃ اللہ علیہا کی مشاطگی کیلیئے جاؤ تو ان پرحملہ کردینا اوراس نور پاک کو جوان کی جبینِ مبین میں ہے (نعوذ باللہ) خاموش کردینا، میں تمہاری دیت ادا کرکے چھڑا لوں گی اس مشاطہ ملعونہ نے اس کی بات مان لی۔ جب وہ مشاطگی کرنے کیلیئے وہاں پہنچی اوراس نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو عین اس وقت امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کا نور ذوالفقار بدست اس کے سامنے آیا اوراسے جہنم میں پہنچا دیا۔

اسی طرح خود امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی والدہ پاک صلواۃ اللہ علیہا کا واقعہ ہے ان کے سامنے شیر آیا تو عین وقت پر امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام گھوڑے پر سوار ہوکر تشریف لائے اورانہیں دیکھ کر شیر قدموں میں سجدہ ریز ہوگیا اوراس وقت پاک شہزادی صلواۃ اللہ علیہا نے انہیں تحفے کے طور پر ایک گلدستہ پیش کیا تھا جو امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے اپنی آستین سے نکال کر والدہ پاک صلواۃ اللہ علیہا کو دکھایا بھی تھا۔

یہ سب کچھ میں کئی مرتبہ تفصیل سے بیان کر چکا ہوں اس لیئے یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ سمجھ سکیں کہ یہ نور اپنے ظہور سے ماقبل بھی اپنے نقطہءِ کمال پر رہا ہے اورظہور میں آنے یا نہ آنے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا میرے پاس وقت نہیں ہے ورنہ یہاں میں کچھ سوالات کرتا اوران کے جوابات کیلیئے آپ لوگوں کو دعوت فکر دیتا کہ آپ سوچیں کہ یہ ذات جو اپنے ظاہری ظہور

سے قبل ظاہر ہوئی ہے۔

کیا وہ اپنی ظاہری ذات کی عین تھی یا غیر تھی؟

ایک ہی ذات تھی تو ظہور کی حیثیت کیا تھی؟

اگر وہ ذات غیر تھی تو کیا ظہور میں آنے کے بعد وہ پہلی ذات (نعوذ باللہ) معدوم ہوگئی تھی یا باقی رہ گئی تھی؟ یا وہ اپنے مقام پر قائم رہی تھی اور یہاں ایک دوسری ذات وجود پذیر ہوگئی تھی؟ اگر دو ذوات تھیں تو پھر ان کا آپس میں کیا تعلق تھا؟ ان دونوں میں سے فاضل کون تھا اور مفضول کون تھا؟ اسی طرح کے کئی سوسوالات قائم کئے جا سکتے ہیں کہ جن کے جوابات میرے پاس نہیں ہیں کیونکہ میں ان کی معرفت سے عاجز ہوں۔

دوستو!...... یہ تو آپ سمجھ چکے ہیں کہ مقام ابویت اور اُمیت کیا ہے، اب بات کو اور آگے بڑھاتے ہیں اور نتیجے کی طرف آتے ہیں۔ جب ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کا عالم ناسوت میں ظہور اجلال ہوا تو یہاں ایک واقعہ ہوا جس کے بارے میں اللہ جل جلالہ نے فرمایا

☆مرج البحرین یلتقیان ...... یہاں مقام ابویت واُمیت میں ایک برزخ واقع ہوا جس کے نتیجے میں لؤ لؤ والمرجان کا ظہور ہوا، اس کے بعد انوار اِلٰہی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوگیا اور یہ سلسلہ پورے 308 سال تک چلا یعنی سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور 255 ہجری تک جاری رہا اور یہاں پہنچ کر شجرہ طیبہ کی تکمیل ہوگئی۔

اس دور میں مقامات ابویت واُمیت کے بارے میں عرض کروں گا کہ یہاں جس نور اول نے سب سے آخر میں ظہور فرمانا تھا اس کیلیئے مقام ابویت انہیں حاصل تھا، اللہ جل جلالہ کی ہیبت کے مظہر اتم واکمل تھے، اور اللہ جل جلالہ کی افواجِ سری کے مالک ومتصرف تھے یعنی ہمارے گیارہویں امام شہنشاہ معظم ابومحمد حسنؑ العسکری علیہ الصلواۃ والسلام، اور مقام اُمیت جنہیں حاصل ہوا وہ ملکہ ٔروم سیدۃ الزمان صلواۃ اللہ علیہا تھیں۔ یہ تو آپ جان چکے ہیں کہ مقام اُمیت حقیقت عصمتیہ کبریٰ کا مقام ہے اور جنہیں بھی مقام اُمیت کا حصول ہوتا ہے وہ ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کی نیابت میں عصمت کبریٰ کی مالک ہوتی ہیں۔ظاہراًان کا ظہور روم میں ہوا مگر حقیقت نازلہ غیبیہ کیلیئے مقامات نزول ایجاد کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے وہ جہاں چاہے اپنی منزل ایجاد فرماسکتی ہے، اس لیئے انہوں نے روم میں ظہور فرمایا مگر وہ ظہور روم میں نہ تھا گویا عرش سے ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کے گھر میں نزول تھا۔

دوستو!...... یہ تو آپ جانتے ہیں کہ معصومین علیہ الصلواۃ والسلام کا نزول سوائے حقیقت عصمتیہ کے کہیں ہوسکتا ہی نہیں ہے اس لیئے ماننا پڑتا ہے کہ یہ ملکہ روم سیدۃ الزمان صلواۃ اللہ علیہا حقیقت عصمتیہ کی مالک تھیں۔

اور یہ بھی آپ جان چکے ہیں کہ جو ذات بھی حقیقت عصمتیہ کی مالک ہوتی ہے اس ذات کو لیلۃ القدر بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کی ذات کے عرفان کے میدان میں کائنات کی بصیرتیں عاجز و بے بس ہوتی ہیں، کوئی ان کی حقیقت کو سمجھ ہی نہیں سکتا، ان کے حریم راز میں نہ بصر کام کرتی ہے اور نہ ہی بصیرت، بلکہ عقول کے سامنے ایک

گھٹاٹوپ اندھیرا ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جسے شہنشاہ معظم ابوالحسن امام علی النقی علیہ الصلواۃ والسلام نے کامل ترین فرد بنا کر بھیجا جس کی عقل وعرفان کو سو فیصد مکمل کر کے روانہ فرمایا تھا جب ملکہ روم سیدۃ الزمان صلواۃ اللہ علیہا سے سوال کرتا ہے تو وہ فرماتی ہیں کہ

☆ایھاالعاجز عن......اور مقامات عالیہ سے عاجز انسان تو کیا سمجھ سکتا ہے کہ ہم کون ہیں؟ اور ہمارے راز کیا ہیں؟

جب یہ بشر بن سلیمان روانہ ہوتا ہے تو اسے اس درجہ کامل فرمایا گیا تھا کہ جناب سلمان پاک بھی ان سے قد نہیں ملا سکتے تھے، مگر ان کے میدان معرفت میں اسی لیئے عاجز نظر آتا ہے کہ یہ مقام لیلۃ القدر ہے کہ جہاں کسی بھی مخلوق کیلیئے کسی بھی قسم کی رسائی محال ہی نہیں ناممکن ہے، یہ تو وہ مقام لیلۃ القدر ہے کہ جس میں جبریل علیہ السلام بھی ایک سرمو تجاوز نہیں کرسکتا اور اس لیلۃ القدر میں کوئی تشخص وتفرید نہیں ہے، گویا یہ سارے انوار کی جامع ہے جس میں داخل ہونے کے بعد انوار معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی انفرادیت واجتماعیت وحدانیت میں منجذب ہو جاتی ہے اور انہیں کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ جب شہنشاہ معظم ابومحمد حسنؑ العسکری علیہ الصلواۃ والسلام نے اپنی پھوپھی پاک صلواۃ اللہ علیہا سے فرمایا کہ آج ہمارے نور نظر کا نزول ہونا ہے تو آپ نے فوراً سوال کیا کہ شرفِ مادری کسے عطا فرما رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ جنہیں ازل سے شرفِ مادری بخشا گیا ہے انہیں اعزاز بخشا

جانا ہے تو آپ نے عرض کیا بیٹا وہاں تو کوئی آثار موجود ہی نہیں ہیں یعنی جب یہ انوار اپنی لیلۃ القدر میں نزول فرماتے ہیں تو انہیں خود ان کے گھر اطہر کے مقدس افراد بھی نہیں دیکھ سکتے بلکہ ان کے آثار تک نظر نہیں آتے۔

دوستو!...... یہاں ایک قلندرانہ استدلال کرنا چاہتا ہوں مگر یہ نہ سمجھیں کہ قلندرانہ باتیں غیر قرآنی ہوتی ہیں۔

بات یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ☆ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ

کہ ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل فرمایا یعنی ان کا ظرف لیلۃ القدر ہے اور لیلۃ القدر ہیں ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا تو ثابت ہوتا ہے کہ اس نور کا نزول سوائے ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کے کسی ذات پر ہو ہی نہیں سکتا۔

دوستو!......قلندرانہ استدلال یہ بھی ہے کہ آپ پورا قرآن پڑھ لیں آپ کبھی بھی یہ ثابت نہیں کر سکیں گے کہ نازل کا اپنے منزول [ظرف] سے کوئی صلبی یا نسبی رشتہ ہو۔

دوستو!...... یہ ایک مسلمہ ہے کہ نازل کا اپنے ظرف سے صلبی یا نسبی رشتہ نہیں ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم شہنشاہ معظم سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا کیونکہ وہ نازل ہوا تھا اس لیئے کوئی قرآن کریم کو سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا یا کسی بھی حوالہ سے رشتہ دار نہیں کہہ سکتا۔

اسی طرح کلام اِلٰہی میں ہے ☆ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

پانی آسمان سے زمین پر نازل ہوتا ہے تو اس کا زمین کے ساتھ کوئی صلبی یا نسبی رشتہ

نہیں ہوتا کیونکہ کوئی بھی پانی کو زمین کا بیٹا یا بیٹی نہیں کہتا اس سے ثابت ہوا کہ منزول کا اپنے منزل سے جیسا بھی رشتہ ہوتا ہے وہ انسانی طرز کے سارے رشتوں سے جدا قسم کا رشتہ ہوتا ہے۔

اب یہ جو آج کی رات نازل ہورہا ہے اس کا اپنی والدہ ماجدہ صلواۃ اللہ علیہا سے کیا رشتہ ہے؟ یہ میں نہیں جانتا مگر اتنا جانتا ہوں کہ وہ ازلی رشتہ جو بھی ہے انسانی انداز و طرز کا کوئی رشتہ نہیں ہے بلکہ ایسا رشتہ ہے جو قلب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن کا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رشتہ تو اس کا ہوتا ہے جو پیدا ہوتا ہے، جو نازل ہوتا ہے اس کا رشتہ دنیاوی رشتوں سے منفرد قسم کا ہونا لازم ہے سمجھنے سمجھانے یا لکھنے کی حد تک یہ پاک ذوات علیہم الصلواۃ والسلام باپ یا بیٹا ہوتے ہیں مگر ان کی حقیقت ماورائے عقل و شعورِ عالمین ہے، محمدؐ ابن علیؑ یا علیؑ ابن محمدؐ علیہم السلام سے کوئی شخص یہ گمان ہرگز ہرگز نہ کرے کہ یہ ہماری طرح باپ یا بیٹے ہیں، لفظ ''ابن'' سے کوئی دھوکہ کھائے تو وہ ''وابن السبیل'' کے لفظ کو دیکھ کر بتائے کہ کیا مسافر راستے کا نسبی بیٹا ہوتا ہے۔

اِن بیان کردہ روایات سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں انہیں عرض کرتا چلوں

() روح القدس بھی ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا سے ہے

() لیلۃ القدر سے مراد ملکہ عالمین سیدۃ الاولین والآخرین صلواۃ اللہ علیہا ہیں

() مقدرات کا نزول مومنین پر ہوتا ہے جو علم آل محمد علیہم الصلواۃ والسلام کے حامل ہوتے ہیں یہاں لفظ فی مترادف بالمن ہے جس کے معنی ''میں'' کے نہیں ''سے'' کے

ہیں جیسا کہ مودة فی القربیٰ میں قربیٰ ''سے'' مؤدت کا حکم ہے، نہ کہ قربیٰ ''میں'' مؤدت کا حکم ہے۔

اپنے مالک ومنعم حقیقی کے عطا کردہ شعور کے مطابق میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اُس کے متعلق مجھے نہیں معلوم کہ میں اپنی بات کس حد تک آپ کو سمجھانے میں کامیاب ہوا ہوں، یہ فیصلہ میں اپنے سامعین وقارئین پر چھوڑتے ہوئے اس موضوع کو یہیں ختم کر رہا ہوں کیونکہ اِس سے زیادہ بیان کرنا میری اوقات میں نہیں ہے اور اپنے اس بیان کردہ الفاظ میں مجھ سے اگر کوئی کمی بیشی ہوئی ہو تو اس کیلیئے اپنے پاک مالک سے عفو اور درگزر کا طلبگار رہوں اور آخر پر دعا کرتا ہوں اور اپنے تمام سامعین اور قارئین سے اِس دعا کیلیئے تہہ دل سے آمین کا متمنی ہوں کہ وہ نیک ساعت جلد سے جلد پرفشاں ہو کہ جب اِس پاک خاندانِ توحید ورسالت علیہم الصلواۃ والسلام کی حقیقت مطلقہ اِلٰہیہ کا اظہار ہو، تاکہ ان کے اپنے پاک گھر میں ہمیشہ ہمیشہ کیلیئے دائمی اور ابدی خوشیاں رونما ہوں، اور اِن کے دشمنوں کیلیئے ابدی ابدی عذاب ہو جو کبھی بھی ختم نہ ہو۔

آمین یا رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد للہ رب العالمین و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجۃ اللہ فی العالمین عجل اللہ فرجہ الشریف و آبائہ المعصومین و امہاتہ الطاہرین الطیبین صلوات اللہ علیہم اجمعین و لعنۃ اللہ علیٰ اعدائہم اجمعین من یوم الازل الی یوم الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَيُرِيدُ اللّهُ أَن يُحِقَّ الحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ (7) لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ(8)

(سورۃ الانفال)

اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اپنے کلمات کے ذریعہ سے حق کو حق ثابت کر دے اور کافروں کی نسل کو قطع کر دے تا کہ حق کو حق ثابت کر دیا جائے اور باطل کو باطل، خواہ مجرمین اُسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔

اے متلاشیانِ حقؒ!

عرفان ومعرفت ایک ایسے ہلالِ عید کی طرح ہوتے ہیں کہ جو صرف جوئندہ اور منتظر نگاہ ہی میں آتے ہیں، سرسری بین حضرات اس کے ادراک سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں، لہٰذا موضوعِ عرفان پر نظر ڈالنے سے پہلے نگاہوں کو بصیرت قلبی سے مربوط کر لینا ضروری ہوتا ہے تاکہ معرفت کا ہر نکتہ کتاب سے نکل کر آنکھوں کے راستے سے ہوتا ہوا سیدھا دل میں جا بیٹھے۔

اب دیکھئے محولہ بالا آیت میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو ایک دوسرے کی ٹھیک ٹھیک نقیض ہیں یعنی ''حق اور باطل''

یہ آیت تجنیس خطی کا ایک حسین مرقع ہے اس کا ترجمہ تو اس طرح ہے کہ مجرمین جتنی ہی کراہت کیوں نہ کریں اللہ نے مکمل ارادہ فرمالیا ہے کہ ''حق کو حق'' ثابت کرے گا اور ''باطل کو باطل''

اِن دو آیات میں لفظِ حق بھی دو بار آیا ہے اور لفظِ باطل بھی یعنی لفظ حق سے بھی یہاں دو مرادات ہیں اور باطل سے بھی دو مرادات ہیں یعنی (باطل کو باطل کرنا)۔

اس میں پہلے باطل کے معنی دوسرے باطل سے جدا ہیں، پہلے باطل سے مراد وہ قوت ہے جو ہمیشہ حق سے متصادم رہی ہے، اور دوسرے باطل سے مراد ہے اس قوت کا بطلان یعنی اِس کو نابود کرنا یا فنا کرنا۔

اس طرح حق سے مراد بھی دو حقیقتیں ہیں، پہلے حق سے مراد اللہ کی ازلی سچائی ہے جو باطل سے ہمیشہ متصادم رہی ہے اور دوسرے حق سے مراد اس کا اظہار و غلبہ ہے

الفاظ ہیں ''حق کو حق کرنا'' یعنی ازلی سچائی کو مکمل غلبہ دینا

اِن آیات میں سے ہمارا مطلوبہ لفظ ہے ''حق''

حق کے بارے میں اتنا کہوں گا کہ حق تو یہ ہے کہ یہ لفظ وہ لفظ ہے کہ جس کے بارے میں منکرین کا خیال ہے کہ یہ لفظ آج تک شرمندہِ تعبیر و معانی نہیں ہو سکا ماہرین جمالیات کا کہنا ہے کہ حق کے معنی ہیں مطابقت واقتضائے حکمت و واقعیت۔

واقعہ اور واقعیت میں بھی فرق ہے، واقعہ غلط بھی ہوسکتا ہے اور اس کی حقیقت کا نام ہے واقعیت۔

مثلاً ایک شخص رات کو کہیں جارہا ہے اس نے راستے میں کھڑی ہوئی ایک جھاڑی کو بھوت سمجھ لیا اور اس جھاڑی سے چمکتی ہوئی آنکھیں اور بڑھے ہوئے ہاتھ وغیرہ دکھائی دیئے اور وہ ڈر گیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو واقعیت سے بالکل خالی ہے یعنی واقعہ کے لحاظ سے تو وہ ایک بھوت ہے مگر واقعیت کے لحاظ سے وہ صرف ایک جھاڑی ہے۔

اس لیئے صدق وسچائی کو بھی حق کہا جاتا ہے مگر حق کو صدق وسچائی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ حق کے صفات تو ہیں ذات نہیں اور صدق (سچائی) میں واقعیت موجود ہے اس لیئے انہیں حق کہا جاتا ہے۔حق کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ثبوت وقیام ہوتا ہے یعنی ہر اٹل، انمٹ حقیقت کو حق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور باطل اس کا ٹھیک نقیض ہے یعنی حق ایک ثابت وقائم رہنے والا، نہ مٹنے والا، نہ ٹلنے والا وجود ہے اور باطل ایک غیر ثابت، غیر قائم، مٹنے والا یا ٹلنے والا عدم ہے یعنی حق وجود ہے، باطل عدم

ہے اس طرح باطل کے معنی ہوئے بے ثبات و قیام باقی نہ رہنے والا یا گل جانے والا۔

اسی لیئے محولہ گزشتہ آیت میں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے الفاظ سے اس کی تعریف کر دی گئی ہے کیونکہ جس چیز میں صفاتِ حق پائے جاتے ہیں اسے حق اور جس چیز میں صفات باطل پائے جاتے ہیں اسے باطل کہا جاتا ہے۔

ثبات و قیام و مطابقت و واقعیت یا اٹل و انمٹ ہونا، یہ صفات سب سے زیادہ جس حقیقت میں پائی جاتی ہیں یا ثابت کی جاسکتی ہیں وہ ہے ذاتِ باری تعالیٰ اس لیئے خالق نے کلامِ مقدس میں خود کو بھی حق فرمایا ہے۔

☆فَذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الحَقَّ ......(سورہ یونس 32)

یہ وہ تمہارا اللہ ہے جو تمہارا رب ہے اور حق ہے

یعنی اللہ ثابت ہے، قائم ہے، واقعی ہے اور وہ الوہیت سے مکمل مطابق ہے، نہ ٹلنے والا ہے اور کبھی نہ مٹنے والا ہے اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا کہ

☆ ثُمَّ رَدُّوهُ اِلَى اللّٰهِ مولٰهُمُ الحَقَّ......(سورہ انعام 62)

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ

☆ فَتَعٰلَى اللّٰهُ المُلكُ الحُقَّ......(سورہ طٰہٰ 113)

یعنی اللہ رب حق ہے، مولائے حق ہے، فرمانروائے حق ہے تو اس کی ربوبیت و ولایت وملکیت بھی حق ہے، اس لیئے صاحب مقدمۃ البرہان نے حق کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ (باطل کی ضد ہے، ثابت ہے، لازم ہے، واجب ہے، مطابقِ واقعہ ہے)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ حق کا لفظ کلامِ اِلٰہی میں کئی چیزوں پر استعمال ہوا ہے بات کی سچائی پر، ولایت امیرالمومنین علیہ الصلواۃ و السلام پر ،امامت پر، آلِ محمدؐ علیہم الصلواۃ والسلام پر، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور شہنشاہِ زمانہ قائمِ آلِ محمد علیہ الصلواۃ والسلام پر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لفظ حق کا استعمال متعدد مرتبہ ہوا ہے مثلاً

☆ وَشَهِدُوٓا۟ أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ...... (سورہ العمران 86)

یعنی حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک ایسی حقیقت ہیں جو حق ہیں یعنی ثابت ہیں، قائم ہیں ،انمٹ ہیں ،اٹل ہیں اور مطابقِ بیان ہیں اور ان کی رسالت واقعی ہے۔

اب قرآن مجید میں اسلام کو بھی دین حق کہا گیا ہے

☆ اَرسَلَ رَسُولَهُ بِالهُدیٰ وَ دِینِ الحَقِ ...... الخ (توبہ 33)

یعنی اسلام میں بھی ثبات وقیام ہے،اب حق کی مزید صفات اگر تلاش کرنا ہوں تو ہمیں پھر کلامِ اِلٰہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا ارشادِ قدرت ہے کہ

☆اَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَسَالَت اَودِیَته" بِقَدرِهَا فَا حَمَّلَ السَّیلُ رُبدَاً رَّابِیَاً (ط) وَ مِمَّا یُوقِدُونَ عَلَیهِ فِی النَّارِ ابتِغَآءَ حلیَةٍ اَو مَتَاعٍ زَبَد" مِثلُه کَذَالِكَ یَضرِبُ اللّٰهُ الحَقِّ وَالبَطِلَ (ط) فَاَمَّا الزَّبُدَ فَیُذهَبُ جفَآءً (ج) وَ اَمَّا مَا یَنفَعُ النَاسَ فَیمکُثُ فِی الاَرضِ کَذَالِكَ یَضرِبُ اللّٰهُ الاَمثَالِ (ط)......(الرعد 17،18)

جب اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو ندی نالے بقدرِ گنجائش بہہ نکلے اور جس قدر کوڑا کرکٹ تھا جھاگ بن کر اوپر آ گیا پھر اسے سیلاب اٹھا کر لے گیا اسی طرح جنہیں زیورات بنانے کیلئے آگ میں تم پگھلاتے ہو اس میں بھی جھاگ اٹھتا ہے اور میل کچیل کٹ کر نکل جاتا ہے، اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال دیتا ہے جھاگ رائیگاں جائے گا (کیونکہ نفع بخش نہ تھا) اور جس چیز میں نفع ہوتا ہے وہ باقی رہ جاتی ہے، اللہ اسی طرح تمثیلیں پیش کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں دی ہیں۔حق کو پانی سے مثال دی ہے اور باطل کو کوڑا کرکٹ سے۔دوسری مثال میں حق کو قیمتی دھات سے اور باطل کو میل کچیل سے مثال دی ہے۔ان تشبیہات سے جو نتائج مستنبط ہوتے ہیں وہ یہ ہیں

1......حق بارش کے پانی کی طرح ہے اس لیئے یہ زندگی اور بقا کا ناگزیر ذریعہ ہے اور نشو ونما کیلئے وسیلہءِ آخر بھی ہے۔

2...... پانی کی طرح حق پر بھی گلستانِ حیات کی بہار اور حسن و بقا کا دارو مدار ہے اور حیاتِ متعلقاتِ ارض کی بقا اسی سے وابستہ ہے۔

3......زندگی ،نشو ونما، ارتقاء اور حسن آفرینی چونکہ ارتقائی افعال ہیں اس لیئے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ زندگی کا حسین ارتقاء بھی حق سے وابستہ ہے۔

4...... یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سیلِ حوادث میں حق ،کوڑا کرکٹ کی مانند

فنا نہیں ہوتا بلکہ پانی کی طرح اس کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے اور حق قائم رہتا ہے۔

5 ...... یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حق میں ثبات و دوام تو ہے مگر اس میں جمود نہیں ہے اور حق ایک مستقل اور دوامی حرکت کا حامل ہے۔

6 ...... یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حق کی افادیت بلا امتیاز مذہب و ملت تسلیم شدہ ہے یعنی اگر حق کو قانونِ کلی بنا دیا جائے تو کسی بھی مذہب و ملت کا فرد اس کو ناپسند نہیں کرے گا بلکہ خدائے برحق کے منکرین بھی اس کی افادیت سے انکار کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

اور دوسری مثال جو حق کیلئے پیش کی گئی ہے وہ ہے زرِ خالص کی۔ تو اِس مثال سے بھی چند نتائج مستخرج ہوتے ہیں۔

1 ...... ثابت ہوتا ہے کہ حق عالم حیات کی تزئین و تحسین کی ایسی شئے ہے جو قائم بالذات ہے۔

2 ...... یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حق میل کچیل کی طرح بے فائدہ نہیں، بے اصل و عارضی شئے نہیں، بلکہ مفید اور اصلیت کی ٹھوس شئے ہے۔

3 ...... یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ حق کو آزمائشوں میں مسلسل ڈالا جاتا ہے تو صرف اس لیئے کہ اس میں شامل اجزائے ناقصہ کو دور کیا جائے اور اس میں صرف خالص حق جدا کیا جائے۔

مشاہدات بتاتے ہیں کہ حق سے باطل ہمیشہ برسرِ پیکار رہا ہے اور وقتی طور پر اکثر

اوقات اِسے غلبہ بھی حاصل ہو جاتا ہے اور حق بظاہر مغلوب نظر آتا ہے جیسے صلح حدیبیہ میں بعض اصحاب نے شرائط مغلوبہ قبول کر لینے پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اظہارِ ناراضگی بھی کیا تھا اور کچھ لوگوں کو نبوت ورسالت پر شک ہونے لگا تھا اسی طرح مولا امام حسنؑ علیہ الصلواۃ والسلام کی صلح میں بظاہر باطل غالب نظر آتا ہے اور سانحہ کربلا میں تو بظاہر واضح غلبہ باطل کو حاصل ہوا تھا تو اسی طرح کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

مگر اللہ نے اس مثال سے یہ مسئلہ بھی حل فرما دیا ہے کہ حق بارش کے پانی کی طرح ہے اور جب یہ ندی نالوں میں بہہ نکلتا ہے تو کوڑا کرکٹ اس پر چھا جاتے ہیں اور پانی کے اوپر آکر اسے ڈھانپ لیتے ہیں یہ کوڑا کرکٹ کا غالب آنا دراصل غلبہ نہیں ہے بلکہ یہ عارضی غلبہ ہے جسے سیلابِ حق چند لمحات میں بہا کر لے جاتا ہے

☆جَاءَ الحَقُّ وَ زَهَقَ البَطِلُ اِنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

(سورہ بنی اسرائیل)

یعنی جب حق آ جاتا ہے تو باطل چلا جاتا ہے کیونکہ باطل تو ہے ہی جانے والا۔

تاریخ کی اوراق گردانی کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حدیبیہ کے مغلبہ شرائط نے کس طرح ایک سال میں باطل کے کوڑا کرکٹ کو بہا کر نابود کر دیا، سیلِ حق کے سامنے باطل کے کوڑا کرکٹ کے پہاڑ کس طرح بہہ گئے۔

کربلا میں بظاہر فاتح جماعتِ باطل حق کے سیلاب کے سامنے کس طرح ذلیل وخوار

اور رُسوا ہوئی۔ انہیں فتح کے چند نعروں کے سوا کیا حاصل ہوا، تاریخ عالم اور ضمیر کائنات آج تک اُس باطل جماعت پر مسلسل لعنت برسا رہی ہے۔ یہ غلبہ خس و خاشاک کا سطحِ آب کو ڈھانپ لینے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

ہاں یہی کچھ آدم علیہ السلام سے تا ایں دم موجود ہے باطل غالب نظر آتا ہے تو اس عارضی فتح وغلبہ کو مستقل اور دائمی غلبہ کہنا خلافِ عقل ہے۔

بنی اِسرائیل کے جان و مال وعزت و ناموس سے چار سو سال تک کھیلنے والے فرعون کا کیا انجام ہوا؟ بنی امیہ کے نوے 90 سال کے اقتدار و غلبہ کا عبرت ناک انجام کیا ہوا؟ بنی عباس کی صدیوں کی حکومت اور شاہانہ دبدبہ کا انجام ہلاکو خان کے ہاتھوں کیا ہوا؟ یہ خس و خاشاک سطحِ آبِ حق کو ڈھانپتے رہیں گے اور حق اپنی جملہ کامرانیوں کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے گا۔

اب مزید کچھ حق کی صفات سامنے آئی ہیں، اِسی طرح اگر ہم کلامِ اِلٰہی کی روشنی میں تلاشِ حق کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قرآن بھی حق ہے، جیسا کہ سورہ رعد میں ارشادِ قدرت ہے کہ

☆وَالَّذِی اُنزِلَ اِلَیكَ مِن رَبِكَ الحَقُّ وَ لٰكِنَّ اَكثَرَ النَّاسِ لَا یُومِنُونَ...... (1)

یعنی جو کچھ تمہارے پروردگار کی جانب سے نازل ہوا ہے یہ عین حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں۔

یعنی قرآنِ مقدس میں بھی صفاتِ حق موجود ہیں، یہ بھی ثبوت و قیام وحسن وارتقاء

وغیرہ کا حامل ہے اب انہی صفات کے پیشِ نظر خالق نے تخلیقِ کائنات اور اس کائنات کی اچھائیوں کے پیشِ نظر ایک اصطلاح استعمال فرمائی ہے یعنی ''تخلیق بالحق''، یعنی جو چیزیں ان صفاتِ حق کی حامل ہیں وہ تخلیق بالحق ہیں جیسا کہ ارشادِ ہے۔

☆وَمَا خَلَقنَا السّمٰواتِ وَ الاَرضَ وَمَا بینَهُمَا اِلّاَ بِالحَقِّ

(سورہ حجر 85)

یہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین جو بھی ہے یہ ہماری تخلیق بالحق ہے

پھر ایک اور مقام پر فرمایا

☆وَمَا خَلَقنَا السَّمآءَ وَ الاَرضَ وَمَا بَینَهُمَا لٰعِبِینَ (سورہ الانبیاء 16)

فرمایا تخلیق کارِ مطلق نے ارض وسما کو کھیل نہیں بنایا کیونکہ فنکارِ ازل کیلئے لہو ولعب کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟

جبکہ عام فنکار بھی اپنا فن پارہ کھیل کے طور پر تشکیل نہیں دیتا بلکہ یہ کائنات اور اس کے مابین جو کچھ ہے وہ صفاتِ حق سے مزین ہے اور اس کا ہر ایٹم مقصدیت سے بھر پور ہے، جس طرح اللہ خلاقِ کائنات ہے اسی طرح موجود کائنات بھی عین حق ہے، پھر صفاتِ حق میں سے ہے کہ اس سے صرف حق ہی تخلیق ہوتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ حق تخلیق باطل میں مصروف ہو، حق سے ہمیشہ حق ہی صادر ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔

☆ قُلْ جَاء الْحَقُّ وَمَا يُبْدِءُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ......(سورہ السباء 49)

یعنی فرما دیں کہ جب حق آ جاتا ہے تو اس سے باطل پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی سابقہ باطل کا وہ اعادہ فرماتا ہے......مثلاً

جب ایک فردِ حق برسرِ منبر آتا ہے تو فرماتا ہے کہ آج حق اپنے اصل مقام پر آیا ہے تو باطل کے آنے کے امکانات کو ختم ہوتا دیکھ کر اہل باطل کہتے ہیں کہ جو باطل کی سابقہ فردیں جامہِ حق میں رہی ہیں ان کی سیرت پر چلنا ہوگا تو حق فوراً انکار کر دیتا ہے کیونکہ

☆ قُلْ جَاء الْحَقُّ وَمَا يُبْدِءُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ......(سورہ السباء 49)

نہ تو حق سے باطل کا بدا ہوتا ہے اور نہ اعادہ۔ حق تو خود ایک حقیقت ہے جو غیر متبع ہے کیونکہ حق قابل اتباع ہے نہ کہ باطل، کیونکہ قرآن بھی حق ہے اسی لیئے اسے کسی دوسری کتاب کے پیچھے کھڑا نہیں کیا جا سکتا۔

کلامِ مقدس میں حق کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ وہ کسی کی اتباع نہیں کرتا

☆وَلَو اِتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاء هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ......(71)

اور اگر حق ان کی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرے تو یقیناً آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے سب کچھ برباد ہو جائے، بلکہ ہم تو اُن کے پاس (ذکر) نصیحت لائے ہیں، پھر وہ اپنی ہی نصیحت (ذکر) سے منہ پھیرنے والے ہیں۔

کیونکہ حق میں تضادات نہیں ہیں، ایک جامع ہم آہنگی ہے، وحدت ہے، اور اگر حق

میں تضادات پیدا ہو جائیں تو فساد فی الکائنات ہو جائے اور تباہی و بربادی لازمہِ تضادات و فساد ہے۔ اس حقیقت کو ایک جاہل سے جاہل آدمی بھی جانتا ہے کہ اجتماعِ نقیضین سے فریقین کا وجود نہیں رہتا جیسے سرخ رنگ اور غیر سرخ رنگ کی آمیزش سے دونوں رنگ نہ رہیں گے، اگر کفر اور اسلام کو آپس میں ملا دیا جائے تو نہ خالص کفر رہے گا نہ اسلام، بلکہ ان دونوں سے پست کوئی چیز پیدا ہو جائے گی، جیسے نفاق ہے جو ان دونوں سے پست ہے۔

اس لیئے خالق نے اپنے وجود کے اثبات میں جو دلیل دی ہے وہ یہی ہے کہ اگر اس کائنات میں دو اللہ ہوتے تو اس میں فساد پیدا ہو جاتا۔ اس لیئے حق کا وجود ہی قابلِ اتباع ہے، اور حق اگر اتباعِ غیر کا مرتکب ہو تو فساد فی العالمین کے سوا کچھ ظاہر نہ ہو، اسی لیئے سرکار امیر المومنین علیہ الصلواۃ والسلام نے جناب کمیل بن زیاد سے فرمایا تھا

☆ یا کمیل نحن واللہ الحق الذی قال اللہ تعالیٰ

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ...... (سورہ المومنون 71)

بحوالہ بحار الانوار جلد ۱۷...... تحفۃ العقول...... نہج البلاغہ

فرمایا اے کمیل ابن زیاد! اللہ کی قسم وہ حق ہم ہیں کہ جن کے بارے میں خالق نے فرمایا ہے کہ اگر حق ان کی خواہشاتِ نفس کی پیروی شروع کر دے تو آسمانوں اور زمین میں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے فاسد و

برباد ہو جائے۔

اس فرمانِ مقدس میں لفظ (نحن) قابل غور ہے جس کے معنی ہیں ''ہم'' جن کی زبان پاک پر ویسے بھی شک کرنا کفر ہے وہ ذات اللہ کی قسم اُٹھا کر فرما رہی ہے کہ ''ہم'' یعنی چہاردہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام وہ حق ہیں کہ جس پر کسی کی اتباع و بیعت کرنا کائنات کی تباہی کا موجب ہے، یہی وجہ تھی کہ جب سب سے پہلے اپنے منبر کو زینت بخشی اور ظاہری حکومت کے حصول کے بعد پہلی مرتبہ منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرف بخشا تو فرمایا۔

☆ الحمد لله علىٰ احسانه قد رجع الحق الىٰ مكانه

کہ اللہ کی حمد ہے اس احسان پر کہ آج حق اپنے مقام پر واپس آیا ہے

اس فرمان کے بعد سابقہ حکومتوں پر روشنی ڈالنا یا ان کی رائے معلوم کرنا بے سود نظر آتا ہے کیونکہ ہمارا طرزِ بیان ایجابی ہے سلبی نہیں، بہرحال اتنا تو معلوم ہو ہی جاتا ہے کہ خاندانِ تطہیر علیہم الصلواۃ والسلام میں حق کی جملہ صفات موجود ہیں، ان کا نور ایک ثابت، قائم، واقعی، اٹل اور انمٹ ہے جو حسنِ کامل ہے اور اللہ کی حقیقت کا مظہر ہے۔ اسی لیئے تو شہنشاہِ ممکنات تاجدارِ انبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

☆ اَلحَقُّ مَعَ العَلِیِّؑ وَ عَلِیٌّؑ مَعَ الحَقّ

تو اس حدیث پاک سے ثابت ہے کہ سرکار امیرِ کائنات علیہ الصلواۃ و السلام کی حق سے معیت کلی ہے، ممکن ہے کوئی شخص یہ سوچے کہ یہاں حق اور ان کی

ذات اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تفریق موجود ہے، یہ خیال عبث ہے، یہ معیت احاطی ہے کہ ان کی ذات حق سے محیط ہے نہ کہ حق کے وجود کے ساتھ ان کا وجود موجود ہوتا ہے، اگرچہ ہمارے لیئے دونوں صورتیں قابل قبول ہیں مگر مستحسن و حقیقی صورت مقدم الذکر ہے اب ایک مرتبہ پھر اس حدیث کی روشنی میں نتائج پر نظر ڈالتے چلیں کہ اللہ تعالی نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حق فرمایا ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ علی علیہ الصلوٰۃ والسلام حق کے ساتھ ہیں تو ثابت ہوا کہ علیؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ معیت کلی رکھتے ہیں، چاہے نبی سفر میں ہوں یا گھر میں، جنگ میں ہوں یا عبادت میں، وجود ظاہری میں ہوں یا وجودِ حقیقی و ازلی میں۔ یہ معیت بتا رہی ہے کہ سرکار امیرِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر جگہ ان کے ساتھ ساتھ ہیں......انہوں نے فرمایا کہ

☆ كُنتُ نَبِيًا وَّ آدَمَ بَينَ المَآءِ وَ الطِينَ ( )

میں بھی تب سے نبی ہوں جب سے جناب آدم مراحل آب وگل میں تھا

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اوّلیت حق ہے تو ان کی معیت بھی حق ہے، اب یہ تو عقل وشعور کی تلاش پر مبنی ہے کہ وہ سرورِ دو جہاں مالکِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کہاں کہاں تلاش کر سکتے ہیں، بہرحال جہاں وہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں وہاں یہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، وہ فرش پر ہیں تو یہ ساتھ ہیں، وہ عرش پر ہیں تو یہ ساتھ ہیں۔ اب یا تو ان کے حق ہونے سے انکار کر دو یا پھر انہیں معراج میں شریک سمجھ لو جو بات عقل قبول کرے وہی مان لو، اسی طرح جملہ انبیاء علیہم السلام بھی

برحق تھے یعنی حق کے ساتھ تھے، اس بات کا ثبوت کس کس آیت سے دوں اختصار کے پیشِ نظر اتنا ہی کافی ہے کہ اگر نبی برحق نہ تھے تو کیا باطل پر تھے؟ (نعوذ باللہ)۔ ہر شخص ان کے حق ہونے پر متفق ہے تو اب جناب آدم علیہ السلام سے جناب عیسیٰ علیہ السلام تک مسلسل حق نظر آ رہا ہے پھر جہاں حق ہے وہاں سرکار امیرِ کائنات علیہ الصلواۃ والسلام موجود ہیں، اب کسی دور کو بھی آپ یا تو حق سے خالی کر دیں یا پھر سرکار امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام اور جملہ پاک خاندانِ تطہیر علیہم الصلواۃ و السلام کی موجودگی کو تسلیم کریں، تیسری صورت یہی ہے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انکار کر دیں، مگر انکار سے پہلے یہ بھی سوچنا ہوگا کہ اس کے جملہ روات کے سلسلے پر کذب کی تہمت لگا کر مستحقِ لعنت قرار دینا پڑے گا (نعوذ باللہ)۔

اہلِ تشیع میں تو یہ بات لازمی سمجھی جاتی ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو اسے قبر میں سلا کر تلقین پڑھی جائے، جملہ ابتدائی کتب میں تلقین لکھی ہوئی ہے، اس کے چند فقرے ہیں جن میں حق کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ کیا کیا چیز حق ہے اس کا ایک فقرہ یہ ہے کہ

☆ اِنَّ المَوتَ حَق" کہ موت بھی یقیناً حق ہے، اس کی واقعیت سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا، یہ ایک اٹل حقیقت ہے

اب غور کریں کہ موت حق ہے اور حق کے ساتھ مولا علی علیہ الصلواۃ والسلام ہیں تو گویا موت کے ساتھ بھی ان کا وجود ثابت ہو گیا، اب مرنے والوں کی تعداد فی سیکنڈ عالمی اعداد وشمار سے معلوم کر لیں کہ پوری دنیا میں فی سیکنڈ کتنے لوگ مرتے

ہیں اور اس بات کا اندازہ خود لگا لیں کہ دنیا کے مختلف گوشوں میں بیک وقت ہزاروں لوگ مر رہے ہیں اور جو ہر شخص کے سرہانے موجود ہے وہ حاضر و ناظر نہیں تو کیا ہے؟ اب اس بات کے اثبات پر کوئی حدیث طلب کرنے والے خود کتب کی اوراق گردانی کریں۔

میں حدیثِ حارث ہمدانی کا حوالہ دوں یا حدیثِ رمیلہ کا؟ یہ احادیث بیسیوں کتب میں موجود ہیں، حدیثِ رمیلہ جو بہت سی کتب میں ہے اس میں امیرِ کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے جناب رمیلہ سے فرمایا تھا کہ کسی بھی مومن کو کسی بھی مقام پر کوئی تکلیف لاحق نہیں ہوتی مگر ہم اسے محسوس کرتے ہیں، وہ بیمار ہوتا ہے ہم دعا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ تلقین کا دوسرا فقرہ ہے کہ

☆ وَ سوال منکر و نکیر فی القبر حق

ہر مرنے والے سے ابتدائی سوالات قبر میں ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف سے معین کردہ فرشتے آ کر پوچھتے ہیں مثلاً

☆ من ربك، من نبيك، من امامك، من كتابك وغیرہ یعنی سوال ہوتا ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو تلقین میں اسے جواب تعلیم کیا جاتا ہے کہ

☆ قل فی جوابهما کہ ان دونوں کے جواب میں کہنا کہ اللہ جل جلالہ میرا رب ہے اور دوسرا سوال ہوگا کہ تمہارا نبی کون ہے؟ تو کہنا کہ سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میرے نبی ہیں اور آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام کی امامت کی تعلیم دی جاتی ہے تو فرمایا کہ یہ سوالات و جوابات حق ہیں، اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حق ہو اور

امام حق موجود نہ ہو، تو یہاں بھی وجودِ آئمہ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام ثابت ہو جاتا ہے ۔اسی طرح صراط حق ہے ، میزان حق ہے ، تطائر کتب حق ہے، بعثت حق ہے، نشور حق ہے، جنت حق ہے ۔ یہ ایک طویل سلسلہ بیان ہے کہ کیا کیا حق ہے ۔

اب جہاں جہاں حق ثابت ہوتا چلا جائے گا وجودِ ہادیِ برحق ثابت ہوتا چلا جائے گا، تو اتنی چیزوں کے ساتھ معیت نورِ خاندانِ تطہیر علیہم الصلواۃ والسلام ثابت ہے تو اس طرح اگر ان کی معیت کلی کو احاطی تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان کا جگہ جگہ پہنچنا اور ایک جسم کا متعدد مقامات پر ہونے کے عقلی دلائل سے الجھنا پڑے گا، جیسے سمندر اپنی سمندری مخلوق سے محیط ہوتا ہے یعنی جو مچھلی جہاں پر بھی تیرتی ہے سمندر اس کے ساتھ ہوتا ہے، اب لاکھوں کروڑوں اربوں کھربوں مچھلیوں کے ساتھ اگر سمندر کا وجود ثابت ہو جائے تو عیب نہیں، اگر نورِ الٰہی یعنی نورِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ثابت ہو جائے تو کیا عیب ہے؟

اب ہوا ہے تو ایک وجودِ واحد ہے اور پوری دنیا پر ہمہ وقت موجود ہے، آکسیجن ہے تو وہ بھی ہر مقام پر موجود ہے ۔ اثیر (Ether) ہے تو اس کا وجود بھی پوری دنیا پر ثابت ہے، ایسی ہزاروں چیزوں کا وجود بیک وقت امکنہءِ متعددہ پر ثابت کیا جا سکتا ہے اور اگر ☆ اول ما خلق اللہ نوری کی مصداق نوریت کا وجود ثابت کر دیا جائے تو ماہرین معقولات کیونکر بگڑتے ہیں؟ حالانکہ عقیدۂ تکوین میں اللہ اور کائنات دو متخالف حدود ہیں، ایک خالق ہے ایک مخلوق ،فکرِ صحیح اس تخالف کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہے کیونکہ اگر محدود لا محدود کے باہر ہو تو لا محدود خود محدود ہو

جائے گا اوراس کی تحدید کے بغیر محدود کو لامحدود سے باہر ثابت نہیں کیا جا سکتا، جیسے دائرے کے محیط سے مرکز کو باہر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ صادرِ اول متعدد نہیں ہو سکتے اور جو صادراول ہوگا وہ لامحدود تو نہیں ہوگا مگر صوادرِ مؤخرہ سے محیط ضرور ہوگا کیونکہ وہ لامحدود کے انتہائی قریب ہے اور قربتِ لامحدود سے وہ بھی دائرہ امکان میں لامحدود بالغیر ہوگا اوراس کی یہی آفاقیت ہی حق ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حق جو ایک آفاقی سچائی ہے اور غیر مرئی یعنی نہ نظر آنے والی قوت ہے اور ساتھ ہی وہ کائنات کے ذرے ذرے میں موجود و محیط بھی ہے اور بحثیت مظہریت اللہ کی طرح ہر جگہ پر موجود ہے تو کیا وہ روحانی قوتِ برقیہ ہے یا اس کا کوئی مرئی وجود بھی ہے کہ جسے دیکھا جا سکے؟

تو اس کا جواب سورہ بنی اسرائیل میں موجود ہے ارشادِ قدرت ہے کہ

☆ جَآءَ الحَقُّ وَ زَهَقَ البَاطِلُ اِنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقَا ( )

یعنی حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا کیونکہ باطل تو ہے ہی نابود ہونے والا۔

یعنی حق لافانی ہے جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے اور باطل بے سود و فانی ہے، حق پر عدم کا اطلاق کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ جیسی لافانی ذات نے بھی اپنے لیئے ایک نام حق پسند فرمایا ہے اوراس آیت میں حق کے آنے کا ذکر ہے یہ آنا جانا بتا رہا ہے کہ ایک ایسی ہستی ہے جو حق ہے اور جس نے اظہار پذیر ہونا ہے، آنے سے اس کی موجودگی کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس کا موجود ہونا تو لفظِ حق سے ثابت ہے، اور لفظِ جآءَ

سے اس کا اظہار مراد ہے، اسی لیئے تو الفاظ میں صیغۂ ماضی کو لایا گیا ہے دیکھئے جَآ ءَ یعنی آچکا ہے یا آیا ہے، لیکن اظہارِ حق مستقبل یا مواقع کے ساتھ ہونا ہے، اس لیئے معانی میں مستقبل مراد لیا جاتا ہے۔

جیسے موت کو حق فرمایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ موت موجود تو ہے مگر اظہار پذیر نہیں ہے، جیسے موت پورے گھر میں سے ایک آدمی پر ظاہر ہوتی ہے یا واقع ہوتی ہے، اس طرح حق عام حالات میں کسی ایک فرد پر واقع ہوتا ہے، اب خاص حالات میں موت پورے شہروں پر واقع ہو جاتی ہے جیسے ہیروشیما یا ناگاساکی وغیرہ ہیں تو اسی طرح خصوصی حالات میں حق بھی پورے شہروں پر اظہار پذیر ہوتا ہے، امکانی حالات میں آج دنیا نے وہ بم بنا لیئے ہیں کہ سات منٹ میں موت کو پوری دنیا پر واقع کیا جاسکتا ہے، اسی طرح حق میں بھی یہ قوت ہے کہ وہ شبِ واحد میں پوری دنیا پر ظاہر ہو جائے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ لفظ جَآ ءَ سے موجودگی کی نفی نہیں ہوتی ظہور کی نفی ہوتی ہے اور عدم ظہور سے عدم وجود ثابت کرنا کم عقلی ہے۔

جیسا کہ حدیث معیت کے حوالہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ انوار مقدسہ حق کے ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں اور ان کی معیت کلی ہے، جیسا کہ آگ کے ساتھ حرارت کی، پانی کے ساتھ نمی کی، سیاہ کے ساتھ سیاہی کی، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ سیاہ ہو اور سیاہی نہ ہو، پانی ہو مگر نمی نہ ہو، آگ ہو اور اس میں حرارت نہ ہو، یہ علیحدہ بات ہے کہ حق کے واقع ہونے تک ادراکِ حق نہ ہو سکے مثلاً جس شخص نے کبھی آگ نہ دیکھی ہو

اسے اس کی حرارت کا ادراک بھی نہ ہو گا جب آگ اس پر واقع ہو گی تو ادراکِ حرارت کا حصول بھی ہو گا۔قرآنِ مقدس میں ارشاد ہے۔

☆وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ......(سورہ ق19)

اور موت کی بے ہوشی (سکرات) حق کے ساتھ آ گئی، یہی ہے وہ جس سے تو کنارہ کیا کرتا تھا۔

یعنی موت کی غشی تنہا نہیں آتی بلکہ حق کے ساتھ آتی ہے جب حق آتا ہے تو موت کی غشی طاری کر دی جاتی ہے، یا یوں سمجھ لیں کہ سکراتِ موت ایک اہتمام ہے کہ مرنے والے کے سرہانے حق نے آنا ہے اور احکاماتِ قبضِ روح صادر فرمانا ہیں اس لیئے مرنے والے کو بے زبان کر دو کہ کسی کو بتلا نہ سکے، تو یہاں بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ موجود تو پہلے ہی تھا اب صرف ظاہر ہونا ہے اسی لیئے اللہ نے فرمایا کہ ☆ جَآءَ الْحَقُّ یعنی حق نے ظاہر ہونا ہے پھر حق کا صرف ظاہر ہونا ہی کافی نہیں ہوتا اسے پہچاننا بھی ضروری ہوتا ہے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ حق ظاہر ہو مگر کوئی فرد اسے پہچان نہ سکے، جیسا کہ کفار کے بارے میں ارشادِ قدرت ہے کہ

☆ بَل اَكثَرُهُم لَا يَعلَمُونَ الحَقَّ فَهُم مُّعرِضُونَ......(سورہ انبیاء24)

لیکن اکثر لوگوں کو حق کا علم نہیں پس وہ روگردان ہیں

یعنی حق کو نہ پہچاننا روگردانی کے مترادف ہے، ایک صورت یہ بھی ہے کہ حق ظاہر ہو لوگ پہچان بھی لیں کہ یہ حق ہے مگر پھر بھی اس پر ایمان نہ لائیں، اس صورت کی بھی

خالق نے کلامِ الٰہی کی سورۂ رعد میں نشاندہی فرمائی ہے ارشاد ہے کہ

☆وَ الَّذِی اُنزِلَ اِلَیکَ مِن رَبِّکَ الحَقُّ وَلٰکِنَّ اَکثَرَ النَاسِ لَا یُومِنُونَ......(1)

(اے رسول) اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے یہ حق ہے لیکن اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

یعنی پہچانتے ہیں کہ یہ حق ہے پھر بھی اس پر ایمان نہیں لاتے۔ پھر ایک صورت یہ بھی ہے کہ اظہارِ حق ہو، لوگ پہچان بھی لیں کہ یہ حق ہے، مگر پھر بھی نفرت و کراہت کا اظہار کریں جیسا کہ

☆ بَل اَکثَرُھُم لَا یَعلَمُونَ الحَقَّ فَھُم مُّعرِضُونَ......(سورہ انبیاء24)

بلکہ وہ رسول ان کے پاس حق کے ساتھ ظاہر ہوا ہے اور اکثر لوگ حق سے نفرت اور کراہت کرتے ہیں، اس آیت میں ایک اور بات بھی منتج ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ (حق) تھا، لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نہیں بلکہ صرف حق کے خلاف تھے، اب یہ فیصلہ خود کرلیں کہ وہ حق کون تھا اور کون تھے وہ افراد جنہیں صرف حق سے عداوت تھی، رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نہیں، انہیں کے بارے میں خالق نے فرمایا

☆وَ مَن اَظلَمُ مِمَّنِ افتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِباً اَو کَذَّبَ بِالحَقِّ لَمَّا جَآءَ ہُ ......(سورہ عنکبوت68)

اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر افتراء کیا ہوا اور پھر جب حق

اس پہ ظاہر ہوا تو اس نے حق کو جھٹلا دیا۔

حق کی چند صفات اور سامنے آئی ہیں کہ حق غیب بھی ہوتا ہے اور ظاہر بھی، ظاہر ہونے کی صورت میں پہچانا بھی جا سکتا ہے یا نہیں بھی پہچانا جا سکتا، پہچانے جانے کے باوجود ضروری نہیں کہ لوگ اس پر ایمان لائیں تصدیق کریں وغیرہ وغیرہ تو اللہ نے اس کے اظہار کا ایک آخری اور واضح دور بھی بتا دیا ہے کہ فرمایا

☆جَآءَ الحَقُّ وَ زَھَقَ البَاطِلُ .... الخ

یعنی حق جب ظاہر ہوگا تو باطل نابود ہو جائے گا

تو یہاں اظہار جزی نہیں بلکہ اظہار کلی مراد ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

☆وَجَاء رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفّاً صَفّاً .... (22)

کہ جب تمہارا رب آئے گا تو ملکوت صف در صف اتریں گے

تو یہاں بھی لفظ (جَآءَ) آیا ہے جس کے معنی ہیں کہ موجود تو ہے لیکن ظاہر ہونا باقی ہے، یہاں رب سے مراد رب العالمین نہیں بلکہ مربیِ ارض عجل اللہ فرجہ الشریف مراد ہیں اور جاء الحق سے بھی وہی مراد ہیں کیونکہ آیت میں ایک نشانی موجود ہے کہ رب کے ساتھ نزولِ ملکوت ہوگا، اس نشانی کو ہم جب تلاش کرتے ہیں تو کلامِ مقدس میں ایک اور جگہ حق کی یہی نشانی بتائی گئی ہے ارشاد ہے۔

☆ مَا نُنَزِّلُ المَلٰئِكَةَ اِلَّا بِالحَقِّ وَمَا كَانُو اِ ذاً مُّنظَرِينَ ......(الحجر8)

ہم فرشتوں کو نازل نہیں کرتے مگر معیتِ حق میں اور اس وقت (کفار)

کو ذرا بھی مہلت نہیں دی جاتی۔

تو یہ ثابت ہوا کہ ہمارے امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ کی آمد کو خالق کائنات مختلف انداز سے بیان فرماتا ہے، اور جاء کے معنی اظہار و غلبہ کے ہیں، غلبہ کے معنی ہیں متصادم قوت کا دب جانا اور اظہار کے معنی ہیں قوتِ متصادمہ کا وجود ختم ہو جانا، اس لیئے خالق نے سورۂ انفال میں فرمایا

☆یُرِیدُ اللّٰہُ اَن یُّحَقَّ الحَقَّ وَ یُبطِلَ البَاطِلَ وَلَو کَرِہَ المُجرِمُون ......(8)

کہ اللہ نے مکمل ارادہ فرمالیا ہے کہ حق کو حق کر دے اور باطل کو باطل چاہے مجرمین کراہت ہی کیوں نہ کریں۔

اب یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ امامِ زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام کے خروج سے کراہت صرف مجرمین ہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دعائے تعجیل فرج نہ کرو، ان کا خروج عذاب اِلٰہی ہے، یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سرکار علیہ سلام کا خروج عذاب اِلٰہی ہے مگر صرف مجرمین کیلئے۔

یہ غیبت ایک گونہ رحمتِ اِلٰہی بھی ہے مگر مجرمین کیلئے جیسا کہ ایک مشہور واقعہ ہے جسے دیگر کتبِ غیبت کی طرح صاحبِ العبقری الاحسان نے بھی نقل کیا ہے

علامہ بیہانی اپنے وقت کے جید عالم اور مرجع الناس تھے اور وہ نجف اشرف میں حرم امیرالمومنین علیہ الصلواۃ و السلام میں نماز پڑھاتے تھے، ایک دن انھوں نے دورانِ وعظ فرمایا کہ امامِ زمانہ علیہ السلام کی غیبت ایک گونہ رحمت بھی ہے، اس پر

حرم کے خدام میں سے ایک خادم جو روزانہ ان کا مصلیٰ موزوں کرتا تھا اسے یہ بات ناگوار گزری اور دیگر لوگوں کے تیور بھی بگڑ گئے، علامہ موصوف کو وعظ درمیان میں ترک کرنا پڑا۔ (اختصار کے پیشِ نظر واقعہ کی صرف یاددہانی مقصود ہے)

غرض اس خادم نے ان کے مصلیٰ کو لپیٹا اور غصہ سے ان کے گھر میں پھینک آیا اور بہت سی گستاخانہ باتیں بھی کیں ۔رات کو اس خادم نے خواب میں دیکھا کہ سرکار علیہ السلام کا خروج ہو گیا ہے اور اسے سرکارؑ علیہ السلام نے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تمہارا مال درست نہیں فلاں چیز دراصل فلاں کی ہے،فلاں چیز فلاں کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہر چیز خواب میں پیش کرتا رہا حتیٰ کہ گھر کا سارا سامان غلط ہونے کی وجہ سے دے بیٹھا، پھر فرمایا یہ تمہاری بیوی دراصل تمہاری رضاعی بہن ہے جس کا تمہیں علم نہیں ہے لہٰذا یہ تم پر حرام ہے اسے فوراً چھوڑ دو،اس نے اسے بھی چھوڑ دیا، اس کے بعد فرمایا یہ تمہاری اولاد چونکہ تمہاری رضاعی بہن کے بطن سے ہے اس لیئے ناجائز ہے، یہ تلوار لو اور انہیں قتل کر دو۔

یہ بات اس خادم کو ناگوار گزری اور امامِ زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام کے حضور تلخ لہجہ اختیار کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ آپ تو (نعوذ باللہ) خاندانِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی خیر ہیں، جونہی یہ فقرہ ادا کیا بیدار ہو گیا اور توبہ توبہ کرتا ہوا اُٹھ بیٹھا، پھر سوچنے لگا کہ علامہ بہبہانی صاحب نے جو کچھ کہا بالکل صحیح کہا۔

رات ہی کو علامہ موصوف کے در پہ پہنچا اور دستک دی، علامہ بہت گھبرائے کیونکہ خائف تو پہلے بھی تھے مگر اس کی گریہ وزاری پہ دروازہ کھولا تو وہ فوراً پاؤں پہ گر گیا

اور خواب سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ اب سمجھو کہ غیبت ایک گونہ رحمت ہے، اور یہ میں نے اسی لیئے کہا تھا کہ نہ ہمارا مال درست ہے نہ اسباب، صدیوں سے میراث کی تقسیم غلط ہے، بادشاہوں نے مغصوبہ اراضی کو اپنے حاشیہ برداروں میں تقسیم کیا ہے اصل ملکیت درست نہیں، اولادیں درست نہیں اور سرکار علیہ الصلواۃ والسلام کے دورِ حکومت میں ہر چیز نے اصل مالکان تک جانا ہے اور مجرمین کیلئے ابدی ابدی عذاب کے دروازے کھلنا ہیں تو یہ غیبت مجرمین کیلئے رحمت نہیں تو کیا ہے اور اس سے مجرمین ہی کراہت نہ کریں گے تو کون کرے گا کہ عادلِ حقیقی آئے۔

کیونکہ امامِ زمانہ حجت ابن الحسن عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا دورِ حکومت دورِ حق ہے اور دورِ حق میں وجودِ باطل کا باقی رہنا ناممکن ہے، اسی لیئے امیرِ کائنات فخرِ ممکنات علیہ الصلواۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ

☆ و عقبها قائم الحق ثم اسفر عن وجهی بین اجنة الا قالیم کالقمر المضی الکواکب ...... الخ (مشارق)

علائمِ خروج بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ پھر ان کے بعد حق قائم ہو جائے گا پھر اس کے بعد میں اپنا چہرہ اقالیمِ عالم کو دکھاؤں گا جیسے ستاروں کی روشنی میں چاند طلوع ہوتا ہے۔

یعنی میری حکومت کے اعلان کے ساتھ جملہ حکومتیں کالعدم ہو جائیں گی یعنی حقیقی عدل وانصاف کی حکومت قائم ہو جائے گی، اس وقت سورۂ الانبیاء کی آیہ 18 کا یہ فقرہ ادا فرمایا جائے گا۔

☆بَل نَقذِفُ بِالحَقَّ عَلَی البَاطِلِ فَیَدمِغُہٗ فَاِذَا ھُوَ زَاھِقُ ؕ وَ لَکُمُ الوَیلُ مِمَّا تَصِفُونَ

فرمایا اس طرح ہم باطل پر حق کو دے مارتے ہیں کہ یہ اس کی کھوپڑی کے پرخچے اُڑا دیتا ہے اور باطل فنا ہو جاتا ہے، ویل ہے تمہارے لیئے کہ تم کیسے اوصاف بیان کرتے ہو۔

اولین و آخرین کے مجرمین کیلئے عذابِ عظیم تیار ہے اور منتقم حقیقی کی آمد ان کیلئے ایسے ہے جیسے ایک گرز گراں باران کی کھوپڑی کا گودا تک پیس کر رکھ دے گا، انشاء اللہ۔

آؤ ہم سب مل کر دعا کریں کہ وہ پر مسرت روزِ سعید جلد سے پہلے طلوع ہو کہ جس روز پاک منتقم حقیقی عجل اللہ فرجہٗ الشریف تمام مظلومین کائنات کے تمام دشمنوں کو اِتنی زیادہ سزا دیں گے کہ مظلومین کے قلب و جگر ٹھنڈے اور پرسکون ہو جائیں گے اور ملعونین اعداء کا اِس دنیا سے نام و نشان مٹ جائے گا کیونکہ انہیں ابدی اور دائمی سزا کیلئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس کی وجہ سے مظلومین اور اُن کے خیر خواہوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا یعنی انہیں اتنی زیادہ خوشیاں نصیب ہوں گی کہ جن کا اِس وقت تصور بھی محال ہے۔ انشاء اللہ

﴿آمین یا رب العالمین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

الطامسؐ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے طالبانِ دولتِ اسلام !

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم اپنا سفینہءِ بیان بحرِعرفان میں مسلسل کھیتے چلے جا رہے ہیں اور ایک ایک کر کے اسمائے حسنٰی کے جزائرخضرا کے اسرار کو جزوی طور پر دریافت کرتے چلے جا رہے ہیں اور آج ہمارے پیشِ بیان جو اسم مبارک ہے وہ ہے۔

الطامس عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

طامس کے ظاہری معنی ہیں'' مٹانے والا'' جب اس کے ساتھ آ ثار کی ترکیب بھی موجود ہوتو اس کے معنی ہوتے ہیں آ ثار کو جڑ کے آخری سرے تک کھود کر نکال پھینکنا، یا محو کر دینا وغیرہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے آپ کس چیز کو مٹانے والے ہیں؟ اس کیلئے ہم شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی زیارت میں یہ وضاحت پاتے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے

الطامسؑ آثار الزیغ والھوا عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

اس فقرے کے سرسری معانی ہیں کجی اور ہوائے نفس کے آ ثار کو مٹانے والے شہنشاہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف۔

اس میں تین الفاظ ایسے ہیں جو تشریح طلب ہیں ان میں سے یہاں میں شاید دو کے بارے میں عرض کروں گا کیونکہ'' آ ثار'' کی تشریح پہ میں ایک مجلس میں گفتگو کر چکا ہوں اس لیئے یہاں اس کا اعادہ نہیں کروں گا۔

جو دو الفاظ تشریح طلب ہیں ان میں سے پہلا لفظ ہے'' زیغ'' جس کے عام معنی ہیں کجی یا ٹیڑھا پن۔ یہ لفظ علم جمالیات کی ایک اصطلاح بھی ہے جس کے بارے میں پہلے ہی ایک خطبے میں بات کر چکا ہوں یہاں اسے جمالیاتی تناظر میں نہیں دیکھنا چاہتا بلکہ اس کے دیگر حوالے سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

زیغ جب آ نکھ سے متعلق استعمال ہوتو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کی چکا چوند دیکھ کر آ نکھوں کا خیرہ ہو جانا اگر یہ قلب کے ساتھ مرکب ہوتو اس کے معنی ہیں کسی کی

چیز سے مرعوب ہوکر فریفتہ ہو جانے سے حقیقت کو دریافت نہ کرسکنا یا قلب کی خیرگی اسی طرح جملہ حواسِ ظاہری و باطنی کا ادراک حقیقت سے عاجز رہ جانے کی وجہ سے غیر حقیقت کی طرف رِجھ جانا زیغ کہلاتا ہے علم المفردات کی اصطلاح میں زیغ کی تعریف یہ ہے

☆الزیغ المیل عن الاستقامة ...... یعنی زیغ ہوتا ہے کسی چیز پر قیام نہ کرسکنے کی وجہ سے دوسری طرف مائل ہو جانا۔ اس کی تشریح آگے کروں گا۔

دوسرا لفظ ہے ''ھویٰ'' اس کے بارے میں اپنی کتاب ''اسرار العبدیات'' میں کافی بحث کر چکا ہوں اور اس پر جناب ادیم نقوی نور اللہ مرقدہ اپنی کتب میں بہت ہی خوبصورت گفتگو فرما چکے ہیں، یہاں صرف اتنا عرض کروں گا کہ لفظ ھویٰ کے معنی ہیں خواہشات وشہواتِ نفس، یعنی نفس امارہ کی اطاعت میں ہونے والا ہر کام ہوائے نفس کے ماتحت شمار ہوتا ہے۔

دوستو! ...... جب ہم اس دور کا مشاہدہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آج ہوائے نفس اور زیغ قلوب وابصار کا ایک طوفان آ رہا ہے اور اس طوفان کی رفتار میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور یہ طوفان جو ہماری طرف بڑھ رہا ہے اس کی رفتار کو ہم محسوس نہیں کر رہے کیونکہ یہ طوفان اگرچہ بہت تیز رفتاری سے آ رہا ہے مگر یہ طوفان غیر محسوس طرح کا ہے، کیونکہ اس کے حوالے سے جو تبدیلیاں آ رہی ہیں اسے ہم فوری طور پر محسوس نہیں کر رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے جو چیز بھی ہمارے سامنے مسلسل مگر غیر محسوس قسم کی ہو ہم اسے جلدی محسوس نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے دماغ

کی محسوس کرنے کی صلاحیت کی بھی ایک حد ہے اس حد سے کم رفتار کی چیز کی حرکت کو ہم محسوس نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم اپنی گھڑی کی سیکنڈز والی سوئی کی حرکت کو محسوس کر سکتے ہیں جبکہ جو گھنٹے والی سوئی ہوتی ہے اس کی حرکت کو ہم محسوس نہیں کر سکتے جبکہ وہ بھی مسلسل حرکت پذیر ہوتی ہے، اسی طرح پیدا ہونے والے بچے کی صورت کا معاملہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے بچے کی شکل میں جو روزانہ تبدیلیاں ہوتی ہیں اسے محسوس نہیں کرسکتا کیونکہ وہ ایک غیر محسوس مگر تیز رفتاری سے تبدیلیاں ہو رہی ہوتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی انسان اپنے بچے کی ہر سال مووی بناتا رہے تو پھر وہ ان موویز کو دیکھ کر اندازہ کرسکتا ہے کہ اس کے بچے کی شکل گذشتہ سال کیا تھی اور اس سال کیا ہے۔

اسی طرح معاشرہ میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ بھی غیر محسوس طریقے سے ہوتی ہیں اور انہیں انسان جلدی محسوس نہیں کرسکتا جیسا کہ میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ پنجاب میں پانی والا نلکا آج سے سو سال قبل نہیں تھا اور ہمارے علاقے میں آج سے پچاس سال سے قبل کوئی نلکا نہیں تھا بلکہ پانی کا واحد ذریعہ کنواں تھا اس لیئے یا تو گھر میں ایک کنواں ہوتا تھا یا پھر باہر کے کنوؤں سے پانی لایا جاتا تھا مگر آج کی نسل کو معلوم ہی نہیں ہے کہ کنویں کیا ہوتے تھے، اسی طرح ضلع لیہ میں چینی 1947ء کے بعد متعارف ہوئی ہے اور اس زمانے میں اسے دیہاتی لوگ میٹھا نمک کہتے تھے ورنہ اس زمانے میں گڑ ہی ہمارے سوئیٹس میں استعمال ہوتا تھا اسی طرح معاشرتی تبدیلیاں آ رہی ہیں اور ہم انہیں سمجھ نہیں رہے۔

اس دور میں جس طوفان کی بدبو یا(Smell) میں محسوس کر رہا ہوں اس کی طرف ابھی تک ہمارے مذہبی لوگوں کی توجہ ہی نہیں گئی، اور علمائے کرام آپس کے جھگڑوں میں اور فروعی مسائل میں ایک دوسرے پر کفر وشرک کے فتوے دینے سے فراغت ہی نہیں پا رہے کہ وہ اس آنے والے طوفان کو سمجھ سکیں، جیسا کہ چین میں جب طوفان آیا تھا تو اس وقت چینی اور جاپانی آپس میں لڑ رہے تھے اور طوفان دونوں کی جان لینے آ رہا تھا اور انہیں معلوم بھی نہیں تھا کہ ہماری فتح وشکست کا تو اور ہی فیصلہ ہونے والا ہے یعنی اس جنگ میں دونوں ہار رہے ہیں اور جیت صرف طوفان کی ہونے والی ہے۔

اسی طرح ہمارے علمائے کرام آپس میں فتح اور شکست کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور انہیں معلوم بھی نہیں ہے کہ اس وقت مغرب کی طرف سے ایک طوفانِ ہوائے نفس اور الحاد وکفر وشرک وفسق وفجور کا ہری کین (Hurricane) بڑھ رہا ہے جو اس عالم اسلام کی اقدار وایمان کو بہا لے جانے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے، آج ہمارے سامنے جو کمپیوٹر نیٹ ورک (Computer Network) ہے یا جو ہمارے سامنے سیٹلائیٹ میڈیا(Satellite Media) کے نام پر جو ٹارنیڈو(Tornado) [برساتی طوفانی بگولہ] ہماری طرف آ رہا ہے اس میں کیا کیا برباد ہونے والا ہے، یہ فحاشی کا ایولانچ(Avalanche) جو ہمارے اوپر گرنے والا ہے، اس نے کس کس چیز کو پیس کر رکھ دینا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا اور نہ اس کی آمد کا کسی کو احساس ہے۔

یہاں تو فروعی مسائل پہ گالی گلوچ چل رہا ہے۔ عالمانہ گالیاں ایجاد ہو رہی ہیں،

محققانہ ابیوز(Abuse)[دشنام] پروڈیوس(Produce) کئے جارہے ہیں۔
جب کہ اس وقت ہمیں اس طوفان کے مقابلے کیلئے مل جل کر کام کرنے کی ضرورت ہے یہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے، اس آنے والے طوفان میں شرافت برباد ہوجائے گی، عصمت فنا ہوجائے گی ،خاندانیت نیست و نابود ہوجائے گی ،شریف زادیوں کی چادریں اُڑ جائیں گی، پردے جل جائیں گے، ایک مادرزاد آزادی ہمارے مسلمان اورشریف گھروں کی دیواریں گرادے گی اورابھی گرارہی ہے۔
اسلامی پردہ، عصمت ،شرافت، طہارت ، پاکیزگی، لذتِ مناجات، گریہ شب، احترام باہمی ،عزتِ بزرگاں ،شفقت پدری اور ماں کی مامتا یہ سب جل کر راکھ ہو جائے گا اورستم یہ ہے کہ ہم اس طرف دیکھ بھی نہیں پارہے۔

پردہ

دوستو!...... میں ہر قسمی تبدیلیوں کا یہاں ذکر تو نہیں کرسکتا بلکہ صرف شریف لوگوں کے حساس ترین موضوع یعنی پردے کے بارے میں ہمارے رویوں میں جو تبدیلی آئی ہے اس کے بارے میں اشارہ کرنا چاہوں گا۔
اس دور میں مثال دینے کیلئے میں دو پول قائم کرتا ہوں، ایک پردہ وہ ہے جو ہمارے سامنے آج افغان طالبان کے نام سے مشہور ہے یعنی عورتوں کا پوری طرح ڈھکا ہوا ہونا، اوران کے جسم کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہ ہونا، دوسری طرف سویڈش ویمن

رائیٹس(Swedish Women Rights) کی تنظیموں کا پردہ ہے کہ اس میں جسم پوری طرح لباس سے عاری ہوتا ہے، جیسا کہ آپ لوگ بھی جانتے ہیں کہ سویڈن کی ایک الیکشن اُمیدوار عورت نے پوری طرح لباس اُتار کر ایک ایک دروازہ پر جا کر کنویسنگ(Convincing) کی اور سب عورتوں سے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں اگر ہم برسرا قتدار آ گئے تو آپ کیلئے اسی طرح کی آزادی ہوگی کہ کوئی آپ کو لباس پہننے پر مجبور نہ کر سکے گا بلکہ آپ بھی اسی طرح گھومیں گی تو کوئی اعتراض کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکے گا۔

یعنی ہمارے سامنے مثال کیلئے دو انتہائیں موجود ہیں، ایک طرف پورے جسم پر لباس ہے، دوسری طرف لباس نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے، اس کے بعد ایران کا پردہ ہے جس میں باقی سارا جسم ڈھکا ہوا ہوتا ہے مگر چہرہ کھلا ہوتا ہے، اس کے بعد پاکستان کے وائیٹ کالر(White Collar) لوگوں کا پردہ ہے جس میں دوپٹہ سر پہ ہوتا ہے مگر کبھی کبھی سر سے سرک کر کاندھے پر آ جاتا ہے۔

اس کے بعد ہائی جینٹری(High Gentry) کا پردہ ہے جس میں دوپٹہ صرف نمائش کیلئے ہوتا ہے ورنہ اس کا سر سے کوئی تعلق ہوتا ہی نہیں ہے، اس کے بعد انڈیا کا پردہ ہے اس میں کمر اور چھاتی بھی کھلی ہوئی ہوتی ہے اس کے بعد آہستہ آہستہ کپڑا کم ہوتا جاتا ہے اور پھر کم ہوتے ہوتے بالکل مفقود ہو جاتا ہے۔

یہ ہے پردے کا عالم اور اس میں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی پردہ اور ہمارے قدیم شرفاء اور خاندانی لوگوں کا جو پردہ تھا وہ یہی طالبان والا پردہ تھا مگر وہ

جبراً نہیں تھا بلکہ اسے عزت اور وقار کی علامت مانا جاتا تھا اور شریف زادیاں اسے اپنی عظمت، وقار اور ڈگنٹی (Dignity) کیلئے اختیار کرتی تھیں اور وہ بے پردگی کو توہین سمجھتی تھیں، اس بے پردگی کو وہ گھٹیا حرکت تصور کرتی تھیں اس لیئے وہ پردے کی بہت پابند تھیں۔

دوستو!......ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ پردے کے بارے میں جو تبدیلی آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے قدیم پردے سے (جو طالبان جیسا پردہ تھا) سویڈش پردے کی طرف آہستہ آہستہ سفر جاری ہے اور ہر آدمی سویڈن کی طرف سرک رہا ہے مگر یہ سرکنے کا عمل غیر محسوس طریقے سے جاری ہے جس کا کوئی آدمی ادراک نہیں کر رہا ہے۔

کچھ چیزیں میری آنکھوں کے سامنے بدلی ہیں، میں نے سادات کے گھروں کا درخشاں ماضی دیکھا ہے، اس میں اگرچہ یہ مادی دولت، یہ مال وزر نہ تھا مگر روحانی دولت کے لحاظ سے سادات دھنوان تھے۔ جب سادات کے گھر سے مستورات سفر کیلئے روانہ ہوتے تھے تو عموماً سفر رات کو ہوتا تھا اور اس کے باوجود اونٹوں کے کجاوں پر سرپوش ہوتے تھے، راستوں سے آدمی ہٹائے جاتے تھے، ساربان محملوں کے آگے اس طرح چلتا تھا کہ اس کی پگڑی کا دامن اس کے ماتھے پہ اس طرح ہوتا تھا کہ اسے صرف راستہ نظر آتا تھا اور مستورات اس طرح کلام کرتے تھے کہ وہ ساربان بھی ان کی آواز نہ سن سکے۔

ہماری مستورات بزرگوں کی مزارات کی زیارت کو بھی رات کو جاتی تھیں، صبح کو دربار کے بزرگ متولی اپنی چادر سے ان کے قدموں کے نشان مٹاتے تھے، اگرچہ

وہ صرف جوتوں کے نشان ہی ہوتے تھے مگر وہ کہتے تھے کہ ان پر بھی کسی امتی کی نگاہ نہ پڑے۔اسی طرح کوئی حاملہ عورت بھی سادات کے گھروں میں نہیں جایا کرتی تھی کیونکہ اس کا امکان تھا کہ اس کے شکم میں کوئی لڑکا ہو اور لڑکوں کا داخلہ سادات کے گھروں میں منع تھا۔

آج بھی چند خوش نصیب خاندانی لوگ موجود ہیں کہ جن کے گھروں میں یہ روایات و مینرز (Manners) موجود ہیں مگر ان کی تعداد آئے دن گھٹتی جارہی بلکہ برق رفتاری سے گھٹ رہی ہے۔

دوستو! ...... میں عرض کر رہا تھا کہ مغرب سے ایک مادرزاد آزادی کا طوفان آرہا ہے اور ڈِش انٹینا(Dish Antina) نے پوری دنیا کے لائف سٹائل(Life Style) میں انقلاب برپا کردیا ہے، اس طوفان کو اگر ہم آسان لفظوں میں بیان کریں تو یہ جنسیات یعنی سیکس (Sex) کا طوفان ہے جس میں عورتوں میں (Lesbian Ism) لیزبین ازم کی تبلیغ ہورہی ہے یعنی عورتوں کو عورتوں ہی پر اکتفا کرنا سکھایا جارہا ہے اور مردوں میں ہوموسیکسویلٹی(Homosexulity) کا درس جاری ہے اور اس طوفان میں اسلامی اقدار کو بہالے جانے کی مکمل صلاحیت ہے کیونکہ جن بچوں نے ڈِش انٹینا کیبل نیٹ ورک کے سامنے آنکھ کھولی ہے ان میں کتابِ ضمیر کا وہ سبجیکٹ(Subject) جو فحاشی سے منع کرنے کے بارے میں ہوتا ہے وہ موجود ہی نہیں ہوتا...... یہ تو وہ زمانہ ہے کہ جس کے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ وہ بدترین زمانہ ہوگا۔

بدترین زمانہ

دوستو !...... یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس بدترین زمانے کا ذکر ہوا ہے وہ کس برس سے شروع ہوتا ہے؟ کس صدی سے شروع ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر دور کے بزرگ یہی کہتے ہیں کہ پرانا زمانہ بہت اچھا تھا اب تو کل یگ [بدترین] زمانہ ہے، یہ بات آج کی نہیں بلکہ جب مصر کے آثار قدیمہ کھودے گئے تو اس پر جو ہزاروں سال پہلے کی تحریر ملی تھی اس پر بھی لکھا ہوا تھا کے یہ بہت برا زمانہ ہے اور نوجوان برائی کی طرف بڑھ رہے ہیں اور آج ہزاروں سال بعد بھی ہم وہی کچھ دُہرا رہے ہیں جو ہر نسل کے بزرگ کہتے رہے ہیں، اور یہ ایک معمول ہے کہ ہر جانے والی نسل کو آنے والی نسل برائی کی طرف مائل نظر آتی ہے اور نوجوان نسل اسے برائی نہیں کہتے بلکہ اس کیلیئے ایک ٹرم استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ برائی نہیں جنریشن گیپ (Generation Gap) ہے ۔اس لیئے ہمارے لیئے یہ معلوم کرنا کہ کون سا زمانہ کل یگ [بدترین زمانہ] ہے ذرا مشکل ہے اس کا کوئی حتمی جواب تلاش کرنا محال ہے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ جس برے زمانے کا ذکر ہوا ہے وہ زمانہ ہزار سال بعد ہو۔

دوستو!...... یہ ایک حقیقت ہے کہ جملہ مذاہب نے ایک زمانے کے بارے میں کہا ہے کہ وہ آخری زمانہ ہوگا جو بدترین زمانہ ہوگا جس کے بعد اظہارِ حق ہونا ہے۔

اس زمانے کی چند علامات بھی ہر مذہب کے مقدس بانیان نے بیان فرمائی ہیں

جیسا کہ بدھ ازم میں بھی یہی ہے کہ جب آخری دور ہوگا تو اس میں برائی کا دور دورہ ہوگا اور اس دور میں آخری بدھ، مہابدھ [عقل کل] میتر یاؑ نے تشریف لانا ہے اور اُنہوں نے آ کے اس مذہب کو درست کرنا ہے۔

میں نے اپنی کتاب(The Last Reformer of the World) میں اس کے بارے میں تفصیل سے بات کی ہے کہ کس طرح ایک آنے والے مصلح کا تصور دیگر مذاہب میں ہے، مگر یہاں آخری زمانے کے بارے میں عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ ہر مذہب میں ایک آنے والے راہنما یا ریفارمر کا تصور تو سارے مذاہب میں ہے اور ساتھ ہی ان کے تشریف لانے سے ذرا پہلے کے زمانے کی علامات بھی سارے مذاہب میں موجود ہیں۔

عیسائیت و یہودیت اور آخری زمانہ

اگر ہم آخری زمانے کو دریافت کرنا چاہیں یا اس کا تعین کرنا چاہیں تو ہمیں اس کے بارے میں بائیبل میں بھی اشارے ملتے ہیں جیسا کہ صحیفہ دانیال میں ہے

12:1 And at that time shall Michael stand up, the great prince which standeth for the children of thy people: and there shall be a time of trouble, such as never was since there was a nation [even] to that same time: and at that time thy people shall be delivered, every one that shall be

found written in the book

12:2 And many of them that sleep in the dust of the earth shall awake, some to everlasting life, and some to shame [and] everlasting contempt.

12:3 And they that be wise shall shine as the brightness of the firmament; and they that turn many to righteousness as the stars for ever and ever.

12:4 But thou, O Daniel, shut up the words, and seal the book, [even] to the time of the end: many shall run to and fro, and knowledge shall be increased.

12:5 Then I Daniel looked, and, behold, there stood other two, the one on this side of the bank of the river, and the other on that side of the bank of the river.

12:6 And [one] said to the man clothed in linen, which [was] upon the waters of the river, How long [shall it be to] the end of these wonders?

12:7 And I heard the man clothed in linen, which [was] upon the waters of the river, when he held up his right hand

and his left hand unto heaven, and sware by him that liveth for ever that [it shall be] for a time, times, and an half; and when he shall have accomplished to scatter the power of the holy people, all these [things] shall be finished.

12:8 And I heard, but I understood not: then said I, O my Lord, what [shall be] the end of these [things]?

12:9 And he said, Go thy way, Daniel: for the words [are] closed up and sealed till the time of the end.

12:10 Many shall be purified, and made white, and tried; but the wicked shall do wickedly: and none of the wicked shall understand; but the wise shall understand.

12:11 And from the time [that] the daily [sacrifice] shall be taken away, and the abomination that maketh desolate set up, [there shall be] a thousand two hundred and ninety days.

12:12 Blessed [is] he that waiteth, and cometh to the thousand three hundred and five and thirty days.

12:13 But go thou thy way till the end [be]: for thou shalt

rest, and stand in thy lot at the end of the days.

صحیفہ دانیال باب 12 فقرات 1 تا 13

اور اس وقت میکائیل مقرب فرشتہ جو تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کیلئے کھڑا ہے اُٹھے گا، اور وہ ایسی تکلیف کا وقت ہوگا کہ ابتدائی اقوام سے اس وقت تک کبھی نہ ہوا ہوگا، اور اس وقت تیرے لوگوں میں سے ہر ایک جس کا نام کتاب میں لکھا ہوگا رہائی پائے گا اور جو خاک میں سو رہے ہیں ان میں سے بہتیرے جاگ اٹھیں گے بعض حیات ابدی کیلئے اور بعض رسوائی اور ذلت ابدی کیلئے۔

اور اہل دانش نورِ فلک کی طرح چمکیں گے اور جن کی کوشش سے بہتیرے صادق ہو گئے ستاروں کی مانند ابدالآباد تک روشن رہیں گے، لیکن تو اے دانی ایل! ان باتوں کو بند رکھ اور کتاب پر آخری زمانے تک مہر لگا دے، بہتیرے اس کی تفتیش و تحقیق کریں گے اور دانش افزوں ہوگی۔

پھر میں (دانی ایل) نے نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ دو شخص کھڑے تھے، ایک دریا کے اِس کنارے پر اور دوسرا دریا کے اُس کنارے پر، اور ایک نے اُس شخص سے جو کتانی لباس پہنے ہوئے تھا اور دریا کے پانی پر کھڑا تھا پوچھا کہ ان عجائب کے انجام تک کتنی مدت ہے؟ اور میں نے سنا کہ اس شخص نے (جو کتانی لباس پہنے تھا اور جو دریا کے پانی کے اوپر کھڑا تھا) اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر حیّ و قیوم کی قسم کھائی اور کہا کہ ایک دور اور دور اور نیم دور، اور جب وہ مورس لوگوں کے اقتدار کو نیست کر چکیں گے تو یہ سب کچھ پورا ہو جائے گا، اور میں نے سنا پر سمجھ نہ سکا

تب میں نے کہا اے میرے خداوند ان کا انجام کیا ہوگا ؟ اس نے کہا اے دانی ایل ! تو اپنی راہ لے کیونکہ یہ باتیں آخری وقت تک بند اور سر بہ مہر رہیں گی اور بہت لوگ پاک کیئے جائیں گے اور صاف و براق ہوں گے لیکن شریر شرارت کرتے رہیں گے اور شریروں میں سے کوئی نہ سمجھے گا، پر دانش ور سمجھیں گے اور جس وقت سے دائمی قربانی موقوف ہو جائے گی اور وہ اجاڑنے والی مکروہ چیز نصب کی جائے گی، ایک ہزار دو سو ننا وے 1299 سال ہوں گے، مبارک ہے وہ جو ایک ہزار تین سو پینتیس 1335 سال تک انتظار کرتا ہے، پر تو اپنی راہ لے جب تک کہ مدت پوری نہ ہو، کیونکہ تو آرام کرے گا اور ایام کے اختتام پر اپنی میراث میں اُٹھ کھڑا ہوگا۔

اس پیش گوئی کے اسرار و رموز کی تفصیلات ہمارا موضوع نہیں ہے لیکن اِتنا بتانا ضروری ہے کہ پہلے پیراگراف میں مردوں کے زندہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے جس سے زمانہ رجعت مراد ہے، اور ستاروں کی مانند روشن رہنے والوں سے زمانہ رجعت کے حکمران مراد ہیں۔ یہ موضوع چونکہ ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہے لہٰذہ ہم اسے یہیں پر روک کر ظہورِ سرکار کے مسئلے پر غور کرتے ہیں۔

حضرت دانیال علیہ سلام کے اس صحیفہ میں بہت سی سر بہ مہر پیش گوئیاں ہیں جن میں علامات واشارات کی زبان میں سرکار کے ظہور تک کے واقعات مندرج ہیں۔

وہ واقعات چونکہ بہت عجیب ہیں لہٰذا انہیں عجائب سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ گفتگو کی گئی ہے کہ ان عجائب کے انجام تک کتنی مدت ہے؟ اس کے جواب میں جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں انہیں کی وضاحت پر اس پیش گوئی کا سمجھ میں آنا موقوف ہے۔

(1)

اس پیش گوئی کو سمجھنے کیلئے سب سے پہلے ہمیں دائمی قربانی کا سراغ لگانا ہے، یہ وہ قربانی ہے جو بنی اسرائیل کی مذہبی رسوم کے مطابق بیت المقدس میں ادا کی جاتی تھی اور بنی اسرائیل کی اسیری کے بعد موقوف ہوگئی، اسیری کا یہ واقعہ 601 قبل از مسیح میں ہوا، جب بیت المقدس بابل کے بادشاہ بنوکدنصر کے ہاتھوں مسمار ہوا اور وہ تمام اسرائیلیوں کو قید کر کے بابل لے گیا۔

اس کی کچھ تفصیل تواریخ ۲ اور سلاطین ۲ میں کتاب مقدس میں دیکھی جا سکتی ہے

(2)

دائمی قربانی کے موقوف ہونے کا سن 601 ق م ہے، اس کے بارہ سو نوے (1290) سال کے بعد اُجاڑنے والی مکروہ چیز نصب ہوگی، 601 میں 689 کو جمع کرنے سے 1290 کا عدد حاصل ہوتا ہے یعنی 689 عیسوی میں مکروہ چیز کو نصب ہونا چاہیے، چونکہ کلیسا کی تقویم کچھ صدیوں تک قمری حساب سے مرتب ہوتی رہی اور ایک عرصہ بعد اسے شمسی حساب سے ترتیب دیا گیا ہے لہٰذا ماہرین نے تقریباً نو سال اس فرق کو ختم کرنے کیلئے نکالے ہیں اس حساب سے مکروہ چیز کا نصب ہونا 680 عیسوی کے قریب ہوگا۔ اور اگر آپ غور کریں تو یزید ملعون کی جانشینی کا عہد یہی ہے

(3)

گبن کی تاریخ زوال و تباہی روم مطبوعہ لندن صفحہ 49 پر تحریر ہے کہ واقعہ کربلا 680 عیسوی میں ہوا جس کا ہجری سن ساٹھ اور اِکسٹھ ہے

(4)

اب اگر سن ساٹھ میں تیرہ سو پینتیس 1335 جوڑ دیئے جائیں تو حاصل جمع بنتا ہے 1395 یعنی صحیفہ دانیال میں جو عجائبات مذکور ہوئے ہیں وہ 1395 عیسوی پر ختم ہوں گے، اس کے بعد انتظار کرنے والا مبارک ہوگا کہ وہ ایک مبارک ہستی کا انتظار کر رہا ہوگا...... واللہ اعلم بالصواب

نزولِ مسیح اور سرکار کا ظہور ایک دوسرے کے ہم دوش ہیں، لہٰذا انجیل متی کا یہ حوالہ ہمارے مؤقف کی تائید مزید ہے جس میں جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے نزول اور اس عہد کے کچھ حالات پر تبصرہ فرمایا ہے۔

اور جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا اس کے شاگردوں نے الگ اس کے پاس آ کر کہا ہم کو بتائیں کہ یہ باتیں کب ہوں گی؟ اور تیرے آنے اور دنیا کے آخر ہونے کا نشان کیا ہوگا؟ یسوع نے جواب میں ان سے کہا کہ خبردار کوئی تم کو گمراہ نہ کر دے کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور لوگوں کو گمراہ کریں گے اور تم لڑائیوں کی افواہ سنو گے۔

خبردار! گھبرا نہ جانا کیونکہ ان باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے لیکن اس کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت چڑھائی کرے گی اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے لیکن یہ سب باتیں مصیبتوں کا شروع ہی ہوں گی، اس وقت لوگ تم کو ایذا دینے کیلئے پکڑوائیں گے اور تم کو قتل کریں گے اور میرے نام کی خاطر سب قومیں تم سے عداوت کریں گی اور اس وقت بہتیرے ٹھوکر کھائیں گے اور ایک

دوسرے کو پکڑوائیں گے اور ایک دوسرے سے عداوت رکھیں گے اور بہت سے جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہوں گے اور بہتیروں کو گمراہ کریں گے اور بے دینی کے بڑھ جانے سے بہتیروں کی محبت ٹھنڈی پڑ جائے گی، مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہ نجات پائے گا اور بادشاہی کی اس خوش خبری کی منادی تمام دنیا میں ہو گی تا کہ سب قوموں کیلئے گواہی ہو، تب خاتمہ ہو گا۔

پس جب تم اس اجاڑنے والی مکروہ چیز کو جس کا ذکر دانی ایل نبی کی معرفت ہوا مقدس مقام میں کھڑا ہوا دیکھو (پڑھنے والا سمجھ لے) تو جو یہودیہ میں ہوں وہ پہاڑوں پر بھاگ جائیں، جو کوٹھے پر ہو وہ اپنے گھر کا اسباب لینے کیلئے نیچے نہ اترے، اور جو کھیت میں ہو وہ اپنا کپڑا لینے کو پیچھے نہ لوٹے، مگر افسوس ان پر جو ان دنوں حاملہ ہوں اور جو دودھ پلاتی ہوں، پس دعا کرو کہ تم کو جاڑوں میں یا سبت کے دن نہ بھاگنا پڑے کیونکہ اس وقت ایسی بڑی مصیبت ہو گی کہ دنیا کے شروع سے نہ اب تک کبھی ہوئی نہ کبھی ہو گی، اور اگر وہ دن گھٹائے نہ جاتے تو کوئی بشر نہ بچتا مگر برگزیدوں کی خاطر وہ دن گھٹائے جائیں گے، اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو وہ برگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں، دیکھو میں نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا تھا پس اگر وہ تم سے کہیں کہ دیکھو وہ بیابان میں ہے تو باہر نہ جانا، دیکھو وہ کوٹھیوں میں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جیسے بجلی پورب سے کوند کر پچھّم تک دکھائی دیتی ہے ایسے ہی ابن آدم کا آنا ہو

گا، جہاں مردار ہے وہاں گدھ جمع ہو جائیں گے۔(چوبیسواں باب)

نزول مسیح سے کچھ قبل اجاڑنے والی مکروہ چیز کا مقدس مقام پر کھڑا ہونا کہیں خروج سفیانی کا اشارہ تو نہیں؟ یہ اور ایسی ہی بہت سی باتیں اِس خطبہ میں قابل غور ہیں۔

☆رأیت الغلام یعطی ماتعطی المرة

رأیت النساء یتزوجن النساء

اکتفی النساء بالنسا و الرجال بالرجال

و رأیت اصحاب الآیات یحقرون و یحتقر من یحبهم

و رأیت الرجال ینسمون الرجال و النساء للنساء

و رأیت الرجل معیشة من دبره و معیشة المرأة من فرجها

و رأیت النساء تیخذن المجالس کما یتخذالرجال

و رأیت المرأة تصانع زوجها علی نکاح الرجال نکاحِ رجال میں مدد کرنا

و رأیت اکثرالناس و خیر بیت من یساعد النساء علی فسقهن

و رأیت النساء یبذلن انفسهن لاهل الکفر

و رأیت العقوق قد ظهروا استخف بالوالدین و کان من اسوء الناس حالا عبد الولد یفرح بان یفتری علیها

مندرجہ بالا تمام باتوں کی تشریح کرنا مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ عقل مند کیلئے اِشارہ ہی کافی ہوتا ہے، آخری فقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ اس وقت عاق کی کثرت ہو گی، والدین کی بے حرمتی کی جائے گی، اولاد کے پاس والدین بدترین حالت میں زندگی

گزار رہے ہوں اور اولاد ان پر افتراء پردازی سے خوش ہو رہی ہوگی۔

امام مظلوم علیہ الصلواۃ والسلام سے روایت ہے کہ ایک شخص امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ ہمیں اپنے آخری لخت جگر عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں خبر دیں کہ وہ کب تشریف لائیں گے؟

☆عن الحسین علیه الصلواة والسلام قال جأء رجل الی امیرالمومنین علیه الصلواة والسلام نبئنا بمهدیك عجل الله فرجهٗ الشریف هذا فقال اذا درج الدارجون و قل المومنون و ذهب المجلبون فهناك

اس وقت آپ نے فرمایا جب کفار و اشرار کی پشتوں سے مومنین خارج ہو چکیں گے اور مومنین قلیل رہ جائیں گے۔ جب دین کی طرف کھینچنے کے قابل لوگ اُٹھ جائیں گے اس وقت ہمارے لخت جگر عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا خروج ہوگا، یعنی ایسے لوگ رہ جائیں گے کہ جو اس قابل ہی نہ ہوں گے کہ انہیں کوئی دین کی طرف بلا سکے یا وہ آ سکیں۔

امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا

☆هو شر الازمنة نسوة متبرجات کاشفات عاریات من الدین داخلات فی الفتن مائلات الی الشهوات مسرعات اللذات مستحلات للمحرمات فی جهنم خالدات

فرمایا وہ سب سے برا زمانہ ہوگا اس میں ایسی عورتیں ظاہر ہوں گی جو بے

پردہ ہوں گی، غیروں کیلئے آرائش ومیک اپ کرنے والی ہوں گی، دین سے بیزار ہوں گی، فتنوں میں مبتلا ہوں گی، شہوت رانی کی طرف مائل ہوں گی، لذاتِ نفس کی طرف جلدی کرنے والی ہوں گی، محرمات شرعی کو حلال سمجھنے والی ہوں گی اور ہمیشہ جہنم میں رہنے والی ہوں گی۔

بحوالہ کتاب علامات ظہور......علامہ طالب جوہری

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کلجگ کے آغاز واختتام کے سلسلے میں ہندو نظریات کیا ہیں؟ ایک مشہور محقق کی رائے میں ہندوؤں کا موجودہ یگ یعنی کل یگ تقریباً اسی زمانے سے شروع ہوتا ہے جو طوفانِ نوح کا زمانہ ہے اس واقعہ کو ہندو ایک یادگار واقعہ سمجھتے ہیں، اس موجودہ یگ کی تاریخ یقیناً پانی کے سیلاب سے شروع ہوتی ہے ہندو اپنی پوری جنتری کی بنیاد اس واقعہ کو قرار دیتے ہیں۔

سیلاب کے بعد ہر ساٹھ سال کا ایک سال مان کر ان سالوں میں اپنے اجتماعی اور انفرادی واقعات کی مدت شمار کرتے ہیں۔ یہ گفتگو کلجگ کے آغاز سے متعلق تھی اب اس کا اختتام دیکھیں۔

ایک محقق نے اکھنڈ جیوتی مارچ 1981ء کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایسے ثبوت موجود ہیں کہ یگ بدلنے کا وقت آ گیا ہے کل یگ اب وداع ہو رہا ہے اور اس کی جگہ ایسا دور آ رہا ہے کہ جسے ست یگ کہا جا سکے، منوا سمرتی، لنگ پران، اور بھاگوت میں دیئے گئے اعداد وشمار کے مطابق حساب پھیلانے سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ دور بحران کا دور ہے۔ان سب اعداد وشمار کو دیکھتے ہوئے وہ وقت ٹھیک

انہی دنوں میں ہے جس میں یگ بدلنا چاہیے جو 1980ء سے 2000ء تک بیس سال
کا ہے۔
اس بحث کو نتیجہ خیز بنانے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہندوؤں کے عقیدے کی رُو سے
دنیا میں چوبیس 24 اوتار یعنی مظہر خداوندی ہوں گے جن میں سے تیئس 23 گزر
چکے ہیں فقط چوبیسواں باقی ہے اور ساری دنیا کے ہندو اس کا انتظار کر رہے ہیں اس
آخری اوتار کا نام کلکی یا کلنکی ہے یعنی سیاہی کو دور کرنے والا، اس اوتار کے بارے
میں مقدس ہندوستانی کتاب گیتا کا یہ حوالہ قابل غور ہے۔
''اتنی کتھا سنا کر شکد یو جی نے کہا اے راجہ پریکشت جب اخیر کلجگ میں اسی طرح
بڑا پاپ ہوگا تب پرمیشور دھرم کی رکشا کرنے کے واسطے سنبھل دیش میں گوڑ برہمن
کے گھر کلنکی اتار لیں گے اور نیلے گھوڑے پر چڑھ کر ہزاروں راجہ اور ادھرمی اور
پاپیوں کو تلوار سے مار ڈالیں گے جب کہ ان کے درشن ملنے سے بچے ہوئے آدمیوں
کو گیان مل جائے گا تب وہ لوگ پاپ کرنا چھوڑ کر اپنے دھرم سے چلیں گے اس کے
آٹھ سو برس بعد ست یگ ہو کر سب چھوٹے اور بڑے اپنا دھرم کریں گے''

(شریمد بھاگوداس کنڈ بارہ ادھیائے دوسرا صفحہ 842)

اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ کلجگ کے آخر میں پاپ گناہ اور بے دینی کے نتیجہ
میں کلنکی اوتار ظہور کریں گے، کل جگ کا یہ آخر سن 1980ء سے 2000 عیسوی ہے،
اس سے کلنکی اوتار کے ظہور کے زمانے پر روشنی پڑتی ہے کہ اس دور کے قریب
قریب آپ سنبھل دیش (مکہ) سے ظہور کریں گے، بڑی خونریز جنگیں ہوں گی،

جن میں آپ کامیاب ہوں گے، جس کی وجہ سے لوگ دین پر کاربند ہو جائیں گے اور گناہ اور بے دینی کو ترک کر دیں گے، آخری جملہ جس میں آٹھ سو برس کی مدت بیان کی گئی ہے شاید اس سے رجعت کا دور مراد ہو یا پھر ممکن ہے کہ یہ جملہ تحریف شدہ ہو اس کا مفہوم ہم پر واضح نہیں ہے۔

البتہ اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم ایک اور حوالہ درج کرتے ہیں جس سے کوئی حتمی نتیجہ نکالنے کے مؤقف میں تو نہیں ہیں لیکن اس سے ایک نسبتاً واضح تر مفہوم کا سراغ ملتا ہے......نواب اصغر حسینؒ الہ آبادی اپنے ایک رسالہ ''ظہور قائمؑ آل محمدؐ از مذاہب عالم مطبوعہ جے پور راجستھان صفحات 23 تا 26 میں تحریر کرتے ہیں کہ ہندوؤں کی معروف کتاب گیتا شریمد بھاگود، اس کنڈ ۲، ادھیائے دوسرا...... اس میں درج ہے کہ

کل جگ میں سنساری آدمی ہر روز سچائی اور دیا [رحم] چھوڑ دینے سے کم طاقت ہو جائیں گے، کل جگ میں آدمی کی عمر تخمیناً ایک سو بیس سال لکھی گئی ہے مگر ادھرم (گناہ) کرنے سے وہ پوری عمر کو نہ پہنچ کر اس کے اندر ہی مر جائیں گے اور کل جگ کے آخر میں بہت ادھرم کرنے سے اکثر لوگ بیس یا بائیس برس سے زیادہ زندہ نہیں رہیں گے، ایسا چکرورتی اور پرتابی راجہ بھی کوئی نہ ہوگا کہ جس کا حکم ساتویں دیپ [براعظموں یا جزیروں] کے راجہ کے لوگ مانیں، اپنا دھرم اور نیائے [عدل] چھوڑ کر جوان کو روپیہ دے گا اس کی حمایت کریں گے، دمڑی کوڑی کے واسطے دشمن ہو جائیں گے، گائے کا دودھ بکری کے برابر کم ہو جائے گا، اور گائے میلا اور غلیظ

کھائے گی، برہمنوں میں ایسا لچھن [علامت] نہ رہے گا کہ جسے دیکھ کر آدمی پہچان لے کہ یہ برہمن ہے بلکہ پوچھنے سے اس کی ذات معلوم ہو گی، بیاپار میں بہت چھل [دھوکہ] ہوگا، اور مورکھ آدمی جھوٹی بات بنانے والا سچا اور گیانی سمجھا جائے گا، دولت مند کی خدمت سب لوگ کریں گے، ذات پات کا کچھ لحاظ نہ کریں گے، استری اور پرش کا چت ملنے سے اونچ اور نیچ ذات آپس میں بھوگ بلاس کریں گے یعنی تعلقات خاص پیدا کریں گے، اپنی خوبصورتی کے واسطے سر پر بال رکھیں گے، پرلوک (آخرت) کا کچھ خیال نہ کریں گے، چور اور ڈاکو بہت پیدا ہوں گے جو سب کو دُکھ دیں گے، اور راجہ لوگ ڈاکوؤں سے مل کر پرجا کا دھن چرالیں گے، دس برس کی لڑکی کے بچہ پیدا ہوگا، درخت چھوٹے ہو جائیں گے، پست لوگ اناج اور کپڑے کا دکھ اُٹھانویں گے، راجہ لوگ تھوڑی قوت رکھنے پر بھی زمین لینے کی خواہش کریں گے، گرہستی لوگ ماں باپ کو چھوڑ کر ساس اور سسر کے ہو جانویں گے

کل یگ کا راجہ اپنا دھرم اور کرم چھوڑ کر استری بالک اور گئو کا بدہ کریں گے کام کرودھ اور لوبھ رکھیں گے، اور دوسرے کی دولت عورت اور زمین زبردستی چھین لیں گے، ان کا حال دیکھ کر رعایا بھی ویسا ہی کام کرے گی۔

شری کرشن جی کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جو اور جس گھرانے کے ہندو راجہ ہوں گے ان کے مفصل حالات اور زمانہ حکومت تحریر کرنے کے بعد اور کاکول کا راج بنا کر یہ لکھا ہے کہ اس کے بعد مسلمان راجہ ہو کر بادشاہ کہلائیں گے اور ایک ہزار ننانوے برس تک ان کا راج رہے گا اور مسلمانوں کو جیت کر دس پیڑھی

تک گورانڈی راج کریں گے پھراہیرا ور شودرا ور ملیچھ راجہ ہوں گے اور اس کے بعد گیارہ پیڑھی نناوے برس تک مون کا راج ہوگا سورج بنسی بے شاخ اور بے نشان ہوجائیں گے۔

مندرجہ بالا آثار اور نشانیوں میں سے صرف چند کے متعلق کچھ تفصیل پیش کرتا ہوں بقیہ حالات جو ہیں ان کو زمانہ خود دیکھ رہا ہے۔

1 ......اگر وہ زمانہ شمار کیا جائے کہ جب مسلمانوں کو سندھ میں فتح ہوئی تو تقریباً مسلمانوں کی حکومت 1857ء تک رہ کر وہ مدت پوری ہوجاتی ہے

2 ...... دس پیڑھی گورانڈی راج کریں گے یعنی گورے راجہ ہوں گے اگر ایڈورڈ جو آٹھواں کہلاتا تھا وہ سلطنت نہ چھوڑتا تو یہ پیشین گوئی غلط ہوجاتی مگراس نئے واقعہ نے ثابت کردیا کہ جو کہا گیا تھا وہ درست نکلا

1- Queen Anne 1702 - 1714

2- George 1st Inida 1714 - 1727

3- George 2nd India 1727 - 1760

4- George 3rd India 1760 - 1820

5- George 4th India 1820 - 1830

6- William 5th India 1830 - 1837

7- Queen Victoria India 1837 - 1901

8- Edward 7th 1901 - 1910

9- George 5th 1910 - 1918

10- Edward 8th 1918 - 1947

11- George 6th 1947 till Now

Note:- After partition this she came to an end but after some time.

3......اہیر اور شودر اور ملیچھ راجہ ہوں گے جو کہ آج کل موجود ہیں جس میں ہر ذات کے منتری وغیرہ ہیں اور حکومت ان کے ہاتھ میں ہے۔

4......گیارہ پیڑھی ناوے برس مون کا راج ہوگا مون کے معنی خاموش رہنے والے کے ہیں۔

5......زمین زبردستی چھین لیں گے سے ثابت ہوا کہ زمینداری و تعلقہ داری و جاگیرداری کا خلافِ انصاف خاتمہ کیا جائے گا جیسا کہ لفظ زبردستی سے ظاہر ہوتا ہے۔

6......سورج بنسی بے شاخ اور بے نشان ہو جائیں گے سے مراد حکومت مہاراجہ ادے پور سے ہے کیونکہ یہ مہاراجہ رام چندر جی کی اولاد اکبر جن کا نام لَو تھا ان کی نسل سے ہیں۔

7......بہت لوگ کپڑے اور اناج کا دکھ اٹھائیں گے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

8......لوگوں کا دھن زبردستی چھین لیں گے مراد مختلف قسم کے ٹیکس ہیں۔

اس حوالے میں دو مختلف ابواب کے مضامین کو ایک ہی باب کے ذیل میں جوڑ دیا گیا ہے جبکہ حوالے کا پہلا پیراگراف اس کنڈ بارہ کے دوسرے ادھیائے سے ہے اور دوسرا پیراگراف اس کنڈ بارہ کے پہلے ادھیائے کے آخر سے ہے، صفحہ 840 ننانوے برس کے مون کے راج کے بعد یہ تحریر ہے کہ اتنے لوگ کل یگ میں نامی راجہ ہوکر پھرا ہیرا اور شودرا اور ملیچھ راجہ ہوں گے وغیرہ

یعنی اس حساب سے ست یگ زمانہ رجعت ہوگا اور سرکار کا ظہور کل جگ کے آخری دور میں ہوگا جبکہ ہم اوپر یہ بتا آئے ہیں کہ کلجگ کا آخر سن 1980 سے 2000 ء عیسوی کے درمیان ہے...... واللہ اعلم بالصواب

اب ہم دوبارہ اسلام کے ذخیرہ کتب اور آثار واخبار کی طرف واپس آتے ہیں احادیث میں توقیت کی ممانعت کے باوجود عرفاء منجمین اور اصحابِ علم وفضل و جفر و رمل واعداد نے سرکار کے ظہور کے سن کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

محی الدین ابن عربی ، ابنِ سینا ، شاہ نعمت اللہ ولی ، ابوریحان بیرونی اور خواجہ نصیرالدین طوسی وغیرہ نے نثر ونظم میں اشارات تحریر کیئے ہیں جن سے سن ظہور پر روشنی پڑتی ہے، ینابیع المودۃ میں اشعار کی تفصیلات بھی دیکھی جاسکتی ہیں، مثال کے طور پر ینابیع المودۃ میں عنقائے مغرب کے حوالے سے محی الدین عربی کی نظم ہے جس کا ایک شعر یہ ہے

فعند فنا خاء الزمان و ذالها

علیٰ فاء مدلول الکرور یقوم

اس اعتبار سے (ف)۶۰۰+(ذ)۷۰۰+(ف)۸۰=۱۳۸۰ ہوتا ہے
میر جہانی کی تشریح کے مطابق سن 1380 سے 1379 کے درمیان کا وقت قرار پاتا ہے، جب کہ محقق مذکور نے سامرۃ الابرار ومحاصرۃ الاغیار تالیف محی الدین عربی جز اول صفحہ ۱۴۳ کے متن کے ترجمہ وتشریح کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ قرانِ اعظم جس کی مدت 980 سال ہے، آج یعنی 1383 کے تین ماہ سے کچھ اوپر گزر چکا ہے، اب تک قران اعظم سے آٹھ سوتیئیس 823 سال سے کچھ اوپر ہو چکے ہیں، اوراس قران کے 157 سال باقی بچے ہیں جب کہ اس قرن کے ربع چہارم سے 88 سال گزرے ہیں، اُمید ہے کہ جلد ہی یعنی قران کے ختم ہونے سے قبل ظہور ہو جائے گا۔
سید محمد صالح حسینی نے البرہان القاطع میں چند قرائن کو سامنے رکھ کر تحریر کیا تھا کہ سرکار کا ظہور عاشور کے روز بروز شنبہ سن 1115 ہجری ہوگا۔
صاحبِ نور الانوار نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے کہ فضلاء ومحدثین اور عرفاء و منجمین وغیرہ نے مختلف طریقوں سے حساب لگا لگا کر وقتِ ظہور کا استنباط کیا ہے جن میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے، البتہ ان لوگوں کی طرف منسوب باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدی کی ساتویں دہائی (70) سے صدی کے اختتام تک ایسے واقعات ظہور پذیر ہوں گے جو ہولناک و دہشت ناک اور عظیم ہوں گے جنہیں خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، یہ واضح رہے کہ اس کتاب کا سال تحریر سن 1274 ہجری ہے اور سالِ طباعت 1301 ہجری ہے، یہ چند حوالے صاحبانِ تحقیق کی دلچسپی کیلئے تحریر کیئے گئے ہیں تفصیلات مفصل کتابوں میں موجود ہیں

اس موضوع پر آثارِ آلِ محمدؐ میں دو روایتیں میری نگاہ سے گزری ہیں پہلی ابو بعید مخزومی کی روایت امام محمدؐ باقرؑ علیہ الصلواۃ والسلام سے ہے، اور دوسری روایت امام حسن عسکری علیہ الصلواۃ والسلام کی ایک تحریر ہے جو ایک کتاب میں پائی گئی ہے، پہلی روایت پر گفتگو سے قبل اس کی صورتِ حال دیکھتے چلیں یہ روایت بحارالانوار میں تفسیر عیاشی سے نقل ہوئی ہے اور عیاشی نے اسے خثمیہ بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے ابو بعید سے نقل کیا ہے، عیاشی کلینی کے معاصر تھے اور ابو بعید امام محمدؐ باقر علیہ الصلواۃ والسلام کا ہم عصر اور ان کا راوی ہے، اس اعتبار سے عیاشی سے ابو بعید تک چار پانچ راویوں کو ہونا چاہیے جبکہ صرف خثمیہ کا نام ملتا ہے، لہٰذا یہ حدیث مرسل اور ضعیف ہے، خثمیہ ابن عبدالرحمٰن ایک مجہول الحال راوی ہے اور علم رجال کی کتابوں میں اس کا سراغ نہیں ملتا، جب کہ ابو بعید کی بابت کتب رجال میں نہ مدح ہے نہ مذمت ہے، مذکورہ ساری باتیں درست ہیں لیکن میرے خیال میں مقطعات کے اتنے دقیق موضوع پر کسی روایت کے جعل کرنے کا کوئی داعی موجود نہیں تھا اور بظاہر اس کے جعل سے نہ جلب منفعت کا کوئی پہلو سامنے آتا ہے اور نہ دفع ضرر کا لہٰذا یہ ممکن ہے کہ راویوں کے ذریعہ پوری بات ہم تک نہ پہنچ سکی ہو جس کے سبب اس روایت میں بعض قابل گرفت پہلو نظر آ رہے ہیں، علماء نے اس روایت کو مشکل اور متشابہہ قرار دیا ہے۔

یہ روایت طویل ہے جس میں امام محمدؐ باقر علیہ الصلواۃ والسلام نے مقطعاتِ قرآنی سے آلِ محمدؐ علیہم السلام کے قیام کرنے والوں اور بعض باطل کے خروج کرنے

والوں کے سنین کی تعیین فرمائی ہے،اس روایت کے آخر میں ہے۔

☆ و یقوم قائمنا عند انقضاء ھا بآلر

ہمارا قائم عجل اللہ فرجہ الشریف اس گزرنے پر آلر میں قیام کرے گا، علامہ مجلسی نے اس روایت پر ایک طویل حاشیہ سپرد قلم کیا ہے اور اس روایت کی مختلف توجیہات پیش کی ہیں، موضوع سے متعلق انہوں نے تیسری توجیہہ میں یہ فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ اس سے تمام آلر مراد ہوں جو قرآن میں آئے ہیں اور یہ پانچ سوروں کے آغاز میں ہیں اوران سب کا مجموعی عدد 1155 ہے۔

مجلسی نے دوسری توجیہہ میں سہو کتابت کا احتمال دے کر اسے ''آلمر'' پڑھا ہے۔میرے خیال میں اگرگزشتہ پانچ آلر کے ساتھ ایک آلمر کو جو کہ اسی قبیل سے ہے شامل کرلیا جائے تو یہ سن برآمد ہوگا......1426=271+1155

واللہ اعلم بالصواب

دوسری روایت بحار الانوار میں کتاب المختصر تالیف حسن بن سلیمان شاگرد شہید اول سے نقل ہوئی ہے یہاں پوری روایت نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ انہوں نے کہا کہ امام حسن عسکری علیہ الصلواۃ والسلام کی تحریر پائی گئی ہے جس کا متن یہ ہے کہ

ہم حقائق کی چوٹیوں تک نبوت اور ولایت کے قدموں سے بلند ہوئے، مجلسی نے درمیان کی عبارت چھوڑ دی ہے پھر لکھا ہے کہ یہاں تک کہ امام نے فرمایا اور ہماری پیروی کرنے والوں کیلئے زندگی کے چشمے بے نقاب ہوں گے، بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے بعد اس وقت جب کہ آلم اور طہ اور طواسین کے عدد سنین میں سے

تمام ہو جائیں۔

یہی روایت بحارالانوار جلد ۵۷ صفحہ ۳۷۸ پر تفصیل کے ساتھ لکھی ہوئی ہے جسے ''درۃ الباہرۃ من اصداف الطاہرۃ'' (تالیف شہید بن محمد مکی) سے نقل کیا گیا ہے اس حوالے کے علاوہ بھی مختلف کتابوں میں یہ روایت درۃ الباہرۃ کے حوالوں سے مختصر سے اختلاف متن کے ساتھ پائی جاتی ہے، ترجمہ حسب ذیل ہے۔

ایک ثقہ شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت امام حسنؑ عسکری علیہ الصلواۃ والسلام کی ایک تحریر کتاب کی پشت پر دیکھی ہے جس کا متن یہ ہے

''ہم حقائق کی چوٹیوں تک نبوت و ولایت کے قدموں سے پہنچے اور ہم جواں مردی اور ہدایت کے پرچموں کے ساتھ ہفت آسمان تک بلند ہوئے، ہم دین و معرفت کے شیر اور علم و عمل کی بارش ہیں، اس دنیا میں سیف و قلم ہم میں ہے اور آخرت میں علم اور حمد کا لوا ہمارے لیئے ہے، ہمارے اسباط دین کے خلفاء ہیں اور یقین کے حلیف ہیں اور قوموں کو روشنی بخشنے والے چراغ اور کرم کی کلید ہیں، کلیم نے اصطفاء کا حلہ پہنا اور ہم نے اُس سے وفا کا عہد لیا تھا، روح القدس نے آسمانِ سوم کی جنت میں ہمارے باغوں سے ابتدائی ذائقہ چکھا، ہماری پیروی کرنے والے نجات یافتہ ہیں اور پاکیزہ گروہ ہیں، وہ ہمارے مددگار اور محافظ ہیں اور ظالموں کے خلاف ہمارا گروہِ مددگار رہیں، اس کے بعد تحریر فرمایا

☆سینفجرلهم ینابیع الحیوان بعدلظی النیران لتمام آل حم و طه و الطواسین من السنین...... (بحارالانوار 26 ص 265)

ان کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے بعد زندگی کے چشمے پھوٹیں

گے اس وقت جب کہ آل ،حم ،طہ ،اورطواسین میں سے مکمل ہوجائیں

مجلسی نے بحارالانوار جلد۵۲صفحہ۱۲۱ پر المختضر والی روایت کونقل کرنے کے بعد جو حاشیہ لکھا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس روایت میں یہ احتمال ہے کہ سارے آلم مراد ہوں اور سارے مقطعات مراد ہوں جن کے شروع میں الم ہے جیسے المص اس لیئے یہ سارے مل کر طہ اورطواسین کے ساتھ 1159 تک پہنچتے ہیں ہم نے جوتوجیہات ابولبید کی روایت میں بیان کی ہیں یہ توجیہ ان میں بہترین توجیہہ کے قریب ہے اور ابولبید کی موئد بھی ہے۔

جن روایات میں توقیت سے منع فرمایا گیا ہے ان میں توقیت سے مراد حتمی توقیت ہے یعنی یہ کہہ دینا کہ سرکارؑ کے ظہور یا خروج کا یہ حتمی وقت ہے اور جو روایات اِس وقت ہم آپ کی نذر کررہے ہیں ان میں کہیں بھی حتمی بات نہیں کہی گئی ہے اور ان تمام روایات میں بداء کا امکان پایا جاتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ توقیت کی ممانعت سے مراد ایسی تصریحی توقیت ہو جو ہر ایک پر واضح ہوجائے ،اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ رمز واشارہ سے بھی اس کا بیان نہ کیا جائے یا ایسی بات بھی نہ کہی جائے جس میں تصریح نہ ہو بلکہ مختلف احتمالات پائے جاتے ہوں۔

اس ضمن میں کتابوں میں جتنی روایات موجود ہیں اُن میں بہت زیادہ اختلافات ہیں ،مجلسی نے بحار جلد ۵۲ میں الم اورطہ اورطواسین لکھا ہے جب کہ بحار جلد ۵۷ میں

طوادیہ اورطواسین نقل کیا ہے جس کا بظاہر کوئی مفہوم واضح نہیں ہے،بعض محققین نے اسے الروضۃ والطّواسین لکھا ہے یہ بھی غیر واضح ہے، البتہ اس کا نسخہ آلر و طہ و الطّواسین بھی ہے اوریہی صحیح معلوم ہوتا ہے،قرآن مجید میں پانچ مقامات پرآ لر ہے جن کے اعداد ۱۱۵۵ ہیں اورایک مقام پر طہ ہے جس کا عدد ۱۴ ہے اور تین طواسین ہیں جن کا مجموعی عدد ۲۸۷ ہے، لہٰذا ۱۱۵۵+۱۴+ ۲۸۷ = ۱۴۵۶ ہوتا ہے جو غالبًا بھیانک اور عالمگیر جنگوں کا سال ہے جس کے بعد کسی بھی سال سرکارؑ کا ظہور ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مجلسی نے ان دونوں روایتوں کوتوقیت کی روایت قرار دے کر حاشیہ میں اس کی توجیہہ فرمائی ہے، میرے خیال میں ان دونوں روایات میں سے کسی میں بھی سالِ ظہور کی توقیت نہیں ہے بلکہ ظہور سے قبل کے کسی ایسے سال کی پیش گوئی ہے جوظہور سے قریب ترین ہے۔

لیکن حق یہی ہے کہ کچھ نہیں معلوم کہ ظہور کب ہوگا؟ اور ساری علامتیں کب پوری ہوں گی، یہ جتنی باتیں اوپر بیان ہوچکی ہیں میرے ذاتی خیال کے مطابق یہ سب قیاس آرائیاں ہی ہیں، حقیقت کو نہ تو کوئی جانتا ہے اور نہ ہی جان سکتا ہے کیونکہ رازِ اِلٰہی تک رسائی اِس دنیا کے کسی شخص کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور ناممکن ہے۔ البتہ علامتوں کا سرعت سے ہونا پوری انسانیت کیلئے اس بات کا اعلان ہوسکتا ہے۔[واللہ اعلم بالصواب]

ہم تو صرف دلِ اُمید میں انتظار کی شمع جلائے اورمنتظَر پاک ذات کی راہ میں

آنکھیں بچھائے ہمیشہ یہی دعا ہی کرتے رہیں گے کہ آل اللہ طیبین و طاہرین المعصومین علیہم الصلواۃ والسلام کے پاک منتقم عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور چشم زدن سے بھی پہلے ہوتا کہ صدیوں سے محزون دِلوں سے رنج والم کے داغ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دُھل جائیں۔

﴿آمین یا رب العالمین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

امل المشتاقینؐ

عجل الله فرجه الشريف و صلوات الله عليه

الحمد لله رب العالمين و صل علىٰ محمدؐ و آلهٖ اجمعين خصوصاً على حجة الله فى العالمين عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علىٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

اے عشاقِ مشتاق!

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے اسمائے مبارکہ کی تشریحات پر مبنی گفتگو جاری رکھے ہوئے ہیں اور میں مالک ازل و ابد کے عطا کردہ شعور کے مطابق وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی اسم مبارک پہ روشنی ڈالتا رہتا ہوں اور کئی اسرار کھولنے کی کوشش کرتا ہوں اور کچھ نا کردنی باتیں بھی سرزد ہو جاتی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کوئی بد بخت اپنے خرافاتی

شرمناک اور مذموم نظریات وعقائد کو بیان کرتے ہوئے رتی برابر شرم محسوس نہیں کرتا تو ہم شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف اور ان کے اجداد طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام کے فضائل بیان کرتے ہوئے کیوں ڈرتے ہیں؟ اس لیئے بعض چیزیں میں کھول کر بیان کر جاتا ہوں اور جو باتیں راز رکھی جاتی ہیں وہ بھی دشمن کے ڈر سے نہیں بلکہ اپنوں کے ڈر سے انہیں مخفی رکھا جاتا ہے تاکہ کوئی اپنا ہلاک نہ ہو جائے۔

دوستو!...... آج ہمارے پیش فکر و بیان شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا جو اسم مبارک ہے وہ ہے

جناب شہنشاہ معظم امل المشتاقین عجل اللہ فرجہٗ الشریف

یہ اسم مبارک بھی مرکب اسمائے مبارکہ میں سے ہے یعنی اس کے دو الفاظ ہیں پہلا ہے ''امل'' جس کے معنی ہیں اُمید مگر وہ اُمید جو دماغ پر چھائی ہوئی ہو یا ذہن جس پر رکا ہوا ہو، جیسا کہ تَاَمّل الامر وفیہ کے معنی ہیں

کسی چیز کے بارے میں زیادہ دیر تک سوچنا، اس لیئے امل کے معنی جہاں اُمید کے ہیں وہاں اس میں سوچ کے مرتکز ہونے کے بھی ہیں۔ دوسرا لفظ ہے مشتاق جس کے معنی ہیں کسی چیز کے دیکھنے یا پانے کے شوق میں بیقرار

اب ان دونوں الفاظ کو یکجا کیا جائے تو معنی ہوتے ہیں

''دیدار کیلیئے تڑپنے والے عاشقوں کی اُمید مجسم جو عشاق کی سوچ کی محور ہو وہ ہیں ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف''

دوستو!...... اس حقیقت سے کوئی انکارنہیں کرسکتا کہ عشق کا قیام صرف اورصرف اُمید ہی پر ہوتا ہے، جب انسان کوکسی سے عشق ہوتا ہےتو عشق کے بعد جو چیز سب سے پہلے عاشق کے دل میں پیدا ہوتی ہے وہ ہوتی ہے اُمید، اپنے محبوب کو پانے کی اُمید، اس کے دیدار کی اُمید، اس سے ملاقات کی اُمید، یعنی عاشق کا اوڑھنا بچھونا اُمید ہوتی ہےاور محبت کرنے والے دل کا واحدسہارا اُمید ہوتی ہے۔

دیکھئے دوستو!...... جب انسان محبت کرنا شروع کرتا ہےتو پانے کی اُمید ہوتی ہے، اگر دوسری طرف سے دل شکنی ہو، بے زاری ہوتو حالات بدلنے کی اُمید ہوتی ہے، اوراگر جدائی ہوتو ملنے کی اُمید ہوتی ہے، اگر رُوٹھنا ہوتو منّنے کی اُمید ہوتی ہے یعنی عشق کی کشتی کے دونوں کنارے اُمید سے قائم ہوتے ہیں، اگراُمید ہی نہ رہےتو پھر عشق عذاب بن جاتا ہے، پیار قیامت ہوجاتا ہے۔

دنیاوالے یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا اُمید پرقائم ہے،اور ہماری دنیا کی اُمید ہی قائم عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہیں

متاعات ثلاثہ

دوستو!...... انسان کتنا بڑا ہی دھنوان کیوں نہ ہواس کے پاس صرف تین سرمائے ہوتے ہیں

نمبرایک...... مال ودولت منقولہ وغیرمنقولہ جائیداد

نمبردو...... جان اپنی یااپنے قریبیوں کی

نمبر تین ......عزت و ناموس

دوستو !......جس طرح انسان کے سرمائے تین ہیں اسی طرح اس کی محبت یا دوستی کی شدت یا پٹنسی (Potency) کی تین مقداریں ہوتی ہیں یعنی تین درجات ہوتے ہیں جن سے ہم اس کی محبت کی شدت کو ماپ یا پرکھ سکتے ہیں

اُلفت

جب انسان کسی سے ایسی محبت کرتا ہو کہ جس میں وہ اس پر صرف اپنا مال قربان کر سکے یا مالی مدد و نصرت تک محدود ہو تو اس وابستگی کیلئے عربی میں لفظ ''الفت'' استعمال ہوتا ہے، کیونکہ انسان کی متاع ادنیٰ مال ہے اور وہ اس پر متاع ادنیٰ قربان کر رہا ہوتا ہے اس لیئے یہ وابستگی محبت کا ادنیٰ ترین اور پست ترین درجہ شمار ہوتی ہے، اگر اسے محبت کا نام نہ بھی دیں تو بھی درست ہوگا کیونکہ تالیف محبت ہوتی ہی نہیں اور جو مال تک کی قربانی سے گریز کرتا ہے وہ تالیف کے دائرے سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔

محبت

دوستو !...... انسان کی دوسری متاع ہوتی ہے ''جان'' اگر انسان کسی کی محبت میں جان تک کی قربانی دے سکتا ہو اور اسے گھاٹے کا سودا تصور نہ کرے تو اس محبت کو عربی میں '' محبت'' کہتے ہیں اس میں نچلے درجے والی چیز خود بخود شامل ہو جاتی ہے یعنی جس کی دوستی اور محبت میں مال اور جان دونوں کی قربانی دی جا سکے اسے عربی میں ''محبت'' کہتے ہیں۔

مؤدت

دوستو!......جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ انسان کے تین سرمائے ہیں جن میں سے سب سے بڑی متاع و دولت ہے انسان کی عزت و ناموس۔

اگر انسان کسی کی محبت کے اس مقام تک پہنچا ہوا ہو کہ جہاں وہ اپنی عزت و ناموس کی قربانی دینے پر بھی آمادہ ہوسکتا ہو تو اس محبت کو عربی میں مؤدت کہتے ہیں یعنی انسان کے دل میں اگر محبت اِس قدر شدید ہو کہ کسی پر وہ اپنا مال و جان اور عزت و ناموس تک کی قربانی دینے تک کو گھاٹے کا سودا نہ سمجھتا ہو تو پھر اس محبت کا نام مؤدت ہے......اس لیئے اللہ جل جلالہ نے فرمایا تھا کہ

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدّا

(سورہ مریمؑ 96)

جو لوگ ایمان لائیں گے اور وہ اعمال صالح بجالائیں گے تو عنقریب اللہ جل جلالہ ان کیلیئے ایک مقام مؤدت قرار دے گا۔

اسی طرح جب لوگوں نے رسالت کا اجر دینے پر آمادگی ظاہر کی تو اللہ جل جلالہ نے سورۂ شوریٰ میں فرمایا۔

☆قُل لَّا أَسأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِىْ الْقُرْبىٰ

یعنی اگر مؤدت سے بڑھ کر انسان کے پاس کوئی دولت ہوتی تو اللہ جل جلالہ یہی دولت طلب فرماتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے مؤدت ہی کو طلب

کیا ہے کہ قربیٰ پر جان و مال وعزت و ناموس تک کی قربانی دینا ہی رسالت کا اجر ہے، اگر ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی فی القربیٰ سے عزیز جانا یا اُن پر قربان کرنے سے ذرہ بھر ہچکچائے تو شرائط مؤدت پوری نہ ہوں گی اور تم اجر رسالت کے چور اور نادہندہ قرار پاؤ گے۔

اس بات سے تو سارے لوگ آشنا ہیں کہ مال صدقہ ہوتا ہے جان کا، اور جان صدقہ ہوتی ہے عزت و ناموس کا، اور عزت و ناموس صدقہ ہوتے ہیں دین کا، اور ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ عزت و ناموس جس پر قربان کیئے جا سکتے ہوں اسے مؤدت کہا جاتا ہے یعنی ثابت ہوا کہ دین ہے ہی ''مؤدت''

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مؤدت کی دو صورتیں ہوتی ہیں

( ) مؤدت قصدی ( ) مؤدت غیر قصدی

مؤدت قصدی یہ ہوتی ہے کہ انسان احسانات اور فرائض کو دیکھتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی جان مال وعزت و ناموس تک کی قربانی دیتا ہے مگر اس میں وہ اپنے فرائض کو سمجھ کر نہ چاہتے ہوئے بھی یہ قربانیاں پیش کر دیتا ہے جبکہ اس میں اسے وہ خوشی محسوس نہیں ہوتی جو کہ ہونا چاہیے، اسے عربی میں مؤدت کہتے ہیں اور عرفا اسے مؤدت قصدی کا نام دیتے ہیں۔

( ) مؤدت غیر قصدی وہ ہوتی ہے جو انتہائی شوق واشتیاق میں جان و مال وعزت ناموس تک کو قربان کرنے پر آمادہ کر دے، اس مؤدت غیر قصدی کو عربی میں ''عشق'' کہتے ہیں بالفاظ دیگر عشق اور مؤدت میں یہ فرق ہے کہ ''عقل وشرع کے

حکم سے جذباتی اٹیچ منٹ(Attachment) کے بغیر قربانیاں دینا مؤدت ہے' اور بھرپور جذباتی انداز میں انتہائی کمالِ شوق سے قربانیاں دینا مؤدت نہیں ہوتا بلکہ عشق ہوتا ہے۔

مؤدت اور عشق میں یہ بھی فرق ہوتا ہے کہ مؤدت کرنا پڑتی ہے اور عشق کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ یہ مالک کی عطائے محض ہے۔مؤدت اور عشق میں یہ بھی فرق ہے کہ مؤدت عشق کی ابتدا ہے اور عشق مؤدت کی انتہا کا نام ہوتا ہے۔اس لیئے ہمیں مؤدت کرنے کا حکم ہوا ہے عشق کرنے کا نہیں کیونکہ یہ کرنے سے ہوتا ہی نہیں۔

دوستو!...... یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی مؤدت اور عشق منفی بھی ہوتے ہیں اور مثبت بھی ہوتے ہیں یعنی اگر راہ حق پر مالکانِ حقیقی سے عشق ہوتو وہ عشق اِلٰہی قرار پاتا ہے اور اگر کسی غیر اللہ کا عشق ہو جیسا کہ ہمارے سامنے رومانی کہانیوں میں اور فیچر فلموں میں دکھایا جاتا ہے تو یہ بت پرستی ہوتی ہے اسی لیئے شعرا اپنے محبوب مجازی کو صنم یعنی بت ہی کہتے ہیں جیسا کہ ایک شاعر کا شعر ہے۔

صنم آج کل کے خدا ہو گئے ہیں ......محبت سے دیکھا خفا ہو گئے ہیں

جب یہ مؤدت غیر اللہ سے ہوتو عبدود بنادیتی ہے اور اگر مالک زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام سے ہوتو عبدالصالح بنادیتی ہے۔

جنون

دوستو!...... جب عشق بڑھ جائے تو یہ ''جنون'' کہلاتا ہے، یہ بھی ایک

حقیقت ہے کہ جو عشق یا پیار ہوتا ہے وہ ایک طرح کا خبط ہوتا ہے، ایک طرح کا جنون ہوتا ہے، عام آدمی کی نظر میں عاشق دیوانہ ہوتا ہے، وہ قیس کی طرح دماغی طور پر ایب نارمل ہوتا ہے، اسی لیئے تو بابا بلھے شاہ سرکارؒ نے فرمایا تھا کہ

تینوں پاگل، پاگل کہندے نے، توں آہو آہو آکھی جا

یعنی جو لوگ خود دنیا کے پیچھے پاگل ہیں وہ تمہیں پاگل کہتے ہیں

دوستو! ......آج آپ کو ایک دلچسپ بات سنانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں شب جمعہ اور جمعہ کے دن مجلس عزا ہوتی ہے، اور ہوتا یہ ہے کہ اس مجلس عزا میں جتنے ذاکرین ومقررین تشریف لاتے ہیں انہیں تاکید ہوتی ہے کہ جمعہ کا روز ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی طرف منسوب دن ہے اس لیئے اس دن زیادہ سے زیادہ ان کا ذکر کیا جائے اور خصوصی طور پر ہر ذاکر دعائے تعجیل فرج ضرور کرے اور ہمارے اپنے جو ذکر پاک کرنے والے ہیں وہ میری دعائیہ نظمیں، دعائیہ قصائد، دعائیہ قطعات و رباعیات وغیرہ پڑھتے ہیں اور دورانِ مجلس نعرہَ حیدری کے ساتھ ساتھ ایک صدا بھی دی جاتی ہے۔

''یا مولا صاحبؑ الزمان ...... ہر دم ہووی امان

ہونون خوشیاں دے اعلان ......لکھیں نانویں تھیوی پاک خاندانؑ

حق یا علیؑ علیہ الصلواۃ والسلام مدد''

یہ صدا ہر آذان کے بعد بھی دی جاتی ہے اور ہر نماز کے بعد بھی یہی صدا دی جاتی ہے، یہ ہمارا معمول ہے۔

اب ہوا یہ کہ کچھ حضرات یہاں تشریف لائے اور انہوں نے شب جمعہ اور جمعہ کے مجالس سنے، ان میں دعائیں سنیں، صدائیں سنیں، نماز و آذان کے بعد والی صدائیں سنیں، اور عام نشستوں میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ذکر پاک سنا، انہوں نے ہر آدمی کو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ذکر کرتا ہوا پایا تو انہوں نے اپنے دوستوں کے سامنے ہمارے بارے میں یہ کومنٹس(Comments) پاس کیئے اور فرمایا کہ

"ہمیں اس جماعت کی ذہنیت پر ترس آتا ہے ان بیچاروں کو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا وہم اور خبط پڑ گیا ہے، یہ لوگ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے خبط میں اس درجہ مبتلا ہیں کہ ہمیں تو شک ہوتا ہے کہ یہ لوگ مینٹلی(Mentally) طور پر ڈسٹرب(Disturb) ہو چکے ہیں"

ان کے ساتھیوں نے بھی شاید ان کی ہمنوائی کی ہوگی مگر انہوں نے یہ بات مجھے آکر بھی بتادی، جب انہوں نے مجھ سے بات کی تو مجھے یہ بات سن کر انتہائی خوشی ہوئی اور میں نے مالک پاک عجل اللہ فرجہ الشریف کا شکر ادا کیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو بھی آتا ہے وہ کسی نہ کسی خبط میں ضرور مبتلا ہوتا ہے کسی کو شہرت کا خبط ہوتا ہے، کسی کو عورت کا، کسی کو زمین کا، کسی کو دولت کا، اور آپ عام محافل میں لوگوں کے اس خبط کا مظاہرہ دیکھ سکتے ہیں یعنی جو جس خبط میں مبتلا ہوتا ہے اس کا فیورٹ (Favorite) موضوعِ گفتگو وہی ہوتا ہے، میں نے اہل سیاست کے ساتھ بیٹھ کر دیکھا ہے ان کا اوڑھنا بچھونا سیاست ہوتی ہے، میں نے کبوتر بازوں

کو دیکھا ہے، کتے اور گھوڑے رکھنے والوں کی بزم کو دیکھا ہے، کھیلوں کے خبط میں مبتلا لوگوں کو دیکھا ہے، یعنی ہر انسان جس خبط میں مبتلا ہوتا ہے جاگتے سوتے اسی کے بارے میں ہذیانی انداز میں بولتا ہوا نظر آتا ہے، کچھ لوگوں کو بچوں کے جنون میں مبتلا پایا ہے تو وہ کسی بھی بزم میں بیٹھے ہوں ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے لذت محسوس کرتے ہیں، یہ ایک آفاقی مسئلہ ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی جنون و خبط میں مبتلا ضرور ہوگا، آگے اس خابط ومخبوط کے درجات ہوتے ہیں کہ کون کس قدر اچھی چیز کے خبط میں مبتلا ہے اور کون کس قدر بری چیز کے خبط میں مبتلا ہے اور کتنے زیادہ جنون میں مبتلا ہے، مجھے خوشی اس بات کی ہوئی کہ ایک نو وارد کا یہ تجزیہ ہمارے لیئے وہ اعزاز تھا کہ جو قسمت والوں کو نصیب ہوتا ہے۔

جب ہم ماضی کی سیڑھیوں سے اترتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں ایک نبیؐ اپنے نبی بیٹے کی محبت کا مظاہرہ کرتا ہوا نظر آتا ہے اور محبوب سے محبت کرنے کے آداب سکھاتے ہوئے نظر آتا ہے اور اللہ جل جلالہ مزے لے لے کر اس کا قصہ بیان فرماتا نظر آتا ہے، ملاحظہ فرمائیں سورۂ یوسفؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الر تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ

1-الر...... یہ کھلی کتاب کی آیات ہیں۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ

2- یقیناً ہم نے اس قرآن کو عربی (زبان) میں اتارا ہے تاکہ تم

لوگ عقل سے کام لو۔

نَحنُ نَقُصُّ عَلَيكَ أَحسَنَ القَصَصِ بِمَا أَوحَينَا إِلَيكَ هَذَا القُرآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبلِهِ لَمِنَ الغَافِلِينَ

3- جو کچھ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کو وحی کیا ہے اس کے ذریعہ سے ہم تم سے یہ بہترین قصہ بیان کرتے ہیں اور اگر تو اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھا۔

إِذ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبتِ إِنِّي رَأَيتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوكَباً وَالشَّمسَ وَالقَمَرَ رَأَيتُهُم لِي سَاجِدِينَ

4- (وہ وقت یاد کرو) جبکہ یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو (خواب میں) اپنی طرف سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

قَالَ يَا بُنَيَّ لاَ تَقصُص رُؤيَاكَ عَلَى إِخوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيداً إِنَّ الشَّيطَانَ لِلإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينَ

5- اس نے کہا اے میرے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، ورنہ وہ تجھ سے کوئی چال چلیں گے یقیناً شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے۔

جناب یوسف کے بھائیوں نے والد سے عرض کیا کہ آپ ہمارے ساتھ جناب یوسف کو بھیج دیں ہم ان کی حفاظت کریں گے اور ان کی سیر و تفریح ہو جائے گی تو

جناب یعقوب نے فرمایا۔

قَالَ إِنِّی لَیَحْزُنُنِی أَن تَذْهَبُواْ بِهِ وَأَخَافُ أَن یَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ

13-اس نے کہا بے شک مجھے یہ بات رنج میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ، اور اس بات کا بھی خوف ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس بے خبری میں رہو۔

قَالُواْ لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذاً لَّخَاسِرُونَ

14-انہوں نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا گیا، حالانکہ ہم پوری جماعت ہیں، تب تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔

وَلَمَّا دَخَلُواْ عَلَى یُوسُفَ آوَى إِلَیْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّی أَنَاْ أَخُوكَ فَلاَ تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُواْ یَعْمَلُونَ

69-اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی فرمایا یقیناً میں تمہارا (سگا) بھائی ہوں، پس جو کچھ وہ کرتے رہے تھے تم اس پر غم نہ کھاؤ۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِی رَحْلِ أَخِیهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَیَّتُهَا الْعِیرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ

70-پھر جب اس نے ان کا سامان تیار کرا دیا، اس نے پانی پینے کا پیالہ اپنے بھائی (بنیامین) کے پالان میں رکھ دیا، پھر ایک پکارنے

والے نے پکارا، اے قافلہ والو! یقیناً تم لوگ چور ہو۔

قَالُواْ وَأَقْبَلُواْ عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ

71-وہ (قافلہ والے) سامنے ہوکر بولے، تم نے کیا گم کیا ہے؟

قَالُواْ نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاء بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَاْ بِهِ زَعِيمٌ

72-وہ بولے ہم بادشاہ کا (پینے کا) پیمانہ کھو بیٹھے ہیں اور جو اسے لائے گا اسے ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ) ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں

قَالُواْ تَاللّهِ لَقَدْ عَلِمْتُم مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ

73-انہوں نے کہا اللہ کی قسم! یقیناً تم نے جان لیا ہے کہ ہم (یہاں) اس لیئے نہیں آئے کہ زمین میں فساد کریں اور نہ ہی ہم چور ہیں۔

قَالُواْ فَمَا جَزَآؤُهُ إِن كُنتُمْ كَاذِبِينَ

74-انہوں نے کہا، اگر تم جھوٹے ہوئے تو اس کی کیا سزا ہوگی؟

قَالُواْ جَزَآؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ

75-انہوں نے کہا کہ جس کے پالان میں سے وہ (پیالہ) پایا جائے پس وہی (شخص) اس کی سزا ہے، ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔

فَبَـدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاء أَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَاء أَخِيْهِ كَـذَلِكَ كِـدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ إِلاَّ أَن يَشَاءَ اللّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّن نَّشَاء وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ

76- پس اس نے اپنے بھائی کی خرجین سے پہلے ان کی خرجیوں (کی تلاشی) کو شروع کیا ، پھر اس (پیمانہ) کو اپنے بھائی کی خرجین سے نکالا ، اس طرح ہم نے یوسف کیلئے تدبیر کر دی ، وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں لے جا سکتا تھا سوائے اس کے کہ اللہ چاہے ، ہم جس کے درجوں کو چاہیں بلند کرتے ہیں ، اور ہر علم والے سے بڑھ کر زیادہ علم والا (موجود) ہے۔

قَالُواْ إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِيْ نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ أَنتُمْ شَرٌّ مَّكَاناً وَاللّهُ أَعْلَمْ بِمَا تَصِفُونَ

77- وہ بولے اگر اس نے چرایا ہے تو یقیناً اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے ، پس یوسف نے اس کو اپنے دل میں چھپائے رکھا اور اسے ان پر ظاہر نہ کیا ، اس نے کہا تم بہت ہی برے لوگ ہو ، اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

قَـالُـواْ يَـا أَيُّهَا الْعَزِيْزُ إِنَّ لَهُ أَباً شَيْخاً كَبِيْراً فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ

78- وہ بولے اے عزیز ! یقیناً اس کا باپ بہت بوڑھا ہے ، پس تو اس

کی جگہ ہم میں سے ایک کو لے لے، بیشک ہم تجھے احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں۔

قَالَ مَعَاذَ اللّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلاَّ مَن وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ إِنَّـا إِذاً لَّظَالِمُونَ

79-اس نے کہا کہ اس بات سے اللہ کی پناہ کہ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں، تب یقیناً ہم بھی ظالم ہوں گے۔

فَلَمَّا اسْتَيْأَسُواْ مِنْهُ خَلَصُواْ نَجِيّاً قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُواْ أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُم مَّوْثِقاً مِّنَ اللّهِ وَمِن قَبْلُ مَا فَرَّطتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الأَرْضَ حَتَّىَ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ

80- پھر جب وہ اس (یوسف) سے نا اُمید ہو گئے تو مشورہ کیلئے الگ ہو بیٹھے ان میں سے بڑے نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کے سامنے ایک پختہ عہد لیا تھا، اور پہلے سے ہی تم یوسف کے بارے میں کیا کچھ زیادتی کر چکے ہو، پس میں اس زمین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے گا یا اللہ ہی میرے لیئے کوئی فیصلہ نہ کرے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

ارْجِعُواْ إِلَى أَبِيكُمْ فَقُولُواْ يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلاَّ بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ

81-تم سب اپنے باپ کے پاس لوٹ جاؤ، پھر کہو اے ہمارے باپ! یقیناً تیرے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے نہیں گواہی دی مگر اس چیز کی جس کا ہمیں علم ہوا، اور ہم غیب کے نگہبان نہیں تھے۔

دوستو!...... جب جناب یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامینؑ ان کے پاس گئے تو تنہائی میں انہیں بلایا اور ابھی تعارف نہیں ہوا تھا وہاں قصر شاہی میں کھانے کا اہتمام ہوا تھا، وہاں جناب یوسف علیہ السلام نے بھائی سے اپنے سگی ہمشیر سلام اللہ علیہا کے بارے میں سوال کیا کہ اُن کا بھائی کے ہجر میں کیا حال ہے؟

یہ سن کر جناب بنیامینؑ کھڑے ہو گئے اور کہا اے بادشاہ مصر! یہ ٹھیک ہے تو ہمارا محسن ہے مگر محسن ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تو ہمارے اندرون خانہ کی باتوں کی تفتیش کرے اور ہمارے پردہ داروں کا ذکر ہمارے سامنے اس طرح کرے۔

اس وقت جناب بنیامینؑ غصے سے کانپ رہے تھے۔

ان کے خاندان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جب ان پر جلال طاری ہوتا تھا تو ان کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور عین غصے کی انتہا پر اگر کوئی خاندان کا فرد ان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیتا تھا تو ان کا غصہ فوراً ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔

جس وقت جناب بنیامین غصے سے کانپ رہے تھے اس وقت جناب یوسف علیہ السلام کے بیٹے افراسیم جو چار پانچ سال کے تھے ایک سونے کی بال [گیند] سے کھیل رہے تھے اور وہ گیند لڑھک کر جناب بنیامینؑ کی کرسی کے نیچے آ گئی وہ دوڑتے ہوئے آئے اور جناب بنیامینؑ کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا اور جھک کر بال

اٹھائی۔ ہاتھ کاندھے پر آنا تھا کہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، انہوں نے فوراً یہ سوال کیا کہ یہ بچہ کس کا ہے؟

جناب یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ ہمارا بیٹا ہے، انہوں نے عرض کیا یہ آپ کا بیٹا نہیں ہوسکتا یہ تو ہمارے ہی خاندان کا کوئی بچہ ہے جناب یوسف علیہ السلام نے مسکرا کرفرمایا یہ ہمارا ہی بیٹا ہے، انہوں نے کہا اگر یہ واقعی آپ کا بیٹا ہے تو پھر آپ ہی یوسف علیہ السلام ہیں۔انہوں فرمایا آپ نے خوب پہچانا ہے۔

اس طرح ان کی پہچان ہوگئی اوراس کے بعد نجی گفتگو شروع ہوگئی اس میں جناب یوسف علیہ السلام نے سوال کیا بھائی آپ بتائیں کیا آپ بھی مجھے یاد کرتے تھے؟ کیا آپ نے میری جدائی کو بھی کبھی محسوس کیا تھا؟

انہوں نے عرض کیا بھائی! میں نے تمہیں کبھی فراموش ہی نہیں کیا میرے چار بیٹے ہیں میں نے ایک کا نام ''یوسفؑ'' رکھا ہے، دوسرے کا نام ''قمیص'' رکھا ہے، تیسرے کا نام ''الدم'' [خون] رکھا ہے اور چوتھے کا نام میں نے ''الذئب'' [بھیڑیا] رکھا ہے، اور یہ سارے نام میں نے اس لیئے رکھے ہیں کہ جب بھی ہم کسی بیٹے کو بلائیں تو ہمیں آپ کی داستانِ غم یاد آتی رہے اور آپ کا تذکرہوتا رہے۔

اس پر جناب یوسف علیہ السلام نے فرمایا بھائی اب تو مجھے یقین ہوگیا ہے کہ آپ کی محبت میرے ساتھ ناقص ہے کیونکہ آپ کو ہماری جدائی کا صدمہ پوری طرح محسوس ہوتا تو آپ کو شادی کا کبھی خیال بھی نہ آتا آپ نے شادی تو کرلی ہے نہ، آپ بابا جان کو دیکھیں کہ جنہیں کھانے تک کا بھی کبھی خیال نہیں آیا۔

میں نے اپنی غزل کے ایک شعر میں کہا تھا

اُلفت کی سر پرستی میں پڑتے ہیں ایسے نام
یوسفؑ ہے ، بھیڑیا ہے ، یا کُرتا ہے ، یا لہو

وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ

82-اور آپ اس بستی سے پوچھ لو جس میں کہ ہم تھے، اور اس قافلہ سے (بھی) جس میں ہم آئے، اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ عَسَى اللّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

83-(نے) فرمایا (ایسا نہیں ہے) بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیئے ایک بات بنالی ہے، پس صبر ہی بہتر ہے، قریب ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے، یقیناً وہ بہت جاننے والا بڑی حکمت والا ہے

وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَى عَلَى يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ

84-اور اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا ہائے افسوس یوسف پر، اور غم واندوہ کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئیں، پس وہ غصہ کو بہت پینے والا تھا۔

قَالُواْ تَالله تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضاً أَوْ تَكُونَ مِنَ

الْهَالِكِيْنَ

85-وہ بولے اللہ کی قسم ! آپ تو ہمیشہ یوسف ہی کا ذکر کرتے رہیں گے تا اینکہ آپ مضمحل ہو جائیں یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں۔

دوستو!......اللہ کی صداقت کلی جناب امام صادق علیہ الصلواۃ والسلام نے جب اپنی بزم قدسی میں جناب یعقوب علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا تو اس کے بعد فرمایا کہ دور غیبت کے مومنین کی کیفیت ایسی ہوگی جیسے جناب یعقوب علیہ السلام کی کیفیت بیٹے کی جدائی میں تھی اور غیر مومنین کی کیفیت برادران یوسف علیہ السلام جیسی ہوگی ہمارے لیئے یہ لمحہ ءِ فکر یہ ہے کہ کیا ہماری کیفیت جناب یعقوب علیہ السلام جیسی ہے؟ یاان کے بھائیوں جیسی ہے؟

کیا ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے ہجر وفراق میں تڑپ رہے ہیں؟ کیا کبھی ہم نے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے فراق میں گریہ وزاری کی ہے؟ یا ان کی کبھی ضرورت محسوس تک کی ہے؟

فخر عرفاء جناب آغا جان زنجانی رضوان اللہ علیہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے آؤ آج ہم اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے ہجر وفراق میں مل کر گریہ کریں، وہ تو ایسا فرماتے تھے کبھی ہمیں بھی یہ خیال آیا ہے؟

جناب یعقوب علیہ السلام نے تو بیٹے کے ہجر میں رو رو کر آنکھیں سفید کر لی تھیں اور ہماری آنکھوں سے کبھی ایک آنسو نہیں ٹپکا تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے

شہنشاہ زمانہ منعم ازل عجل اللہ فرجہ الشریف کا ہجر محسوس کیا ہے؟

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللّٰهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ

86-انہوں نے فرمایا کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں اپنی بیقراری اور اپنے غم کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔

يَا بَنِيَّ اذْهَبُواْ فَتَحَسَّسُواْ مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلاَ تَيْأَسُواْ مِن رَّوْحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لاَ يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللّٰهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ

87-اے میرے بیٹو! جاؤ، پھر یوسف اور اس کے (سگے) بھائی کی خبر لو، اور تم اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو، یقیناً کافروں کی قوم کے سوا اللہ کی رحمت سے کوئی بھی نا اُمید نہیں ہوتا۔

جس وقت جناب یعقوب علیہ السلام نے یہ تاکید فرمائی تو بیٹے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم آپ تو عرصے سے جناب یوسف علیہ السلام کے خبط میں مبتلا ہیں۔

یہ ہے ایک نبیؑ کے عشق و ہجر کی داستان کہ جس میں اور تو اور خود ان کے خاندان والے انہیں دیوانہ اور خبطی کہہ رہے ہیں، حتیٰ کہ ان کے اپنے بیٹے بھی انہیں خبطی اور بھٹکا ہوا کہہ رہے ہیں...... کہتے ہیں

إِنَّ أَبَانَا لَفِيْ ضَلاَلٍ مُّبِيْنٍ

آیہ نمبر 8...... ہمارے بابا تو صاف صاف بہکے ہوئے ہیں۔

بہکی بہکی باتیں کرنے والے ہیں، انہیں وہم ہوگیا ہے، سارے انہیں مجنون مانتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ انہیں جناب یوسف علیہ السلام کا وہم ہوگیا ہے

فَلَمَّا دَخَلُواْ عَلَيْهِ قَالُواْ يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ

88- پھر جب وہ اس (یوسف) کے پاس آئے تو انہوں نے کہا اے عزیز ہمیں اور ہمارے کنبہ والوں کو تکلیف پہنچی ہے، اور ہم تھوڑی پونجی لے کر آئے ہیں، پس تو ہمیں پورا ماپ (غلہ) دے اور ہم پر احسان کر، یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کو (نیک) جزا دیتا ہے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ

89- اس نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے (سگے) بھائی کے ساتھ کیا (سلوک) کیا تھا جب کہ تم نادان تھے۔

قَالُواْ أَإِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَاْ يُوسُفُ وَهَـذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيِصْبِرْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ

90- وہ بولے کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ اس نے کہا میں (ہی) یوسف ہوں اور یہ میرا (سگا) بھائی ہے، یقیناً ہم پر اللہ نے احسان کیا ہے، بیشک جو پرہیزگار رہے اور صبر کرے تو یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

قَالُواْ تَاللّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَاطِئِينَ

91- وہ بولے اللہ کی قسم! یقیناً اللہ نے آپ کو ہم پر فوقیت دی ہے اور ہم ضرور خطا کار ہیں۔

قَالَ لاَ تَثْرَيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

92- اس نے کہا آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمہیں بخش دے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

دوستو!...... حقیقت یہ ہے کہ جناب یعقوب علیہ السلام نبی تھے، ان سے جناب یوسف علیہ السلام کبھی پوشیدہ نہیں ہوئے تھے، وہ اچھی طرح دیکھ رہے تھے، وہ جناب یوسف علیہ السلام پر لمحہ بہ لمحہ نگاہ رکھے ہوئے تھے، اور علم نبوت کی وجہ سے جب وہ گھر میں بیٹھ کر فرماتے کہ دیکھو اب ہمارے یوسف کو زندان سے نکالا جا رہا ہے، اب انہیں شاہی مل گئی ہے، وہ کھانا کھا رہے ہیں، اب تخت پر بیٹھے یہ خطبہ دے رہے ہیں، اس طرح وہ جناب یوسف علیہ السلام کے معمولات کی رننگ کمنٹری فرماتے تھے تو سارے یہی کہتے تھے کہ انہیں جناب یوسف علیہ السلام کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں اور سارا دن ان کے بارے میں بے معنی باتیں کرتے رہتے ہیں، ان پر بیٹے کا خبط سوار ہے، جو منہ آتا ہے کہتے چلے جاتے ہیں۔

جناب یوسف علیہ السلام کو جب بھائیوں نے بتایا کہ بابا بزرگوار کی کیا کیفیت ہے تو جناب یوسف ہر فقرے پر بے تحاشہ روتے رہے۔

اب دیکھیں ایام ہجر ختم ہونے کو آئے، جناب خلیخا جنہوں نے گھوارے میں جناب

یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی گواہی دی تھی وہ اس وقت اگر چہ نوعمر تھے مگر انہی کو جناب یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیص دے کر بشیر [خوشخبری دینے والا] بنا کر بھیجا تھا اور فرمایا۔

اذْهَبُواْ بِقَمِيصِى هَـٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِى يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِى بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ

93- میرا یہ کُرتا لے جاؤ پھر اسے میرے باپ کے منہ پر ڈال دو وہ بینا ہو جائے گا، اور تم اپنے سب کنبہ کو لے کر میرے پاس آ جاؤ۔

اور جس وقت انہوں نے فرمایا کہ آج میرا یوسف میرے پاس اپنا قاصد بھیج رہا ہے اس کے ہاتھ میں قمیص ہے۔ کنعان سے مصر اٹھارہ دن کے فاصلے پر تھا جب بشیر آٹھ دن سفر کر چکا تو انہوں نے فرمایا۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّى لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تُفَنِّدُونِ

94- اور جس وقت یہ قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا ان کے باپ نے کہا یقیناً میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں، اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو تو آج تو ہمیں بیٹے کی خوشبو بھی آ رہی ہے۔

سارے یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ جناب بیٹے کی محبت میں نعوذ باللہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو چکے ہیں اس لیئے بولے جا رہے ہیں، اس لیئے سب نے یہی کہا کہ

قَالُواْ تَاللّٰهِ إِنَّكَ لَفِى ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ

95- وہ بولے اللہ کی قسم! یقیناً آپ (محبتِ یوسفؑ کی) قدیمی وارفتگی میں ہیں، مگر انہوں نے کیا فرمایا۔

قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّیٓ أَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ

تم کیا جانو ہمیں تو اللہ نے وہ علم عطا فرمایا ہے جو تمہیں حاصل ہی نہیں اور ہم جو باتیں فرمارہے ہیں یہ اسی علم کی وجہ سے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہمارا بیٹا اس وقت مصر کا شہنشاہ ہے۔

دوستو!...... یہاں پہنچ کر ہمیں بھی سوچنا چاہیے کہ جناب یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ان کا یوسف علیہ السلام کسی دکھ میں مبتلا نہیں بلکہ حاکم مصر ہے اور ہمیں یہ معلوم کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف غیبت میں خون کے آنسو بہا رہے ہیں اور صبح شام فرماتے ہیں۔

☆لا بكين لك بدل الدموع دماً

اے جد مظلوم علیک الصلواۃ والسلام! ہم تو آپ کے دکھوں میں اشکوں کی بجائے لہو کے آنسو برسا رہے ہیں۔

اب ان باتوں کے معلوم ہونے کے بعد ہماری کیفیت کیا ہے؟ برادران یوسف علیہ السلام جیسی کہ جو رونے والوں کو دیوانہ سمجھتے ہیں یا خود رونے والوں میں شامل ہیں؟ بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ ایک مہربان نے ہمارے بارے میں فرمایا تھا کہ ان لوگوں کو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا وہم ہوگیا ہے، یہ لوگ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہیں۔ میں یہ عرض کروں گا کہ یہ ان کا حسن ظن تھا کہ وہ ہمارے بارے میں

وہ الفاظ استعمال فرما رہے تھے کہ جو جناب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے والد کے بارے میں کہے تھے، یہ ان کہنے والوں کی نیک گمانی ہے کہ انہوں نے اس درجہ پہ ہمیں فائز سمجھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم اس مقام اعلیٰ سے ابھی کوسوں دور ہیں۔ اسی موقع پر میں نے خوش ہو کر ایک قصیدہ تحریر کیا تھا جو اگلے صفحہ پر تحریر ہے۔

ہاں دعا کرتے ہیں کہ خالق ہمیں اپنے محبوبِ ازل عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی محبت کی تڑپ اتنا زیادہ عطا فرمائے جس سے ہم ان کے غلاموں میں شامل ہو جائیں۔

﴿آمین یا رب العالمین﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجك و صلوات اللہ علیك و علیٰ آبائك الطاہرین المعصومین

قصیدہ پاک

جیوے جگ تے حسنؑ دا لعل اللہ بھانویں ساڈے بھانگے
وسے سدا امڑیؑ دے نال اللہ بھانویں ساڈے بھانگے

......☆......

ساڈی قسمت ازل توں روشن ہے ساڈا بخت سجاگ ہمیشہ ہے
ساڈے ہر توں نصیب نرالے ہن ساڈا جاگدا بھاگ ہمیشہ ہے
لکھ تھیوے ساڈا سوہنڑاں لکھ پال اللہ بھانویں ساڈے بھانگے

......☆......

ہن گھٹ اساں جتنے ناز کروں ساڈا ناز دے لائق مقدر ہے
ساڈے سیت تے دنیا رشک کرے ساڈی جھولی بخت دا کل گھر ہے
کیوں جو ازلاں دا سخی لجپال اللہ بھانویں ساڈے بھانگے

......☆......

جگ طنز دے رنگ وِچ آہدا ہے سخی صاحبؒ زمان اِنہاں دا ہے
لکھ شکر کریندے ہائیں وارثؒ دا ساڈے نال جڑاں ناں آندا ہے
ساکوں پک ہے جو سخی ہر حال اللہ بھانویں ساڈے بھانگے

......☆......

ذرہ بھر ایں گالھ دے وِچ شک نہیں لجپال ساکوں شرمیسی نہیں
توفیق وفا دی خود ڈیسی ساکوں میڑھیں ہاب کریسی نہیں
جئیں تے ناز کریندی کل آلؑ اللہ بھانویں ساڈے بھانگے

......☆......

جیڑے بدعملے اساں ہائیں جعفرؑ منسوب اُوہیں دوتھیندے ہائیں
ساڈے عیباں دا کج لکھ تھیوے اساں کل اُوندے سڈویندے ہائیں
جیوے امڑی دا بخت اِقبال اللہ بھانویں ساڈے بھانگے

......☆......

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

مذاکرہ

الحمد للہ رب العالمین و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجة الله فی العالمین عجل الله فرجه الشريف و آبائه المعصومين و امهاته الطاهرين الطيبين صلوات الله عليهم اجمعين و لعنة الله علیٰ اعدائهم اجمعين من يوم الازل الى يوم الدين

قارئین محترم!

میں اِس بات سے آپ کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن دِنوں ہمارے سید و سردار پاک مرشد زادہ اُستادی المکرّم شہزادہ السید محمد جعفر الزمان اپنے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے اسمائے مبارکہ پر خطاب فرما رہے تھے تو اکثر اوقات یوں بھی ہوتا تھا کہ بعد از خطاب مختلف لوگ بات کو صحیح معانی میں سمجھنے کیلئے آپ سے سوالات کیا کرتے تھے کہ آقا! فلاں بات کا کیا مطلب ہے؟ یا یہ بات آپ نے فرمائی اس کی مزید کچھ وضاحت فرما دیں وغیرہ وغیرہ
تو لوگوں کے سوالوں کے جو جواب آپ دیا کرتے تھے اُن میں سے کچھ حصہ ہم

سوال و جواب کی صورت میں اپنے قارئین کی خدمت میں اُن کی تسکین قلب کیلئے پیش کرنا چاہتے ہیں تا کہ اطمینان کے ساتھ وہ تسلیم بالقلب کی منزل پر پہنچ سکیں

سوال

ازلیت و ابدیت تو اللہ عزوجل کیلئے مخصوص ہے، آپ خاندانِ رسالت کیلئے بھی ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ جن سے ان کی ازلیت و ابدیت ثابت ہوتی ہے جس سے شرک کا شائبہ ہونے لگتا ہے، اس بات کو ذرا واضح فرما دیں

جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ...... بھائی صاحب یہ جو تصور ہے کہ ازل و ابد مخصوص ہے اللہ جل جلالہ کیلئے، یہ متکلمین کا وضعی نظریہ ہے، کیونکہ ہر چیز کی ایک اپنی ازل ہوتی ہے اور اپنی ابد ہوتی ہے۔ ازل کا مقصد نقطۂ آغاز ہے، جب میں یہ کہتا ہوں کہ ''میرا منعمؑ ازل'' تو اس میں منعمؑ کے ساتھ میرا وجود بھی ازلی ثابت ہو جاتا ہے، یعنی اگر میں ازل میں نہیں تھا تو مجھ پر نزول نعمت کیسے ہوا؟

بات یہ ہے کہ ازل ہر چیز کے سٹارٹنگ پوائنٹ(Starting Point)[نقطۂ آغاز] کا نام ہے کیونکہ اللہ عزوجل کا کوئی آغاز ہی نہیں ہے تو اس کیلئے متکلمین کو ازل کی تعریف بدلنا پڑی، اور کہا گیا کہ ازل سے مراد ہے کہ جس سے قبل عدم نہ ہو لیکن عرفاء کرام نے وجودِ اربعہ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر چیز کے چار وجود ہوتے ہیں

( ) وجود علمی و ذہنی ( ) وجود ملفوظی ( ) وجود مکتوبی ( ) وجود حقیقی

یعنی سب سے اول جو وجود ہوتا ہے وہ وجودِ علمی و ذہنی ہوتا ہے

کیونکہ اللہ عزوجل کا علم قدیم و ازلیت اِلٰہیہ کا حامل ہے یعنی جب سے اللہ جل جلالہ ہے تب سے اس کا علم بھی ہے، جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ہمیشہ سے عالم ہے تو یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ جو اس کا معلوم ہے وہ بھی ہمیشہ سے ہے، کیونکہ علم بغیر معلوم کے علم نہیں کہا جا سکتا، اسی تائید میں آپ المحاسن اور تفسیر مجمع البیان کی وہ روایات دیکھیں جو سورہ دہر کی اولین آیت کے اس جملے کے بارے میں ہیں

☆ لَمۡ یَکُن شَیۡـًٔا مَّذۡکُوراً

اس کے ضمن میں امام محمد الباقر علیہ الصلواۃ والسلام اور امام جعفر الصادق علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ انسان علم میں شی مذکور تھا لیکن خلقت میں نہیں تھا اس سے ثابت ہوا کہ انسان کا وجود علمی علم اِلٰہی کی طرح قدیم و ازلی ہے اور وجود خلقی حادث ہے، اور انسان کا وجود علمی در علم اِلٰہی ازلی و ابدی ہے، اگر اس بات سے انکار کیا جائے تو نعوذ باللہ اللہ جل جلالہ لاعلم ثابت ہو جائے گا

یہاں صوفیائے کرام کے نظریے کو بھی پیش کرنا لازم ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم جسے کائنات کا وجود حقیقی سمجھ رہے ہیں یہ بھی اللہ جل جلالہ کے علم میں اس کا وجود علمی ہے اور یہ کائنات ابھی تک عدم سے نہیں نکلی، اور یہ ہمارے مشاہدات ایسے ہیں جیسے انسان ایک خیالی سٹوری کے کرداروں کو ذہن میں چلاتا پھرتا ہے، ورنہ یہ کائنات یہ انسان ابھی اللہ جل جلالہ کے علم سے خارج ہوا ہی نہیں ہے۔

یہاں پہنچ کر میں عرض کروں گا کہ میں جب ان ذوات اقدس علیہم الصلواۃ والسلام کو ازلی کہتا ہوں تو اس سے مراد ان کی اپنی ازلیت ہے جو اول ما خلق اللہ نوری کی مصداق ہے، اور ان کی ازلیت کاملہ اللہ کے نورِ علم میں ان کے وجود نوری کی ازلیت ہے، اور یہ تو ثابت ہوگیا ہے کہ علم اِلٰہی میں ہر چیز ازلی و ابدی ہے، ان کی اور اللہ جل جلالہ کی ازلیت میں فرق یہ ہے کہ ان کی ازلیت بحیثیت معلوم کے ہے اور اللہ کی ازلیت بحیثیت عالم کے بھی ہے اور حقیقی بھی ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ لفظ قدیم بھی ازلیت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس کی بھی یہی کیفیت ہے کہ علم کلام والا قدم جو حدوث کی ضد ہے وہ ایک مختلف چیز ہے ورنہ لفظ قدیم تو خود اللہ جل جلالہ نے کھجور کی شاخِ کہنہ پر بھی ☆کالعرجون القدیم کہہ کر استعمال فرمایا ہے، اس لیئے لفظوں کو اُن کے دائرۂ استعمال سے آگے تک لے جانا ایک غیر علمی رویہ ہوتا ہے، جیسا کہ کوئی لفظ ''عرجون القدیم'' کھجور کی شاخ کو اللہ کی طرح قدیم ثابت کرنے کی کوشش کرے، تو اسے عالم نہیں مانا جائے گا۔

سوال

آپ خاندان پاک کے بارے میں ابدیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو کیا اس میں شرک باللہ کا شائبہ نہیں ہے؟ کیونکہ عوامی نظریہ ابدیت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی ابدی نہیں ہے۔

جواب

بھائی صاحب جس طرح ازلیت اِلٰہی ایک جداگانہ چیز ہے، اسی طرح ابدیت اِلٰہی بھی ایک جداگانہ چیز ہے جس کی مکمل وضاحت پہلے ہم کر چکے ہیں۔

سوال

آپ نے کئی مقامات پر مولوی کو مطعون کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ علماء کرام کے خلاف ہیں اور ان کے بارے میں جارحیت کو جائز سمجھتے ہیں۔

جواب

میں نے پہلے بھی گذارش کی ہے کہ ہمیں لفظوں کے دائرہ استعمال سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جب کوئی لفظ استعمال ہوتا ہے تو وہ اپنے مرادات تک محدود ہوتا ہے اس سے آگے کوئی اسے گھسیٹتا ہے تو یہ علمی جارحیت ہے یا جاہلیت ہے جیسا کہ ہم معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کے فرمان میں دیکھتے ہیں

☆ العلماء اشرار خلق الله [بحار]

☆خدامنا اشرار خلق الله [بحار]

یعنی علماء ساری خلقت سے زیادہ شریر و بدترین ہوتے ہیں، یا یہ فرمایا گیا کہ ہمارے خدام بدترین افراد ہیں، تو ان فرامین سے کوئی بھی تعمیم قائم کرنا جائز نہیں ہے بلکہ لفظ ''اشرار'' مخصوص علماء کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی جو علمائے سُو ہیں، جبکہ فضائل علماء پر مبنی روایات واحادیث سے ہماری کتب چھلک رہی ہیں، اب جیسے

علماء کے فضائل میں ہر عالم شامل نہیں، اسی طرح مذمت علماء میں بھی ہر عالم شامل نہیں ہوتا۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مجھ جیسے مبتدیان علم تو علمائے ربانیین کو جس عقیدت سے دیکھتے ہیں شاید کوئی دوسرا آدمی دیکھتا ہو یا دیکھ سکتا ہو، اس لیئے جہاں بھی علماء کی مذمت دیکھیں چاہے حدیث میں ہو یا کسی عارف کے کلام میں یا مجھ جیسے بے علم کی گفتگو میں تو وہاں تعمیم نہ بنائیں بلکہ اس سے مخصوص لوگ ہی مراد ہوتے ہیں جیسا کہ میرے ساتھ ایک مولوی صاحب مباحثہ کررہے تھے اور وہ اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ پاک خاندان علیہ الصلواۃ والسلام کی نوع ہمارے جیسی ہے اور نعوذ باللہ وہ بشر محض ہی تھے اور ان کی باطنیت کا ڈھونگ صوفیاء کا رچایا ہوا ہے

اگلے دن میں نے جو خطاب کیا تو اس کا عنوان ہی خاندان پاک علیہ الصلواۃ والسلام کی سریت ہی کو رکھا اور اس میں میرا لب ولہجہ جارحانہ بھی تھا اور اُس وقت کے جتنے خطاب ہوئے سب میں میرا لہجہ تلخ رہا تھا، جس کا بعد میں مجھے احساس بھی ہوا مگر وہ میری ایک طرح کی مجبوری بھی تھی کیونکہ توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد علمی رویے قائم رکھنا بڑا مشکل کام ہے جو مجھ جیسے کم علم کیلیئے ناممکن تھا۔

ایک مرتبہ کشمیر سے ایک مولوی صاحب تشریف لائے اور مجھ سے سوال کرنے لگے کہ کیا شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا ان کی آلِؐ اطہار علیہم الصلواۃ والسلام سے اولاد مانگنا جائز ہے؟

میں نے عرض کیا بالکل جائز نہیں ہے، اس پر وہ بہت خوش ہوئے مگر ابھی ان کی خوشی

کمال کو نہیں پہنچی تھی کہ میں نے کہا علامہ صاحب اب تو اللہ جل جلالہ سے بھی اولاد مانگنا جائز نہیں ہے۔ اس پر وہ چونک اُٹھے اور توبہ توبہ کا وِرد کرنے لگے۔

میں نے عرض کیا کہ جناب آپ یہاں تشریف لائے تو بات بڑی آسان ہے کیونکہ اس جدید دور میں ان چھوٹے چھوٹے کاموں کیلیئے اللہ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں، بلکہ عورت کو کسی یہودی یا عیسائی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں ایک ہی انجکشن سے سب کام ہو جائے گا، اگر اس عورت کے شوہر نامدار نامرد ہوں تو بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں یہاں بغیر باپ کے بچے پیدا کیئے جا رہے ہیں، صرف ماں ہی چاہیے اور اگر ماں بھی بچہ پیدا کرنے کے موڈ میں نہ ہو تو پھر اس کی بھی ضرورت نہیں، بے بی ٹیسٹ ٹیوبز سے بھی ماں کا کام لیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد میرا لہجہ بگڑ گیا اور میں نے کہا آپ لوگوں نے توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لنگوٹا کیوں کس لیا ہے؟ آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا؟ آج جو کام ایک یہودی عیسائی ڈاکٹر کر کے دکھا رہا ہے آپ اسی کی نفی خاندان پاک سے کر رہے ہیں۔

یہ ترشی و تلخی شاید محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل کی مؤدت کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے جو میرے بس میں نہیں ہوتی اور ویسے بھی حدیث ہے ☆المحب لایلام...... کہ محبّ و عاشق اپنے عمل میں قابل ملامت نہیں ہوتا کیونکہ عشق تو نام ہے ہی دیوانگی کا

سوال

آپ نے بعض خطبات میں بعض لوگوں کو کافر کہا ہے، کیا آپ اس فتوے کے مجاز ہیں کہ کسی کو کافر یا مومن کہہ سکیں؟

جواب

بھائی صاحب میں نے کبھی فتویٰ نہیں دیا بلکہ علمائے اعلام کا فرمان ہے کہ فتوے سے اس طرح ڈرو جیسے کسی پھاڑ کھانے والے درندے سے ڈرتے ہو اس لیئے میں نے کبھی بھی فتویٰ نہیں دیا اور نہ دینے کا خود کو مجاز سمجھتا ہوں۔ ہاں کچھ لوگوں کے نظریات کو دیکھتے ہوئے میں انہیں کافر کہہ جاتا ہوں مگر انہیں اصطلاحی کافر نہیں کہتا کہ جس کے معنی اللہ جل جلالہ کے وجود کے منکر کے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک کفر وہ ہے کہ جس کی ضد ایمان ہے، اور ایک کفر وہ جس کی ضد شکر ہے، جیسا کہ ہم کہتے ہیں تم کفرانِ نعمت نہ کرو، اِس کا شکر کرو

کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں کفر نہیں پایا جاتا کفران پایا جاتا ہے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔ منکرین اصول کو ایک تو انکارِ اصول کی وجہ سے کافر کہا جاتا ہے، دوسری وجہ ان کے کفران کی ہوتی ہے کیونکہ شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل علیہم الصلواۃ والسلام اللہ جل جلالہ کی سب سے بڑی نعمات ہیں، ان کا عرفان ان کی وِلا و عشق و محبت یہ ساری چیزیں نعمات اِلٰہی ہیں، جو حضرات ان نعمات کا کفران کرتے ہیں وہ بھی کافر ہوتے ہیں۔

کفارمکہ نے اللہ جل جلالہ کی سب بڑی نعمت یعنی سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کفران کیا اوران کا انکارکیا تو وہ کافر باللہ تو پہلے ہی تھے مگر کافر بہ نعمت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعد میں ہوگئے۔ اس لیئے کفرانِ نعمت کرنے والوں کو اوررسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واہل بیت علیہم الصلواۃ والسلام کی عظمت کے منکرین کو میں کافر کہتا ہوں تو کفران نعمت والے کفر کی وجہ سے کہتا ہوں، نہ کہ ان پر کوئی فتوٰی صادر کرتا ہوں، اگرکسی کواس میں اشتباہ ہواہے تواس کیلیئے معذرت چاہوں گا

سوال

بعض احباب یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ چہاردہ معصومین علیہ الصلواۃ والسلام کو مالک ،مولائے کریم، مالک ممکنات، مالک حقیقی وغیرہ جیسے القاب سے مخاطب کرتے ہیں، ان القاب کی وجہ سے آپ کے تصورِتوحید پرسوالیہ نشان لگ جاتاہے۔

اس طرح کے کئی الفاظ آپ استعمال کرتے ہیں جن سے تصورِتوحید مجروح ہوتا ہے مثلاً...... کریم ، رحیم ، مالک ، مولائے کریم ،ازلی وابدی وغیرہ ...... کیا آپ ان الفاظ کےاستعمال کا جواز دکھا سکتے ہیں؟

جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوستو!...... یہ ایک علمی ومشاہداتی حقیقت ہے جس سے کوئی انکارنہیں کر سکتا کہ الفاظ کے اپنے اپنے دائرے ہوتے ہیں یعنی جب کوئی لفظ استعمال ہوتا ہے

تو اس کا ایک علیحدہ دائرہ ہوتا ہے، اور جب کوئی لفظ استعمال ہوتا ہے تو سب سے پہلے یہی دیکھا جاتا ہے کہ اس کا دائرۂ اطلاق کا محیط کہاں تک جاتا ہے؟ اور ہر سامع یا قاری اس لفظ کو اسی دائرے میں رکھ کر معانی متعین کرتا ہے، اور اگر کوئی آدمی اس کے دائرۂ اطلاق سے باہر جانے کی کوشش کرے تو اس کی عقل پر شک کیا جاتا ہے، جیسا کہ ہم عرض کریں کہ ایک لفظ ہے ''صالح'' جب ہم اس لفظ کو کسی مقام پر استعمال کرتے ہیں تو دیکھا جاتا ہے کہ کہنے والے کے بیان کا دائرہ کہاں تک ہے؟ پھر اس لفظ کو اس دائرے میں اپلائی(Apply) کر دیا جاتا ہے، جب ہم ایک عام آدمی کو ایک صالح شخص کہتے ہیں تو اس کا دائرہ اور ہوتا ہے، اور جب ہم ادعیہ و زیارات میں عبدالصالح کے لفظ کا استعمال کرتے ہیں تو وہاں کوئی غیر معصوم یا غیر محفوظ شخص مراد نہیں ہوتا بلکہ وہاں اس لفظ صالح کا ایک ایسا دائرہ بنتا ہے جو عام انسان کے لفظ ''صالح'' والے دائرے سے ایک دم مختلف ہوتا ہے، اگر کوئی ان دو دائروں کو مخلوط کر کے کوئی نظریہ پیش کرے گا تو وہ غیر علمی ہوگا ...... اسی طرح لفظ ''مالک'' ہے تو اس کا استعمال جب مختلف افراد پر ہوتا ہے تو دیکھا جاتا ہے کہ جس پر یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے اس کا دائرہ کتنا محدود ہے یا کتنا وسیع ہے؟ اور پھر اس استعمال ہونے والے لفظ کو اس دائرے پر اپلائی(Apply) کر دیا جاتا ہے، جیسا کہ یہ لفظ ایک عام شخص پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ آپ کسی شخص سے کسی گھر کی طرف اشارہ کر کے دریافت کریں کہ ''اس گھر کا مالک کون ہے؟'' آپ کو کبھی بھی یہ جواب نہیں ملے گا کہ اس کا مالک اللہ جل جلالہ ہے کیونکہ سننے والا لفظ مالک کے

دائرے کو دیکھے گا اور اس کے بعد وہ صاحب البیت کا نام لے گا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہاں مالک سے مراد اللہ لینا اس کے دائرۂ اطلاق سے تجاوز ہے، اسی لیئے ہمیں فقہ میں خرید وفروخت کے بارے میں حکم ہے کہ خرید وفرخت اصل مالک سے جائز ہے اور جو حقیقی مالک نہیں اس سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں ہے۔

یہاں بھی ہمیں اسی دائرے کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مالک کا لفظ جب بھی کسی پر بولا جائے تو اس کا اطلاقِ معنی اس کی دائراتی سرحد تک ہی رہے گا، اور اگر کوئی اس کے مفہوم کو خواہ مخواہ وسعت دے کر کوئی نظریہ قائم کرتا ہے تو یہ اس کی زیادتی ہے، اور اس طرح فقہی حکم کے ساتھ مذاق بھی ہے، کیونکہ مالک حقیقی سے مراد اگر اللہ جل جلالہ لیا جائے تو پھر تو انسان کسی سے کوئی چیز خرید ہی نہیں سکتا، اب براہِ راست انسان اللہ تعالیٰ سے تو ضروریاتِ زندگی کی اشیاء خریدنے سے رہا، تو اس طرح یہ معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ اس لیئے ضروری ہے کہ جب عام معاشرتی دائرے میں لفظ مالک حقیقی کا استعمال ہو تو پھر اس سے مراد اللہ جل جلالہ نہیں ہوتا بلکہ اس چیز کا ظاہری متصرف مراد ہوتا ہے، اسی طرح جب ایک بادشاہ کو مالک کہا جاتا ہے تو اس کی مالکیت کا دائرہ ایک عام آدمی سے مختلف ہوتا ہے، اور جب اللہ جل جلالہ کو مالک کہا جاتا ہے تو اس لفظ مالک کا دائرہ اس کی یکتائی و وحدت سے بنتا ہے جو کسی طرح بھی دوسروں پر اپلائی (Apply) نہیں ہوتا، یہ تو الفاظ کا استعمال ہی بتاتا ہے کہ کون کس لفظ کو کس دائرے میں استعمال کر رہا ہے۔

دوستو!...... عربی لفظ مالک کے وہ معنی نہیں ہیں کہ جو اُردو میں ہیں اور اکثر یہ بھی

دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو عربی لفظ سے اردو کا اشتباہ ہوتا ہے، عام طور پر عربی میں مالک کا لفظ انسان کے علاوہ دیگر ملکیت پر بولا جاتا ہے الاقلیل، اور انسان کے مالک کے معنی میں مولیٰ کا لفظ بولا جاتا ہے، یعنی غلام کا جو مالک ہوگا اسے مولیٰ کہا جاتا ہے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ لغت میں مولیٰ کے ایک معنی خود غلام کے بھی ہیں اور غلام کے معنی نوجوان لڑکے کے بھی ہیں، مگر میں بات تعمیم کی کررہا ہوں کہ عموماً انسان اگر کسی کی ملکیت میں داخل ہوتو اسے عبد[Slave]اور اس کے مالک[Master] کو مولا [آقا] کہا جاتا ہے، اور انسان کے علاوہ جو بے جان پراپرٹی (Property) ہوتی ہے اس کیلئے لفظ مولیٰ کم ہی بولا جاتا ہے، بلکہ نہ بولنے کے برابر بولا جاتا ہے

ہم پر یہ سوال بھی ہوا ہے کہ آپ مولائے کریم لکھتے ہیں جس سے تصورتوحید پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے اور یہ سوال کوئی غیر نہیں کرتا بلکہ من کنت مولاہ فعلیؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام ''مولیٰ'' کہنے والے ہی کرتے ہی۔ جب من کنت مولا کہنے والے یہ سوالات کرتے ہیں تو عجیب لگتا ہے کہ لفظ مولا سے تو ہم نے ولایت کا اعلان سمجھا اور اسی سے خلافت بلافصل پر اِستدلال کیا اور پھراسی لفظ پر ہم ہی اٹک رہے ہیں یہ بھی عجیب ہے اور اِن سوال کرنے والے افراد میں کئی تو خود ''مولانا'' ہیں

حالانکہ ہم قرآن مقدس میں عرض کرتے ہیں...... انت مولانا فانصرنا......

اب اگر ہم اللہ جل جلالہ کو مولانا کہنے کے بعد ان عربی پڑھے لکھے لوگوں کو مولانا کہیں تو تصورِ توحید کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اور اگر خاندان پاک علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے کسی فرد کو مولائے کریم کہہ دیں تو تصور توحید کو نقصان پہنچتا ہے، یہ فلسفہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب یہ لفظ کسی معمولی پڑھے لکھے پر بولا جاتا ہے تو اس کا دائرہ علیحدہ ہوتا ہے، اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو مولا فرماتے ہیں تو اس لفظ مولا کا دائرہ اور ہوتا ہے، اور جب اللہ جل جلالہ پر یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا دائرہ اور ہوتا ہے، اس لیئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ صفات اِلٰہیہ میں استعمال ہونے والے الفاظ کو جو اپنی صفات یا الفاظ کی طرح سمجھتا ہے وہ جاہل ہے، کیونکہ وہ رحیم بہ ایں معنیٰ نہیں کہ اس کے اندر جذبہ رحم موجود ہے یا اس کے اندر کیفیت رحم پیدا ہوتی ہے کیونکہ جس میں جذبات وکیفیات پیدا ہوجائیں وہ اللہ جل جلالہ نہیں ہوسکتا بعض لوگوں نے فرمایا ہے کہ مولا [آقا] کہنے تک بات درست تھی، ہم بھی بفرمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مولا مانتے ہیں مگر اس کے ساتھ جو ترکیب بنائی گئی ہے یعنی لفظ کریم لگایا گیا ہے یہی تصور توحید کو نقصان پہنچاتا ہے۔

دوستو!...... بات یہ ہے کہ لفظ ''کریم'' کا بھی شخصیات کے حوالے سے علیحدہ علیحدہ دائرہ بنتا ہے، جیسا کہ میں نے اس سابقہ بیان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کریم لکھا ہے اور میری طرح کروڑوں علماء اور دانشور انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی لکھتے ہیں تو کسی کا خیال ہی تصور توحید کی طرف نہیں جاتا، بلکہ ہر آدمی جانتا ہے کہ یہاں عہدۂ رسالت شرک کی نفی کررہا ہے اور سارے انہیں کریم کہنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے، بلکہ کریم کا اسم مبالغہ اکرم یعنی حد سے زیادہ

کریم تک لکھتے ہیں اور ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہ درست ہی ہے، کیونکہ ہر آدمی لفظ کے دائروں کو لاشعوری طور پر سمجھتا ہے، اس لیئے کبھی کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی ہے مگر جب ہم من کنت مولاہ سے مولائے کریم لکھتے ہیں تو ہمارے تصورتوحید پر نشان کیوں لگ جاتا ہے؟ کیونکہ رسول کریم کا جانشین مولائے کریم لکھا جائے تو کیا ہرج ہے؟ مجھے معلوم نہیں ہے۔

حالانکہ عربی میں سیدالکریم عام جاتے راہی سے مخاطب ہوتے ہوئے آج بھی بولا جاتا ہے، فارسی میں کریم آغا [آقا] بولنا آج بھی رائج ہے اور اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا، اور کریم آقا کے لفظ میں آقا کا ترجمہ عربی میں کیا جائے تو مولا کے ہوتے ہیں، اور اس طرح ایک عام آدمی پر لفظ مولائے کریم کا استعمال ہونے پر تصورتوحید کو کچھ نہیں ہوتا تو جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولا فرمایا ہے اگر انہیں مولائے کریم کہہ دیا جائے تو کیا ہرج ہے؟

اگر واقعی لفظ کریم سوائے اللہ جل جلالہ کے کسی پر بولنا جائز نہیں تو پھر ہم ان آیات کا کیا کریں گے جن میں غیر معصومین بلکہ کفار تک کے بارے میں لفظ کریم استعمال ہوا ہے جیسا کہ کلام اِلٰہی میں ایک کافر کو جہنم میں ڈالتے وقت اللہ جل جلالہ کا فرمانا بیان ہوا ہے۔

☆ذُق اِنَّکَ اَنتَ عَزِیزُ الکَرِیمُ......(الدخان49)

اب اس کا مزا چکھو اوعزیز و کریم!

یہاں ایک نہیں اللہ جل جلالہ کے دو نام ایک کافر پر استعمال ہو رہے

ہیں۔ بات یہی ہے کہ ہر لفظ کا شخصیات کے ساتھ دائرہ بدلتا ہے اور ہر لفظ جس دائرے میں استعمال ہوا ہو اسی میں اس کے معنی لینا ہی عقلمندی ہے، بصورت دیگر علمی جارحیت یا جہالت ہے، اس لیئے مولائے کریم کہنا تصور توحید کو نقصان نہیں پہنچاتا اسی طرح بعض مہربانوں نے فرمایا ہے آپ ان کی حکومت ابدی یا شرف ابدی و ازلی لکھ دیتے ہیں جبکہ ابدیت و ازلیت اللہ جل جلالہ سے مخصوص ہے۔

اس کا جواب اولین تو وہی ہے کہ جب بھی کسی لفظ کا استعمال ہوتا ہے تو اس کا اپنا ایک دائرہ ہوتا ہے اور سمجھنے والے کو اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، ہمارے ذی عزت مہربان اگر کلام الٰہی میں جو 30/29 مرتبہ لفظ ابداً کا استعمال ہوا ہے اسے ہی دیکھ لیتے تو انہیں پتہ چل سکتا تھا کہ ابد کا لفظ صرف اللہ جل جلالہ کیلئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کے مرادات ہمیشہ اپنے اپنے دائروں میں بدلتے ہیں۔

جیسا کہ کلام الٰہی میں (فیھا خالدون...... فیھا ابداً) کہہ کر مومنین کو نوید دی گئی ہے کہ جنت میں ان کی رہائش ابدی ہوگی اگر ان کی رہائش ابدی ہوگی تو جوانانِ جنت کی سرداری بھی ابدی ہی ہوگی کیونکہ وہاں جو لوگ رہیں گے وہ ان کی حکومت و سرداری ہی میں رہیں گے، یہ نہیں ہے کہ کچھ وقت بعد ان کی سرداری معطل ہو جائے گی اور پھر کسی اور کی سرداری قائم ہو جائے، اور اگر کسی اور کی سرداری کوئی ثابت کر بھی دے تو پھر بھی مومنین کی رہائش تو ابدی ہی رہے گی اور اگر مومن کی رہائش ابدی ہو تو اس میں تصورِ توحید مجروح نہیں ہوتا، اگر خاندان پاک کی حکومت اور سرداری کو ابدی کہنے سے تصور توحید کو نقصان پہنچتا ہے تو مجھے نہیں معلوم وہ کیسا تصورِ

توحید ہے۔

اگر ہم کتب احادیث میں اس لفظ کا استعمال دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسے بڑی بے تکلفی سے خواص وعوام پر استعمال کیا جاتا تھا اور کسی نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی بعد میں کوئی کرے گا، اور اگر مجھ فقیر نے یہ لفظ استعمال کیا تو بعض لوگوں کی دل آزاری ہوئی ہے تو میں معذرت چاہوں گا مگر اپنا عقیدہ تو بدلنا مشکل ہی ہے۔

چند ایک مثالیں دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ کوئی صاحب دیکھنا چاہے تو دیکھ لے

ہماری ساری کتب غیبت میں لکھا ہے کہ جب شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی والدہ ماجدہ صلوات اللہ علیہا سرمن میں تشریف لائیں تو مطلع ولایت کے دسویں تاجدار امام علی نقی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ آپ کو ایک لاکھ دینار عطا فرمائیں، یا

ام بشریٰ لك بشرف الابد؟ ہم آپ کو ایک ابدی شرف کی بشارت دیں

قالت صلوات الله عليها بل بشریٰ لولد؟...... (غیبت طوسی 128)

یعنی شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی بشارت کو شرف الابد فرمایا گیا ہے

اب اگر ان کا شرف ابدی ہے تو پھر ابدیت اللہ جل جلالہ کیلئے مخصوص تو نہ رہی اسی طرح توقیع مبارک میں حمران بن اعین کے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ

☆ولا يرتد والله ابداً......

اللہ کی قسم کھا کر اس کے ابدی ایمان کی گواہی دی جارہی ہے

اسی طرح ہزاروں نہیں لاکھوں مثالیں دی جاسکتی ہیں مگر بات وہی ہے کہ ہر لفظ کا ایک دائرہ ہوتا ہے اوراس کے معنی اس دائرے سے تجاوز نہیں کرتے، ہم جب اللہ جل جلالہ کو ابدی کہتے ہیں تو اس کے معنی اور ہوتے ہیں، اور جب ہم مومنین کی کسی چیز کیلئے ابدیت کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے معنی اور ہوتے ہیں، اسی طرح جب پاک خاندان علیہ الصلواۃ والسلام کی عظمت وشان وشرف وحکومت کو ابدی کہتے ہیں تو اس کا اپنا ایک دائرہ ہے جو تصور توحید کو متاثر نہیں کرتا۔

دوستو!...... بات نیت پر شک کرنے کی ہے اگر نیت پر شک ہو تو پھر ہر لفظ قابل گرفت ہو جاتا ہے اور اگر نیت درست ہو تو پھر کوئی لفظ قابل گرفت نہیں رہتا، اور اس کا مظاہرہ ہم ماضی میں کئی مرتبہ دیکھ چکے ہیں کہ ہر دور میں مخالفین اہل بیت کی طرف سے خوش عقیدہ شیعوں پر ہمیشہ سے ایسے ہی الزامات یا فتوے لگتے آرہے ہیں حتیٰ کہ خلافت ثانیہ کے دور میں یہی الزام جناب سلمانؑ محمدی سلام اللہ علیہ پر بھی لگایا گیا تھا کہ آپ امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کو اللہ مانتے ہیں۔

جیسا کہ صاحب اصول الشریعہ نے بھی اسے نقل کیا ہے، اور انہوں نے بھی وہی جواب دیا تھا کہ جو آج تک ہر خوش عقیدہ شیعہ دیتا آیا ہے، اس جواب سے پہلے ہم اس الزام کی اصلی وجہ یا اصل جڑ کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ہمارے ہم عقیدہ بھائیوں کو جس طرح مس گائیڈ کیا جارہا ہے وہ بھی اصل حقیقت کو سمجھیں۔

دوستو!...... جب واقعہِ سقیفہ ہوا تو اس میں منصوص من اللہ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلواۃ والسلام کیلئے منصب خلافت ظاہری کا دروازہ بند کر دیا گیا اور ہر کردار کے شخص کیلئے

خلافت اِلٰہیہ [خلافت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم] کا دروازہ کھول دیا گیا، اور اس کے بعد ابوسفیان کی اولاد میں سے یزید ملعون جیسے لوگ بھی جامہءِ خلافت پہن کر سامنے آئے اور وہ بھی مساجد میں عیدین پر وہ لباس پہن کر نماز پڑھانے آ جایا کرتا تھا کہ جو فتح مکہ کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تالیف قلب کیلئے ابوسفیان کو دیا تھا، حتیٰ کے دربار شام میں جب اس کے سامنے سرہائے شہدا پہنچے تو وہ ملعون اُس دن بھی وہی لباس پہن کر خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بن کر تخت پر براجمان تھا۔ اس کے بعد مروانیوں کی حکومت گویا ایک اموی حکومت کا سلسلہ تھا جسے عباسیوں نے منقطع کیا اور امام حسنؑ المجتبیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کی اولاد کے ساتھ دھوکہ کر کے جناب محمدؑ بن نفس ذکیہ علیہ السلام کو شہید کرنے کے بعد وہ عباسی بھی خلیفہ بن بیٹھے اور یہ سلسلہ ہلاکو خان کی یلغار تک یعنی صدیوں تک باقی رہا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

دوستو!...... ہوا یہ کہ جب غیر روحانی لوگ روحانی مناصب عالیہ پر قابض ہوئے تو ان کے سامنے ایک سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ وہ ان مناصب عالیہ اِلٰہیہ کے قابل تو نہیں تھے کیونکہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے جسے منصب عطا ہوتا ہے اسے اس کے ساتھ کئی ماورائی اختیارات بھی عطا ہوتے ہیں، بہ الفاظ دیگر وہ صاحبانِ منصب امامت و رسالت و نبوت و خلافت اللہ جل جلالہ کے قربِ ذات کی وجہ سے اس کی صفات کے حامل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ انسان جب آگ کے قرب میں ہوگا تو اس میں حرارت کا ہونا لازم ہے، اسی طرح جو چیز برف کے قرب میں ہوگی تو اس میں

برف کی برودت اور سردی کا سرایت کرنا لازم ہے۔
اس کی طرح جو اللہ جل جلالہ کے قرب معنوی و منصبی ہوتے ہیں ان میں بھی صفات اِلٰہیہ سرایت پذیر ہوتے ہیں، جیسا کہ احادیث قدسی میں فرمایا گیا کہ میں اپنے عبد کا ہاتھ بن جاتا ہوں، زبان بن جاتا ہوں، گویا ساری قوت فعلیہ بن جاتا ہوں، کہ جس سے وہ کام کرتا ہے، اسی لیئے جو ذوات قربِ اِلٰہی کے نقطہءِ کمال پر تھے وہ اس کی صفات کلیہ کا مظاہرہ فرما سکتے تھے، جیسا کہ ہم اللہ جل جلالہ کی صفت حی کا مظاہرہ امام مظلوم علیہ الصلواۃ والسلام کی شہادت کے بعد دیکھتے ہیں اور اس پر اکثر متقدمین کا اتفاق رہا ہے کہ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلواۃ والسلام اللہ جل جلالہ کی صفات کے مظاہر تھے، اس لیئے ہمارے سامنے معجزات کا انبار موجود ہے کہ جس میں انہوں نے تصرف فی المادہ یا تصرف فی الاشیاء کا مظاہرہ فرمایا حتیٰ کہ شمس و قمر پر اپنے تصرف کا مظاہرہ فرمایا۔
یہ ایک علیحدہ موضوع ہے کہ کیا معجزہ معجز نما کا فعل ہے یا فعل اِلٰہی ہے یا یہ کہ معجزہ یا خرقِ عادت واقع ہوسکتی ہے یا نہیں، یہ بحث بھی انہی مقاصد کیلیئے شروع کی گئی تھی کہ کسی نہ کسی طرح مناصب اِلٰہیہ کے مالکان کی عظمت پر ڈاکہ ڈالا جائے۔
اس پر بھی ہم بحث کریں گے یہاں یہ عرض کرنا مقصود تھا کہ جو بھی حکومت اِلٰہیہ ازلیہ کے عہدہ دار تھے اللہ جل جلالہ کی طرف سے انہیں لاتعداد اختیار عطا ہوئے تھے اور وہ اس کا جب چاہتے تھے مظاہرہ فرما سکتے تھے یعنی انہیں ایک قوتِ تصرفہ حاصل تھی اور یہی قوت و اختیارات ہی اصلی اور نقلی کے مابین خط امتیاز یا ذریعہءِ شناخت تھے

یا یوں سمجھیں کہ یہی اختیارات اوران کا مظاہرہ ہی ان کے اصلی ہونے کا ثبوت اور پہچان تھا۔

اب ہوا یہ کہ ان مناصب عالیہ کیلئے عام لوگوں بلکہ عام بدکردار وعیاش لوگوں کیلئے دروازہ کھول دیا گیا جیسا کہ یزید ملعون اور بنی عباس کے خلفا کی عیاشیاں تاریخ کے کسی طالب علم سے مخفی نہیں ہیں، ساری کتابیں ان کی عیاشیوں سے رنگین نظر آتی ہیں، جب ان لوگوں کیلئے خلافت اِلٰہیہ کا دروازہ کھولا گیا تو عوام کی طرف سے ان سے ان تصرفات کا مظاہرہ طلب کرنا لازم تھا کہ اگر آپ خلیفہءِ رسول ہیں تو گویا خلیفہءِ اِلٰہی ہیں، اور اگر آپ لوگ خلیفہءِ اِلٰہی ہیں تو پھر اپنے معجزات کا مظاہرہ کر کے ثابت کریں کہ آپ واقعی خلیفہءِ برحق ہیں۔

یہ وہ مقام تھا جہاں وہ بے بس تھے مگر تلواریں، قلم، دانشور طبقہ، سکل پاور، پروپیگنڈا سیل، اور اقتدار ان کے ہاتھ میں تھا، اس لیئے وہ کوئی معجزہ یا تصرف کرنے کی صلاحیت واہلیت تو نہیں رکھتے تھے، ہاں وہ یہ تو کر سکتے تھے کہ ان چیزوں کی نفی خود اصلی خلفائے اِلٰہیہ اور آئمہ ہدیٰ علیہم الصلواۃ والسلام سے کر دی جائے، پس انہوں نے اپنی ساری قوتیں نظریہء توحید کو مسخ کرنے میں صرف کر دِیں اور انہوں نے آئمہ ہدیٰ اور خلافت اِلٰہیہ کے سارے تصرفات واختیارات کو اللہ جل جلالہ تک محدود رکھنے کا نظریہ دے دیا، اور کہا کہ سارے انسان ایک جیسے ہیں اور کوئی نبی یا امام جو بھی ہو وہ بھی صرف ہماری طرح محض بشر ہی ہوتا ہے اور اس کے پاس کوئی بھی اختیار نہیں ہوتا یعنی اس کے پاس عام انسانوں سے اضافی کوئی چیز نہیں ہوتی

بلکہ وہ نعوذ باللہ ایک مجبور محض فرد ہوتا ہے۔

اگر کوئی کسی مخفی چیز کے بارے میں سوال کرتا تو یہی جواب دیا جاتا تھا کہ علم غیب سوائے اللہ کے کسی کے پاس ہوتا ہی نہیں ہے، آپ انسان سے علم غیب کے سوالات کر کے اپنا وقت برباد کر رہے ہیں حالانکہ دورِ غیبت تک سارے شیعہ اس وقت تک کسی امام کے حوالے مالِ امام کرتے ہی نہیں تھے جب تک ان سے بھیجنے والوں کے بارے میں دریافت نہیں کر لیتے تھے کہ اس سربہ مہر تھیلی میں کتنا اور کس کا بھیجا ہوا مال ہے؟ اور خود ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف تک اس مال کو اسی طرح وصول فرماتے رہے اور یہ ان کی صداقت امامت کا ایک ثبوت تھا جو ہر امام دیتا رہا دوسری طرف یہی بات دہرائی جاتی رہی کہ یہ باتیں سوائے اللہ جل جلالہ کے کوئی نہیں جانتا کیونکہ یہ علم غیب سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں۔اسی طرح دیگر تصرفات تکوینی کو اللہ جل جلالہ تک محدود کر دیا گیا اور کسی بھی معجزہ کو فعل معجز نما کہنا تک شرک کہہ دیا گیا، اور پھر علم کلام کی ایجاد نے تو ہر معجزے کو رد کر دیا اور یہ کہا گیا کہ خرقِ عادت عقلاً محال ہے، یعنی قوانین فطرت کو توڑنا محال ہے، اگر اللہ جل جلالہ بھی چاہے تو وہ قوانین فطرت کو نہیں توڑ سکتا کیونکہ یہ اللہ کے اپنے بنائے ہوئے قوانین ہیں اور کوئی قانون ساز ادارہ اپنے بنائے قوانین کا پابند ہوتا ہے اور اپنا بنایا ہوا قانون توڑنا اور قانون شکنی کرنا اللہ جل جلالہ کی توہین ہے اور وہ اپنی توہین پر قادر نہیں، اس لیئے وہ قانونِ فطرت نہ توڑنے پر مجبور رہے۔

آج بھی ہمارے کتب کلامیہ میں یہ بحثیں موجود ہیں اور انہیں دیکھا جا سکتا ہے اس

کیلیئے میں ایک مثال دینا چاہوں گا تا کہ میری بات سمجھ آ سکے، وہ یہ ہے کہ اگر کسی ہسپتال میں ایک ایم بی بی ایس ڈاکٹر کی سیٹ خالی ہو اور اس پر کسی ان پڑھ دہقان کو بٹھا دیا جائے تو اس سیٹ کیلیئے اپنی اہلیت و قابلیت کو ثابت کرنے کیلیئے اس کے سامنے دو ہی راستے ہوں گے یا تو وہ خود کو ایم بی بی ایس ثابت کرے، اگر یہ ثابت نہ کر سکے تو پھر سابقہ ڈاکٹر کو اپنے جیسا جاہل ثابت کرے کیونکہ کوئی جاہل خود کو ایم بی بی ایس ڈاکٹر تو ثابت نہیں کر سکتا اس لیئے اس کے سامنے صرف ایک ہی راستہ باقی بچ جاتا ہے کہ وہ اس سابقہ ایم بی بی ایس کو اپنے جیسا جاہل ثابت کرے۔

بس یہی صورت حال بعض خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کی تھی کہ وہ خود کو تو مظہر صفات اِلٰہیہ ثابت نہیں کر سکتے تھے اس لیئے انہوں نے فلسفہ یونان وغیرہ کا سہارا لے کر اصل مظہران توحید کی کردار کشی، عظمت کشی، اختیار کشی، نسب کشی کیلیئے علمی مراکز کے نام پر ڈس انفارمیشن سیل (Disinformation Cell) قائم کیئے اور علم کے نام پر فلسفہ یونان و منطق و علم کلام کے ذریعے خاندان پاک علیہ الصلواۃ والسلام کا مرڈر (Murder) کرنا شروع کیا، کیونکہ وہ دیکھ چکے تھے کہ تلواریں ان کی عظمت کو اور صیقل کر دیتی ہیں، شہادتیں ان کی رفعت کو اور اونچا کر دیتی ہیں، اس لیئے علمی میدان میں قلمی ہتھیار کو استعمال کیا گیا، علم اِلٰہی وحی و الہام کے مقابلے میں علوم و فنونِ یونان کو ''کوریج'' دی گئی اور منطقی موشگافیوں سے ☆اول ما خلق اللہ نوری ...... کے تصور کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی اور علم کلام کے حوالے سے ان کے تصرفات اِلٰہیہ اور اختیارات اِلٰہیہ پہ ڈاکہ ڈالا گیا، اسی لیئے امام صادق علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو فرمانا پڑا کہ ☆و هلك المتكلمون...... یعنی علم کلام والے ہلاک ہو گئے۔

اس کے بعد ہر فاسق و فاجر کو خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ثابت کرنے کیلئے، ہر فاسق و فاجر کو جسٹی فائی (Justify) کرنے کیلئے، خلیفۂ برحق ثابت کرنے کیلئے فضائل رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آل رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کفر و شرک بتایا گیا، ہر فضیلت کے بیان پر شرک شرک کی آوازیں لگا کر فضائل کو مٹانے کی کوشش کی گئی اور اُسی کی بازگشت آج بھی ہم سن رہے ہیں یعنی آج بھی جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کی آل پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل بیان کرتا ہے یا ان کے اپنے بیان کردہ فضائل کو نشر کرتا ہے اس پر وُہی آوازے کسے جاتے ہیں جو ماضی میں کسے جاتے تھے۔

دوستو!...... آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں جو لوگ پانچ وقت نماز میں نو مرتبہ عبدہٗ و رسولہٗ پڑھتے ہوں، جن لوگوں کی ہر مجلس کا آغاز صلوات سے ہوتا ہو، جو لوگ لا الہ اللہ کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اس کے بعد علیؑ ولی اللہ پڑھتے ہوں، جن کا وظیفۂ حیات یا رب محمدؐ و آل محمدؐ صل علیٰ محمدؐ و آل محمدؐ و عجل فرج آل محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہو، کیا وہ لوگ ربِّ آل محمدؐ اور آل محمدؐ میں کوئی فرق نہیں سمجھتے؟

کیا ان لوگوں پر کسی طرح بھی شرک کا فتویٰ لگانا جائز ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جب بھی یارب محمدؐ و آلِ محمدؐ پڑھا جاتا ہے تو اس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کی آل پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ''رب'' کا بھی اقرار کیا جاتا ہے اور

اس کے ساتھ ہی اس سے دعا بھی کی جاتی ہے کہ تو اس پاک گھر پر صلوات پڑھ اور ان کی حکومت اور مسرتوں میں تعجیل فرما، اسی وقت شرک کا تو کلی طور پر قلع قمع ہو جاتا ہے کیونکہ اس صلوات میں تو اس کی حاکمیت اعلیٰ کا اقرار بھی ہے اور ان کے بارے میں انہیں با اختیار بھی مان کر بات کی جاتی ہے، اگر خاندان پاک علیہم الصلواۃ والسلام کو اللہ جل جلالہ کا شریک مانا جاتا تو پھر اللہ جل جلالہ سے یہ دعا کرنا یا صلوات پڑھنا ہی بے سود ہے، فعل عبث ہے، نعوذ باللہ من ذالك الكفر......

لیکن ہمارے مخالفین واغیار کی طرف سے ہماری پوری قوم کو مشرک کہا جاتا رہا ہے کہ حضور پاک اور ان کی آل پاک علیہم الصلواۃ والسلام کو اللہ جل جلالہ کا شریک سمجھتے ہیں، حالانکہ ہماری سب سے بڑی پہچان عزاداری ہے اور اس میں سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی شہادتوں کا ذکر ہوتا ہے، ان کے فضائل پڑھے جاتے ہیں ان کے نوحے پڑھے جاتے ہیں، ان پر امت کی طرف سے ٹوٹنے والے مظالم کو بیان کیا جاتا ہے، کیا یہ سب کچھ شرک کی نفی نہیں کرتا؟

کیا کوئی نعوذ باللہ اللہ جل جلالہ کو بھی شہید کر سکتا ہے؟

کیا اللہ جل جلالہ کو بھی زخمی کیا جا سکتا ہے؟

کیا اللہ جل جلالہ کو بھی زہر دے کر شہید کیا جا سکتا ہے؟

کیا مصائب کے یہ واقعات بیان کرنا شرک کا خاتمہ نہیں کرتے؟ کہ اس کے بعد بھی خوش عقیدہ شیعوں پر شرک کا الزام لگایا جاتا ہے، ہاں جو آدمی محمدؐ و آل محمد علیہم الصلواۃ والسلام کو اللہ کا شریک یا اللہ مانتا ہے ایک تو یہ اس کا انفرادی فعل ہے، اس

کا الزام ساری جماعت پر تو نہیں آتا، ہاں جو جماعتیں اس عقیدے کی حامل ہیں وہ عزاداری و ماتم وغیرہ کو بھی جائز نہیں سمجھتیں، الحمدللہ ہمارا کوئی شیعہ بھائی ایسا نہیں ہے جو ماتم اور عزاداری کو عبادت نہ سمجھتا ہو۔

بات صرف اتنی ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے دور میں تصورِ توحید کو اتنا پست کر دیا گیا تھا کہ کوئی اگر کسی عام انسان کی تعریف میں بھی کوئی جملہ کہہ دیتا تھا تو اس پر شرک کا فتویٰ لگا دیا جاتا تھا، کیونکہ انہوں نے عمداً تصورِ توحید اتنا نیچے کر دیا تھا کہ جس میں وہ خلافت کی کرسی پر سما سکیں، اور آئمہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کے فضائل بیان کرنے والوں کو برسرِعام سزائیں دے سکیں، اور ان کے قتلِ عام کا جواز پیدا کیا جا سکے اور ایسا انہوں نے کیا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے زائرین کو ہر دور میں شہید کیا، اور اس میں یہی تصور دیا کہ مزاروں پر جانا، ان سے توسل کرنا، ان سے برکت لینا، ان سے مدد چاہنا شرک ہے، کیونکہ نعوذ باللہ ''مُردوں'' سے مدد چاہنا شرک ہے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ شرک تو صفاتِ اِلٰہی میں کسی کو شریک کرنا ہے، اور اللہ نعوذ باللہ مردہ نہیں ہے۔

اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شریک بنانا شرک ہے، نہ کہ مظہرِ صفات ماننا اور صفاتِ اِلٰہیہ کی فہرست سارے مسالک میں موجود ہے اور اس میں اللہ جل جلالہ کی صفت حی ہے، نعوذ باللہ مردہ ہونا نہیں ہے۔

اگر وہ انتہائی جارحیت علمی کرتے بھی تو اس کام کو وہ زیادہ سے زیادہ فعلِ عبث کہہ سکتے تھے، شرک نہیں کہہ سکتے تھے، اور وہ بھی اس بات کو جانتے تھے مگر انہوں نے عمداً

شیعوں کے قتل عام کا جواز تراشا تھا ورنہ ان کا یہ کلیہ خود قرآن وحدیث کے منافی تھا کیونکہ اُن کا شہداء کو مردہ کہنا بھی خلاف قرآن تھا اور مردوں سے مدد مانگنے کو شرک کہنا بھی شرک کی تعریف شرعی سے خارج تھا، اس کے باوجود پروپیگنڈا پاور نے سب کچھ درست کر دکھایا اور اس کی بازگشت آج بھی ہمارے کانوں میں آرہی ہے اور آج بھی مزارات عالیہ سعودی عرب میں گرائے جارہے ہیں اور آج بھی مزارات کی زیارت کو شرک کا نام دیا جارہا ہے۔

بنی امیہ اور بنی عباس اور ان کے پسماندگان نے ہر دور میں خوش عقیدہ شیعوں کو مطعون کرنے کیلئے عمداً اللہ جل جلالہ کو خاندان پاک علیہ الصلواۃ والسلام کے مقابلے میں کھڑا کیا اور ہر مقام پر یہی کہا کہ اللہ اللہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم بہ ہزار دل و جاں سے یہ تسلیم کرتے اور مانتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ وہ ہے جو محمدؐ و آل محمد علیہم الصلواۃ والسلام کا بھی رب ہے۔مگر ان کی بات کے بارے میں ہم امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کا جملہ ہی کہیں کہ☆کلمة الحق و یراد به الباطل ...... کہ انہوں نے کلمہ حق کو مقصد باطل میں استعمال کیا ہے، اس لیئے ان کا یہ کلمہ کہنا ایسے ہے جیسے منافقین کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ وہ کہتے ہیں اللہ ایک ہے اور اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ فرمادیں یہ جھوٹ کہتے ہیں، یعنی منافق کا اللہ ایک کہنا بھی جھوٹ ہوتا ہے جبکہ یہ تو سچ ہی ہے کہ اللہ تو ایک ہی ہے۔

آج ہمارے مذہب کے بعض افراد اس ماضی کے پروپیگنڈے کی مصلحت کو سمجھے بغیر

اُن ہی کی زبان بولنا شروع کر دیتے ہیں تو میں ان سے عرض کروں گا کہ ہمیں خاندان پاک علیہ الصلواۃ والسلام نے جو تصورِ توحید دیا ہے وہ اتنا چھوٹا یا اتنا پست نہیں ہے کہ جسے کسی کی چھوٹی سی فضیلت متاثر کر سکے، ہمارا تصور توحید تو اتنا بلند ہے کہ جس کو خطبہ البیان سے لاکھوں کروڑوں گنا بڑے فضائلیہ خطبات بھی متاثر نہیں کر سکتے کیونکہ ہم نے تصورِ توحید اصل وارثان توحید سے لیا ہے نہ کہ بنی امیہ و بنی عباس کے ایجنٹوں سے لیا ہے۔ان اموی وعباسی نمک خواروں نے جو نبوت و امامت کا مقام رکھا ہے ہمارا مومنین کا مقام بھی ان سے ہزاروں گنا بلند ہے۔

انہوں نے تو نبی ورسول بلکہ شیخ الانبیاء جناب ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہہ دیا ہے کہ نعوذ باللہ انہوں نے زندگی میں کئی مرتبہ جھوٹ بولا ہے اور تین مرتبہ جھوٹ بولنا تو وہ قرآن سے ثابت کرتے ہیں جبکہ ہمارے آئمہ ہدیٰ سے جب سوال ہوا کہ کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ جو مومن ہوگا وہ جھوٹ نہیں بول سکتا کیونکہ جھوٹے پہ اللہ کی لعنت ہے۔

بلکہ شہنشاہ کربلا علیہ الصلواۃ والسلام نے تو یہاں تک فرمایا تھا کہ

☆لعنة الله على الكاذب و لوكان مازح

یعنی جھوٹے پہ اللہ کی لعنت ہے چاہے وہ مذاق ہی میں جھوٹ بولے

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا تصور مومنیت بھی ان کے تصور نبوت وامامت سے بہت اونچا ہے تو تصور توحید ان جیسا کیسے ہوسکتا ہے؟

دوستو!...... فضائل آلِ محمد علیہم الصلواۃ والسلام پر کبھی شرک کا نہیں سوچنا چاہیے

کیونکہ ہمارے مسلک کا کوئی فرد ایسا نہیں جو فضائل کے ساتھ مصائب کا قائل نہ ہو، ہم جتنے فضائل بیان کرتے ہیں اس کے ساتھ مصائب کا حصہ بھی بیان ہوتا ہے اور ہم ہر نماز میں عبدہٗ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اقرار کر کے شرک کی نجاسات سے ہمیشہ پاک رہتے ہیں، اس سلسلہ میں ہمیں بنی امیہ و بنی عباس کی زبان نہیں بولنا چاہیے۔

بس یوں سمجھیں کہ ہمارا تصورِ مومنیت ان کے تصورِ نبوت سے ہزاروں درجے بلند ہے اور ہمارا تصور نبوت ان کے تصور توحید سے لاکھوں کروڑوں گنا بلند ہے اور ہمارا تصور توحید تو وہ ہے جسے وہ ادراک ہی نہیں کر سکتے، کیونکہ انہوں نے تو نعوذ باللہ اپنے وضعی خدا کو ڈیڑھ انچ کی کرسی پر بٹھا رکھا ہے اگر کوئی اونچا کھانس لے یا لمبی چھینک لے لے تو ان کے خدا سے شرک ہونے لگتا ہے۔

دوستو!...... ہمارا رب ذوالجلال والاکرام وہ ہے جو ہمیں اس کے وارثانِ حقیقی نے دیا ہے، ہم نے توحید ابن تیمیہ یا عبدالوہاب نجدی یا اسی قماش کے کسی ایجنٹ سے نہیں لی ہے، محمدؐ وآل محمد علیہم الصلواۃ والسلام سے لی ہے۔

دوستو!......اگر آپ الفاظ کو ان کی شخصیات کے دائرے کے اندر رکھ کر سوچیں گے تو کوئی بدگمانی نہیں ہوگی اور محبت کی فضا باقی رہے گی، اور اگر بنظر تنقید ہی سوچتے رہے تو آپ ساری زندگی سوالات کی دلدل سے نہیں نکلیں گے اور ہمیں کوئی مثبت کام نہیں کرنے دیں گے، کہ پھر ہم بھی یہی سوچیں گے کہ کوئی علمی تحقیقی کام کرنے سے تو بہتر ہے کہ دنیا کے دیگر علوم پر خامہ فرسائی کریں لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہیے

کہ اگر اس طرح علمی میدان میں روکاٹیں کھڑی کی جاتی رہیں تو ہم علمی میدان میں بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ فی الحال کام ہونے دیں جو جیسا کام کرتا ہے اسے مکمل کرنے دیں، اس پر تحقیق و تدقیق چھان پھٹک کو آنے والی نسلوں پر چھوڑ دیں کیونکہ آنے والا وقت انفامیشن کا دور ہے اور وقت سے بڑھ کر جج اور فیصلہ کرنے والا کوئی ہوتا ہی نہیں ہے، وہ جو فیصلہ کرے گا وہ درست ہوگا، اس لیئے ہمیں منزل پر جانے سے نہیں روکنا چاہیے۔

سوال

بعض دوستوں نے یہ سوال کیا ہے کہ میں مخدرات عصمت وطہارت صلواۃ اللہ علیہن کو پردہ دارانِ توحید ورسالت صلواۃ اللہ علیہن کیوں لکھتا ہوں؟

جواب

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ الفاظ تراکیب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان تراکیب پر شرعی گرفت نہیں ہوتی، جیسا کہ ہر سال اخبارات میں حج کے دن آتا ہے کہ آج ایک کروڑ ''فرزندانِ توحید'' فریضۂ حج ادا کر رہے ہیں، یہاں ایک کروڑ فرزندان توحید ہو سکتے ہیں تو ''پردہ دارانِ توحید'' کی ترکیب کس طرح قابل گرفت ہے؟

یہ تو سارا پاکستان جانتا ہے کہ فرزندانِ توحید کا مطلب اللہ کے بیٹے نہیں ہے اور یہ بھی عجیب رویہ ہے کہ اگر ہم پاک خاندان علیہم الصلواۃ والسلام کے کسی فرد کو فرزند

توحید کہہ دیں تو پتہ نہیں کیا ہنگامہ ہوگا؟ میں پاک خاندان علیہم الصلواۃ والسلام کے افراد کے بارے میں وارث حقیقی مالک حقیقی اور وارثِ ازل کے الفاظ استعمال کرتا ہوں، اس پر بھی اعتراض ہوا ہے۔

بات تو نیت کی ہے جو لوگ کسی کی نیت پر شک نہیں کرتے وہ اس کے الفاظ کو درست معنی میں لیتے ہیں اور اگر کوئی غلط بات بھی کرتا ہے تو اس کی تاویل کر لیتے ہیں اور جن لوگوں کی نیت پر شک ہوتا ہے وہ لوگ درست الفاظ میں سے بھی قابل اعتراض معنی نکال لیتے ہیں، حالانکہ فقہ میں حکم ہے کہ مال کو اس کے حقیقی مالک سے خرید کرو اور جو چور ہے یا غاصب ہے وہ حقیقی مالک نہیں ہے، اسی طرح وراثت کے معاملہ میں بھی جائز وارث حقیقی وارث کے الفاظ عام طور پر سننے میں آتے ہیں اور آج تک کسی نے اعتراض نہیں کیا اور نہ کسی نے ان کہنے والوں کی بات پر شک کیا ہے مگر پاک خاندان علیہ الصلواۃ والسلام کے بارے میں یہی الفاظ استعمال کرنے والوں پر ہمیشہ شک کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ معلوم نہیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ جب عام لوگوں کے بارے میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو ان میں کسی دوسری طرف خیال نہیں جاتا یعنی شرک کا کوئی امکان نہیں ہوتا، ہاں جب پاک خاندان علیہ الصلواۃ والسلام کے بارے میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو شرک کا امکان ہوتا ہے۔

میں نے ان سے عرض کیا کہ عزیزم! کسی مذہب کی ایک کتاب ہے جس کا میں نام نہیں لوں گا، اس میں لکھا ہوا ہے کہ اگر نماز میں گھوڑے گدھے اور بلی کا خیال

آ جائے تو کوئی حرج نہیں، ہاں اگر شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خیال آ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے، اور اس نے یہی وجہ بیان کی تھی کہ گدھے کے خیال سے اس کی عبادت کا خیال نہیں آ سکتا ہاں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خیال میں یہ کشش ہے کہ انسان سہواً ان کی عبادت میں مشغول ہو جائے گا اس لیئے ان کے خیال سے شرک فی العبادت کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

دوستو!...... درحقیقت ان لوگوں کا ایک خاص عقیدہ ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف منظّم تحریک چلا رہے ہیں۔

اگر درست حالت میں سوچیں تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے روزِ الست ان کی ولایت کا اقرار کروانے کے بعد انہیں ہمارا مالک ومختار قرار دے دیا تھا اور اس اقرار ولایت کا مقصد ہی اقرار غلامی تھا کہ ہم تو کیا پوری کائنات ان کی غلام ہے اور وہ بھی آج سے نہیں بلکہ ازل سے ان کی غلام ہے، اب ساری کائنات ان کی غلام ہے تو کیا یہ مالک نہیں تو کیا ہیں؟ اور یہ مالک حقیقی نہیں ہیں تو کیا ہیں؟ یہ مالک ازل نہیں تو کیا ہیں؟

شرک کو نیست ونابود کرنے کیلیئے صرف ایک ہی فقرہ کافی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو آدمی دل سے کہتا ہے

﴿یَا رَبَّ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدؐ﴾ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدؐ ﴿وَ عَجِّلْ فَرَجَ آلِ مُحَمَّدؐ﴾

اس صلوات کے بعد کیا کسی شرک کا امکان یا شائبہ باقی رہ جاتا ہے؟

اور یہ بھی ساری دنیا جانتی ہے کہ اس صلوات کاملہ کو جو اہمیت ہمارے مقصد تعجیل فرج میں ہے کسی میں نہیں ہے، یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے پھر ہو سکے تو نیک گمانی کرنا چاہیے اور اگر کوئی ایسا فقرہ نظر آئے تو ہر بات کا جواب طلب کرنے کی بجائے خود بھی سوچنے کی تھوڑی سی کوشش کریں، تو ہمارے مالک حقیقی مالک ازل عجل اللہ فرجہٗ الشریف ضرور رہنمائی فرمائیں گے۔

میں ایک فارسی روضہ خوان کی کتاب دیکھ رہا تھا اس میں شہزادہ علیؑ اکبر علیہ الصلواۃ والسلام کے ذکر کے آغاز پر اس نے بسم اللہ اس طرح لکھی تھی ''بسم اللہ العلی الاکبر'' جب میں نے دیکھا تو ان کی رعایت لفظی کو سمجھ گیا اور انہیں داد دی کیونکہ رعایت لفظی کلام کا حسن بڑھاتی ہے اور یہ ایک صنعت ہے جو محاسن کلام کا درجہ رکھتی ہے۔

اگر ہم اس بات کو نہ سمجھیں اور اُس لکھنے والے کے بارے یہ نظریہ قائم کرلیں کہ وہ شہزادہ علیؑ اکبر علیہ الصلواۃ والسلام کو اللہ سمجھتے ہیں تو یہ نظریہ سراسر بدگمانی ہوگا کیونکہ اللہ کے اسمائے الحسنٰی میں سے علی بھی ہے۔ بات تو شک کی ہے اگر یہ نہ ہوتو پھر کوئی غلط فہمی نہیں ہوسکتی۔

سوال

ہم یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ارسطو اور دیگر مناطقہ کا منطقی انسان درست نہیں ہے، مگر حقیقی انسان وہ ہے جو اللہ کا خلیفہ ہے، جسے تاجِ کرامت پہنایا گیا ہے، جو اللہ کی صفات کا مظہر ہے، یا اللہ کا اسم مبارک ہے جو اللہ کی شناخت اور پہچان ہے، ہاں

ابن آدم وہ انسان نہیں مگراس میں وہ انسان بننے کی صلاحیت موجود ہے، لیکن یہ نہ تو اصل انسان ہے اور نہ انسان کامل بننا اس کا مقدر ہے بلکہ یہ انسانیت کی وادی میں جا سکتا ہے، انبیاء علیہم السلام بھی جو آئے وہ بھی انسان کامل نہ تھے بلکہ وہ تو انسان کامل کی شناخت کروانے آئے تھے، وہ بھی تمام کمالات کی حدوں کو نہیں چھو پائے تھے، ہاں ان میں انسان کامل کے کمالات کا کچھ حصہ ضرور تھا اور وہ انسان کامل کے مظہر بن کر آئے تھے۔ اور ذاتِ کبریا کے مظہر کامل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل علیہم الصلواۃ والسلام کے سوا کوئی نہیں ہے۔

جواب

اس سوال کا مرکزی خیال یہ ہے کہ یہ عام آدمی انسان نہیں بلکہ انسان کامل معصومین علیہ الصلواۃ والسلام ہی ہیں اور وہ آدمی جسے ہم انسان کہتے ہیں اس میں صلاحیت ہے کہ انسان بن سکے، مگر وہ بھی انسان کامل نہیں بن سکتا۔

اس سارے سوال میں ایک بات کو فراموش کیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ سوال ایک خلط مبحث بن گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سوال سے پہلے یہ بات دیکھنا ضروری تھا کہ ہم جسے ''انسانیت'' مان رہے ہیں، اس کی حیثیت موضوعی ہے یا معروضی، کیا ہے؟ یعنی وہ انسان کی جزو ذات ہے یا خارج از ذات ہے کیونکہ موضوع ہمیشہ غیر مشروط ہوتا ہے اور کسی صورت میں بھی وہ جدا نہیں ہوتا اور معروضات مشروط ہوتے ہیں جو انسان میں داخل بھی ہو سکتے ہیں اور خارج بھی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ نیکی کی شرط سے

انسان کو نیک بھی کہا جاتا ہے بشرطیکہ وہ اس میں پائی جائے، کیونکہ نیکی داخل ذات نہیں اس لیئے معروضی ہے، اسی طرح جو اخلاقی اصطلاحی ''انسانیت'' ہے یہ بھی معروضی ہے موضوعی نہیں ہے، اسی لیئے مرزا غالب نے کہا تھا

''آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا''

اس مصرعہ میں علم الاخلاقیات والی انسانیت سے محرومی کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ موضوعی نہیں معروضی واختیاری ہے۔

اب اس بحث سے پہلے ہمیں یہ طے کرنا ضروری ہے کہ سوال کرنے والوں نے انسانیت کو معروضی چیز قرار دے کر سوال کیا ہے یا موضوعی؟

ہمیں اس سوال میں ایک مقام پر یہ لگتا ہے کہ ان کے بقول ''انسانیت حقیقی'' اس انسانِ ظاہری کیلیئے نا قابل حصول ہے اور اس کیلیئے نہ یہ معروضی ہے نہ موضوعی۔

اس طرح انسان کی نوعیت انسانِ حقیقی سے جدا ہو جائے گی یعنی آدمی کی نوع اور ہوگی اور انسان کی اور ہوگی اگر ہم معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی نوع انسان تجویز کرلیں گے تو پھر پوری آدمیت کو نوعِ انسان سے خارج کرنا لازم ہوگا

اگر ہم ایسا کریں گے تو اس کی مصلحت بھی ہمیں دریافت کرنا پڑے گی کہ جس کی وجہ سے چھ ارب انسانوں کو نوعِ انسان سے خارج کر کے چند معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کو نوعِ انسان میں شامل کرنا پڑا۔ کیا اس سے بہتر یہی نہیں ہے کہ پوری انسانیت کو انسانیت ہی میں رہنے دیا جائے اور چند معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی نوع کو (جیسا کہ وہ علیحدہ ہے) علیحدہ ہی رکھا جائے تا کہ پوری انسانیت اپنے مقام

سے نہ گرے۔

اسی سوال کے ایک مقام پر یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت ایک معروضی چیز ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ انسان [نوعِ بشر] اصل انسان نہیں بلکہ اس میں انسان بننے کی صلاحیت موجود ہے۔اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ نوع ایک معروضی چیز ہے یعنی اگر انسان نیک بن جائے تو نوعِ بشر میں داخل ہوجاتا ہے اور اگر بدکردار ہوجائے اور کلمہ وایمان کو اختیار نہ کرے تو پھر کوئی دوسری نوع کا ہوجاتا ہے۔

اب یہ تو مجھے معلوم نہیں ہے کہ کیا کسی ایسی نوع کا تصور کسی منطقی نے دیا ہے کہ جسے جب کوئی چاہے بدل سکے؟ ....واللہ اعلم بالصواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یا مولا کریمؑ عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک و علیٰ آبائک الطاہرین المعصومین

توقیع مبارک

بنام شیخ الموثق جناب ابوعمرِ العامریؒ

الحمد للہ رب العالمین و صل علیٰ محمدؐ و آلہٖ اجمعین خصوصاً علی حجۃ اللہ فی العالمین عجل اللہ فرجہ الشریف و آبائہ المعصومین و امھاتہ الطاھرین الطیبین صلوات اللہ علیھم اجمعین و لعنۃ اللہ علیٰ اعدائھم اجمعین من یوم الازل الی یوم الدین

دوستو!...... سب سے پہلے مناسب ہوگا کہ میں اس توقیع مبارک کے صدور کے اسباب وعلل کے بارے میں آپ کو آگاہ کردوں تاکہ اس دور کے حالات کے تناظر میں توقیع مبارک کو سمجھنا آسان ہوجائے۔

یہ توقیع مبارک جب صادر ہوئی تو اس دور میں خلیفہ معتمد علیٰ اللہ عباسی اپنی 23 سالہ حکومت کا آخری عشرہ گزار رہا تھا کیونکہ 256 ہجری ماہ رجب میں مہتدیٰ باللہ کی

موت ہوئی تو اس کی جگہ احمد بن متوکل علیٰ اللہ کو معتمد علیٰ اللہ کے نام سے تختِ حکومت پر بٹھا دیا گیا اور 279 ہجری میں یہ دارالبوار کو روانہ ہوا تو اس کی جگہ احمد بن موفق باللہ کو خلیفہ بنایا گیا اور وہ 289 ہجری تک حاکم رہا۔

یہ توقیع مبارک اس دور میں صادر ہوئی جب معتمد علیٰ اللہ عباسی حاکم تھا اور اپنی شدید ترین کاروائیوں میں مصروف تھا اور یہ زمانہ 277 ہجری کا تھا، اس دور میں جناب جعفر تواب سلام اللہ علیہ کا انتقال ہو چکا تھا اور ظاہری طور پر میدان خالی دیکھ کر کئی لوگ اپنی اپنی امامت کا دعویٰ بھی کر رہے تھے اور کئی لوگ نیابت کا دعویٰ بھی کر رہے تھے اور شیعہ عوام میں شکوک وشبہات پیدا کئے جا رہے تھے تا کہ ان کی مرکزیت کو (اللہ نہ کرے) خراب کیا جائے۔ اس میں معتمد علیٰ اللہ عباسی بھی ایک امام کی حیثیت سے خود کو پیش کر رہا تھا اور یہ پروپیگنڈا جاری تھا کہ شہنشاہ معظم جناب ابو محمد العسکری علیہ الصلواۃ والسلام کی نعوذ باللہ کوئی اولاد نہیں تھی اس لیئے منصب امامت دوسروں میں چلا گیا ہے۔

اس بات کو سامنے رکھ کر ہر روز کوئی نیا امام بن کر ظاہر ہو رہا تھا، ان داعیان امامت کی تعداد کافی ہے ان میں سے چند معروف نام یہ ہیں

() ابو محمد حسن [ہارون] الشریعی

() ابن ابی عزاقر یعنی ابو جعفر محمد بن علی شلمغانی

() محمد بن نصیر نمیری

() ابو طاہر محمد بن علی بن بلال

() احمد بن ہلال کرخی وغیرھم

اس وقت ابن ابي غانم قزويني اوراس کے ایرانی عراقی ساتھیوں کی جماعت شیعہ میں شہنشاہ معظم ابومحمدؐحسن العسکری علیہ الصلواۃ والسلام کی شہادت کے بعد بحث مباحثہ ہوا، اوراس کا اثر سارے شیعوں پر ہوا کیونکہ بہت سے شیعوں میں یہ شک پیدا ہوگیا تھا کہ شہنشاہ معظم ابومحمدؐ العسکری علیہ الصلواۃ والسلام کی نعوذ باللہ کوئی پاک اولاد نہیں تھی جبکہ جناب ابوعمرالعامریؒ کی جماعت کے افراد یہ کہہ رہے تھے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف موجود ہیں۔اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا جائے۔اس عریضہ کے جواب میں جناب ابوعمرالعامریؒ کے نام یہ توقیع مبارک صادر ہوئی۔

دوستو!...... یہ بات یاد رہے کہ یہ روایت نہیں جس میں تبدیلی ممکن ہو کیونکہ جب انسان کسی کو پیغام دیتا ہے تو اس کا مفہوم تو کچھ نہ کچھ بچ جاتا ہے لیکن الفاظ کبھی بھی سو فی صد درست نہیں ہوتے اس لیئے احادیث میں رواۃ احادیث [خل] کا استعمال کر رہے ہوتے ہیں یعنی خلت [میرا خیال ہے یہ لفظ یا یہ لفظ استعمال ہوا تھا]

تحریر میں تو الفاظ کی تبدیلی ممکن ہی نہیں ہوتی اور توقیعات شہنشاہؐ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ

الشریف کے گرامی نامے ہیں جو انہوں نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرمائے ہیں اس لیئے ان کے ایک لفظ پر بھی شک کرنا جائز نہیں ہوتا اور نہ ہی ردّ و بدل جائز ہے۔

یہ توقیع مبارک علامہ شہید سید حسن مہدی شیرازی کی کتاب کلمۃ الامام المہدی عجل اللہ فرجہٗ الشریف ص244 پر بھی ہے، احتجاج طبرسی 277/2 اور دیگر کتب غیبت میں بھی ہے۔

توقیع مبارک کی عبارت

☆بسم الله الرحمن الرحيم

عَـاْفَـانَـا اللّٰهُ وَ اِيَّاكُمْ مِنَ الْفِتَنِ وِ وَهَبَ لَنَاْ وَلَكُمْ رُوْحَ الْيَقِيْنِ وَ اَجَـاْرَنَـاْ وَاِيَّـاكُـمْ مِنْ سُوْءِ مُنْقَلَبٍ اِنَّهٗ اَنْهى اِلىّ اِرْتِيَاب جَمَاعَةٍ مِّنْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ مَا دَخَلَهُمْ مِنَ الشَّكِ وَ الْحَيْرَةِ فِىْ وُلَاةِ اَمْرِهِمْ فَـغَـمُّـنَا ذَالِكَ لَكُمْ لَا لَنَاْ وَسَاءَ نَا فِيْكُمْ لَا فِيْنَاْ لِاَنَّ اللّٰهَ عزوجل مَـعَنَا فَلَا فَاْقَةَ بِنْا اِلٰى غَيْرِهٖ وَ الْحَقُّ مَعَنَاْ فَلَنْ يُوْحِشْنَاْ مَنْ قَعَدَ عَنَّا وَنَحْنُ صَنَائِعُ رَبِّنَاْ وَ الْخَلْقُ بَعْدُ صَنَائِعُنَا

يَاْ هٰؤلاءِ مَالَكَمْ فِی الرَّیْبِ تَتَرَدَّدُوْنَ وَ فِی الْحَیْرَۃِ تَنْعِکِسُوْنَ اَوَ مَاْسَمِعْتُمُ اللّٰہُ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْارَسُوْلَہ' وَ اُوْلِی اْلاَمْرِ مِنْکُمْ اَوْ مَاْعَلِمْتُمْ مَاجَاءَ تْ بِہِ الْآثَارُ مِمَّا یَکُوْنُ وَ یَحْدُثُ فِی اَئِمَّتِکُمْ علیھم الصلواۃ والسلام عَلَی الْمَاْضِیْنَ وَ الْبَاْقِیْنَ مِنْھُمْ اَوَ مَاْرَءَیْتُمْ کَیْفَ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مَعَاقِلَ تَاوُوْنَ اِلَیْھَاْ وَاَعْلاماً تَھْتَدُوْنَ بِھَا مِنْ لَّدُنَّ آدَمِ اِلیٰ اِنْ ظَھَرَ الْمَاضِی کُلَّمَا غَاْبَ عَلَم'' بَدَا عَلَم'' وَ اِذَا اَفَلَ نَجْم'' طَلَعَ نَجم'' فَلَمَّاْ قَبَضَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰہَ اَبْطَلَ دِیْنَہ' وَ قَطَعَ اللّٰہُ السَّبَبَ بَیْنَہ' وَ بَیْنَ خَلْقِہٖ ،کَلَّا ،مَا کَاْنَ ذَالِکَ وَلَا یَکُوْنُ حُتّیٰ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ وَ یَظْھَرُ اَمْرُ اللّٰہِ وَ ھُمْ کَاْرِھُوْنْ وَ اَنَّ الْمَاْضِی مَضٰی سَعِیْداً فَقِیْداً عَلیٰ مِنْھَاْجِ آبَائِہٖ حَذْوَالنَّعْلِ بِالنَّعْلِ وَ فِیْنَاْ وَصِیَّتُہ' وَ عَلَمُہ' وَ مَنْ ھُوَ خَلْفَہ' وَ مَنْ یَسُدُّ مَسَدَّہ' وَلَا یُنَازِعُنَاْ مَوْضِعَہ' اِلّا ظَاْلِم'' آثِم'' وَ لَا یَدَّعِیْہِ دُوْنَنَا اِلّا جَاْحَد'' کَاْفِر''وَ لَوْلَا اَنَّ لِاَمْرِ اللّٰہِ لَایُغْلَبْ وَ سِرُّہ' لَایُظْھَرْ وَ لَایُعْلَنْ لَظَھَرَ لَکُمْ مِنْ حَقِّنَاْ مَاْتَبْھَرُ مِنْہُ عُقُوْلُکُمْ وَ یُزِیْلُ شُکُوْکُکُمْ لٰکِنَّہ' مَاْشَاءَ اللّٰہُ کَاْنْ وَلِکُلِّ اَجْل کِتَابٍ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَسَلِّمُوا لَنٰا ،وَرُدُّوا الْاَمْرَ اِلَینٰا ، فَعَلَینٰا

الِاصْدَارُ كَمَا كَانَ مِنَّا الْاِيْرَادُ ،وَلَا تُحَاوِنُوا كَشْفَ مَا غُطِّيَ عَنْكُمْ وَلَا تَمِيْلُوا عَنِ الْيَمِيْنِ وَتَعْدِلُوا اِلَى الْيَسَارِ ،وَاجْعَلُوا قَصْدَكُمْ اِلَيْنَا بِالْمَوَدَّةِ عَلَى السُّنَّةِ الْوَاضِحَةِ فَقَدْ نَصَحْتُ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَاهِد" عَلَيَّ وَ عَلَيْكُمْ وَلَوْلَا مَاعِنْدَنَا مِنْ مُحَبَّةِ صَلَاحِكُمْ وَ رَحَمْتِكُمْ وَالْاِشْفَاقُ عَلَيْكُمْ لُكُنَّا عَنْ مُخَاطِبَتِكُمْ فِىْ شُغُلٍ مِمَّا قَدْ اِمْتَحَنَا مِنْ مُنَازَعَةِ الظَّالِمِ الْعُتُّلِ الضَّالِ الْمُتَابِعْ فِىْ غَيِّهِ الْمُضَادِ لِرَبِّهِ اَلْمُدَّعِىْ مَالَيْسَ لَهُ الْجَاحِدِ حَقّ مَنِ افْتَرَضَ اللّٰهُ طَاعَتَه' اَلظَّالِمُ الْغَاصِبْ" وَ فِىْ اِبْنَةِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وآلہٖ وسلم لِىْ اُسْوَة" حَسَنَة" وَ سَيُرْدِى الْجَاهِلَ رِدَاءَ ه' عَمَلَه' وَسَيَعْلَمُ الْكَافِرُ لِمَنْ عُقْبىٰ الدَّارْ عَصَمَنَا اللّٰهُ وَ اِيَّاكُمّ مِنَ الْمَهَالِكِ وَ الْاَسْوَاءِ وَالْآفَاتِ وَا لْعَاهَاتِ كُلِّهَا بِرَحْمَةِ فَاِنَّه' وَلِىُّ ذَالِكَ وَ الْقَادِرُ عَلىٰ مَا يَشَاءْ وَكَانَ لَنَا وَ لَكُمْ وَلِيّاً وَ حَافِظاً وَالسَّلَامُ عَلىٰ جَمِيْعِ الْاَوْصِيَاءِ وَ الْاَوْلِيَاءِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُه وَ صَلَى اللّٰهُ عَلىٰ مُحَمَّدِ النَّبِىْ وَ سَلَّمُ تَسْلِيْمَاً

( )...... مہر مبارک ،،،،،بحارالانوار 13/9/178/53

ترجمہ وشرحِ نکات

عبارتِ توقیع

☆بسم اللہ الرحمن الرحیم...... عَافَانَا اللّٰہُ وَ اِیَّاکُمْ مِنَ الْفِتَنِ وِ وَھَبَ لَنَاْ وَلَکُمْ رُوْحَ الْیَقِیْنِ وْ اَجَارَنَاْ وَاِیَّاکُمْ مِنْ سُوْءِ مُنْقَلَبٍ

رحمٰن ورحیم اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ عزوجل ہمیں اور آپ کو فتنوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھے، ہمیں اور آپ کو روحِ یقین عطا فرمائے، اللہ عزوجل ہمیں اور آپ کو پریشان کن اور بری بازگشت سے محفوظ فرمائے۔

شرحِ نکات

دوستو! ...... یہ پہلے جملے جو ہیں دعائیہ ہیں اور ان میں شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے اپنے مقدس جذبات کو مومنین کے ساتھ متصل فرماتے ہوئے اپنی ذات کو بھی دعا میں شامل فرمایا ہے اور وقت کے تینوں زمانوں پہ محیط دعا فرمائی ہے یعنی

() مستقبل کیلئے فرمایا ہے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو آزمائشوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے

( ) حال کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل آپ کو اور ہمیں روحِ یقین عطا فرمائے

( ) ماضی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل ہمیں اور آپ کو اعمال وافعال کی بری بازگشت اور برے انجام سے محفوظ رکھے

دوستو!......اس بات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جب بھی شیعوں میں سے ہدایت کیلئے کوئی جماعت یا فرد اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے رابطہ کرتا ہے تو آپ اسے دعا فرماتے ہیں اور ان کی ہدایت بھی فرماتے ہیں۔

فرامین میں ہے کہ جب کوئی انسان گمراہی ترک کرنے کیلئے رابطہ کرتا ہے تو اللہ جل جلالہ کو اس کی بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے اس کی ایک مثال دی گئی ہے

( ) ایک انسان کسی صحرا میں مصروف سفر ہو اور اس کا سامان خورد ونوش ایک اونٹ پر باندھا ہوا ہو، وہ انسان رات کو کسی جگہ قیام کرے اور جب صبح جاگے تو دیکھے کہ اس کا اونٹ مع سامان خورد ونوش غائب ہو، وہ انسان صحرا میں پیدل سفر کرنا شروع کردے، جب شدید گرمی کی وجہ سے اس کی پیاس عروج پر ہو اور اسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگے تو عین اس وقت وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر دیکھے تو نیچے اس کا اونٹ مع سامان بیٹھا ہو......تو اسے کتنی خوشی ہوگی؟

فرمایا جتنی اس شخص کو خوشی ہوگی ہمیں ایک مومن کے راہ راست پر آنے کی اس سے بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے،اس لیئے ہمیں اپنی آخرت کیلئے نہ سہی اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کو خوش کرنے کیلئے ان سے ہدایت طلب کرنا چاہیے اور راہ

حق پہ چلنا چاہیے تا کہ ہمارے ذریعے کچھ خوشی تو ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کو ملے گی۔

دوستو!...... یہ دعائے کاملہ اس زمانے تک محدود نہیں ہے بلکہ جس زمانے میں بھی شیعہ اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی مرکزیت سے متصل رہیں گے ان میں جب اور جہاں جہاں بھی شکوک وشبہات پیدا ہوں گے، وہاں رفع شک کا اہتمام حجت زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف پر واجب ہوجائے گا اور ان کی رہنمائی فرمانا ان کے منصبِ ہدایت کیلئے لازم وواجب ہے۔

ہمارے مناظرین اور مبلغین منکرین حجت علیہ الصلواۃ والسلام کے سامنے ہمیشہ سے یہ دلائل دیتے آرہے ہیں کہ جب بھی امت مسلمہ میں شک پیدا ہوجائے تو اس شک کو علمائے ربانیین رفع کرتے ہیں اور اگر علمائے امت میں شک پیدا ہوجائے تو اس شک کا رفع کرنا اللہ جل جلالہ پر واجب ہے اور یہ سنت الٰہیہ ہے کہ وہ یہ کام ہمیشہ اپنے نمائندوں سے لیتا ہے، یا وہ کسی نبی کو مبعوث فرما کر شک کو رفع فرماتا ہے یا حجت زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام کے ذریعے اس شک کو رفع فرماتا ہے، اس لیئے ہر زمانے میں کسی ایسی ذات کا روئے زمین پر موجود رہنا واجب ہے جو ایک طرف اللہ جل جلالہ سے متصل ہو اور دوسری طرف انسانیت سے مربوط ہو۔

بس اسی ذات واجب کو حجت اللہ فی العالمین علیہ الصلواۃ والسلام کہتے ہیں اور کوئی بھی زمانہ حجت زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام سے خالی نہیں رہ سکتا۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ تمہیں گمراہ کرنے والے فتنوں سے

محفوظ رکھے تا کہ تم پر کوئی ایسی آزمائش نہ آئے جو تمہارے دین کو برباد کردے اور ان آزمائشوں میں سے سب سے بری آزمائش شک کی ہوتی ہے اور شک کی ضد یقین ہے۔

اس لیئے آپ نے دعا میں فرمایا کہ اللہ جل جلالہ تمہیں روحِ یقین عطا فرمائے تا کہ تم نہ ہی حجت زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے وجود سے انکار کرو اور نہ ہی ان کے فضائل و اختیارات سے انکار کرو۔

اسی طرح مال و اولاد بھی آزمائش ہوتی ہے کہ ایک انسان اپنی اولاد کی وجہ سے گمراہ ہو جاتا ہے یعنی اولاد کی کفالت کیلیئے ناجائز ذرائع کو اختیار کرتا ہے، اولاد کی وجہ سے ترکِ دین پر مجبور ہو جاتا ہے، اسی طرح بیوی ہے، مال ہے، یہ سب آزمائشیں ہیں کیونکہ مال کو مال اس لیئے کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کو سب سے زیادہ اپنی طرف مائل کرتا ہے، اور انسان حبِ مال کی وجہ سے ایک طرف تو غیر شرعی ذرائع معاش اختیار کرتا ہے تو دوسری طرف حبِ مال اس کے حقوقِ واجبہ کی ادائیگی میں مانع ہو جاتی ہے اور انسان مالی واجبات ادا نہیں کرسکتا، کیونکہ شیطان کا سب سے بڑا داؤ فقر اور غربت سے ڈرانا ہوتا ہے اور یہ چیز مالی واجبات کی ادائیگی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

دوستو!...... یہ بھی ایک مسلمہ ہے کہ انسان سے بعض لغزشیں ایسی سرزد ہوتی ہیں جن سے توفیق خیر سلب ہو جاتی ہے یعنی کچھ اعمال اور لغزشیں ایسی ہوتی ہیں جو نماز شب کی توفیق سلب کر لیتی ہیں، کچھ لغزشیں ایسی ہوتی ہیں جن سے انسان قساوت قلبی کا

شکار ہو جاتا ہے اور گریۂ شب سے محروم ہو جاتا ہے، کچھ لغزشیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن سے انسان لذت مناجات اور لذت عبادات سے محروم ہو جاتا ہے۔
اسی طرح کچھ لغزشیں ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے انسان فرائض کی بروقت ادائیگی سے محروم ہو جاتا ہے اور کسی نیک کام پر موفق نہیں ہو پاتا، اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اللہ تمہیں اعمال غیر صالحہ کی بری بازگشت اور برے انجام سے محفوظ رکھے اور تم سے اگر کوئی ایسی بات سرزد ہو بھی جائے تو اللہ تم پر رحم فرمائے۔
دوستو!...... جو انسان بھی اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے مسلسل رابطہ رکھتا ہے اس سے توفیق خیر کبھی بھی سلب نہیں ہوتی اور انسان کبھی روحِ یقین سے محروم نہیں ہوتا، اس کی کوتاہیوں سے درگزر فرمایا جاتا ہے، یعنی جو شخص اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے مربوط رہتا ہے وہ ہر برائی سے محفوظ رہتا ہے، فتنوں سے محفوظ رہتا ہے اور اعمال کی بری بازگشت سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ مولا کریم عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہم سب پر کرم فرمائے...... آمین

عبارتِ توقیع

☆اِنَّهٗ اَنْهَی اِلَیّ اِرْتِیَابَ جَمَاعَةٍ مِّنْكُمْ فِی الدِّیْنِ

دوستو!......شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے یہاں سے مقصدِ تحریر کی طرف رجوع فرمایا ہے اور فرماتے ہیں تمہاری جماعت شیعہ کے دین

کے بارے میں شک وریب کی خبر [بذریعہ عریضہ] ہم تک پہنچی ہے۔

شرحِ نکات

دوستو!...... یہ ایک حقیقت ہے کہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہمہ وقت ان کا مشاہدہ فرمارہے تھے اور انہیں شیعوں کے سارے حالات معلوم تھے لیکن اس وقت تک انہوں نے رابطہ نہیں فرمایا جب تک شیعوں کی طرف سے ان کی بارگاہ میں رجوع نہیں کیا گیا۔

یعنی ہمیں اس بات سے یہ اصول بھی ملتا ہے کہ ہدایت اس کی فرمائی جاتی ہے جو ان کی ذات کی طرف رجوع کرتا ہے، اسی لیئے اللہ جل جلالہ بھی کلام پاک میں اسی اصول کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔

☆وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا...... (سورۂ عنکبوت69)

یعنی یہی اصول دیا کہ جو بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسی کی ہدایت کی جاتی ہے جو رجوع نہیں کرتا وہ محروم رہتا ہے، اور اللہ جل جلالہ سے رجوع کیا جائے یا شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے بات ایک ہی ہے کیونکہ ہدایت تو حجت زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہی فرماتے ہیں کیونکہ یہ اللہ جل جلالہ کے وسیلہ ہدایت بھی ہیں۔

دوستو!......شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرمارہے ہیں یہ خبر شیعوں کے بارے میں پہنچی ہے کہ وہ دین حقیقی یعنی زمانے کے امام علیہ الصلواۃ والسلام کے بارے

میں شکوک میں مبتلا ہوئے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نبوت، رسالت، امامت، حجتیت یہ دین کی قیادت کے نام ہیں اور جو انسان دین کی قیادت کے بارے میں شک و ریب میں مبتلا ہوتا ہے دراصل وہ دین ہی کے معاملہ میں شک و ریب کا شکار ہو رہا ہوتا ہے۔

سورہ البقرہ آیہ 217 میں ارشادِ رب العزت ہے کہ

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ اِنِ استَطَاعُوْا

اور وہ برابر تمہیں قتل کرتے رہیں گے، اگر مخالفین کا بس چلے تو یہ تمہیں تمہارے دین (یعنی رسالت یا حجت زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام) سے مرتد کرلیں۔

اسی ضمن میں سورۂ آلِ عمران کی آیہ 83 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

☆أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِيْ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعاً وَكَرْهاً وَإِلَيْهِ يُرْجَعُون ()

کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کسے چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں میں اور زمین میں سب خوشی سے اور بے اختیاری سے اسی دین کے فرمانبردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اس آیت کے دو احتمالات ہیں یعنی لہٗ کی ضمیر اللہ کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے، یا پھر دین کی طرف بھی یعنی حجت زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام کی طرف بھی، اور اس میں جو فرمایا گیا ہے کہ طوعاً کرہاً ہر چیز اپنے زمانے کی حجت علیہ الصلواۃ والسلام کو تسلیم بھی

کرتی ہے اور انہی کی طرف ہر چیز کی رجعت ہے یعنی ان ہی کی طرف ہر چیز نے لوٹ کر جانا ہے۔

دوستو!...... یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دین کی تکمیل قیادت سے ہوتی ہے اور اسی قیام قیادت کے بعد غدیر خم پر فرمایا گیا تھا۔

☆ان اللہ مولای و انا مولی المومنین فمن کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ

آمدم برسرِ مطلب

دوستو!......توقیع مبارک کے اس جملہ میں فرمایا یہ جا رہا ہے کہ تمہارے ارتیاب فی دین کی ہمیں اطلاع دی گئی ہے یعنی آپ لوگ اپنے ولی الامر عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں حیرت زدہ ہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یعنی وجودِ حجت و فضائل حجت عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں شک کی وجہ سے جماعت شیعہ کے ایمان کے متزلزل ہونے کی خبر پہنچی ہے۔

یہ ایک روحانی حقیقت ہے کہ جتنا زیادہ یقین ہوتا ہے اتنا بہتر رزلٹ ملتا ہے، کمال یقین مقام اعجاز کا نام ہے اگر آپ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف پر کامل یقین کے ساتھ پہاڑ کی طرف رخ کریں گے تو پہاڑ کی بھی کرچیاں اُڑ جائیں گی۔

یہ بات بھی شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے اصحاب و انصار کے فضائل میں موجود ہے، جیسا کہ شہنشاہ معظم ابو عبد اللہ الصادق علیہ الصلواۃ والسلام نے اپنے عظیم صحابی جناب ابو خالد کابلی سے فرمایا تھا۔

☆ يـابـاخــالـد انَّ أهـل زمـان غيبتـه القـائلين بـإمـامتـه والمنتظرين لظهوره أفضل من أهل كل زمان لأنَّ اللّٰه تبارك وتـعـالـى أعـطـاهـم مـن العقول والأفهام ما صارت به الغيبة عـنـدهـم بـمـنـزلة الـمشـاهدة وجعلهم فى ذلك الزمان بمنزلة الـمـجاهدين بين يدى رسول اللّٰه صلى الله عليه وآلهٖ وسلم بـالسيف اولئك المخلصون حقّاً وشيعتنا صدقاً والدعاة إلى دين اللّٰه عزوجلَّ سرّاً وجهراً...... (منتخب الاثر)

فرمایا اے ابوخالد! زمانۂ غیبت کے وہ لوگ جو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی غیبت کے قائل ہوں گے اور ان کے ظہور کے انتظار میں ہوں گے وہ سارے زمانوں کے لوگوں سے افضل ترین افراد ہوں گے، کیونکہ اللہ جل جلالہ انہیں ایسے عقول و افہام عطا فرمائے گا کہ ان کیلئے غیبت بھی بمنزلت مشاہدہ ہوگی، یعنی ان کا یقین اس درجہ کامل ہوگا کہ ان کیلئے اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا غائب ہونا یا حاضر ہونا ایک جیسا ہوگا، اوراس دور کے مومنین کا مرتبہ ایسا ہوگا جیسے وہ شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے تلوار لے کر مصروف جہاد ہوں، یہی ہیں ہمارے سچے مخلصین اور شیعہ صادق، اور اللہ جل جلالہ کے دین کی طرف ظاہراً اور باطناً بلانے والے، یعنی ان کے یقین کا عالم مشاہدے کی طرح کا ہوگا۔

زمانہ خروج میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے انصار کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ

☆وان قلب رجل منهم اشد من زبر الحدید لو مروا بالجبال الحدید لتكدكت لایكفّون سیوفهم حتّی یرضی اللّٰه عزّوجلّ......(منتخب الاثر)

ان میں سے ہر شخص کا دل فولاد کے ٹکڑوں سے زیادہ قوی ہوگا، وہ اگر پہاڑوں پر چلیں گے تو انہیں بھی اُڑا کر رکھ دیں گے، اور وہ اپنی تلواروں کو اس وقت تک نہیں روکیں گے جب تک کہ رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کرلیں گے۔

یعنی یقین ہی سب سے بڑی دولت ہے اور قوت یقین سے ہر ناممکن کام ممکن ہو جاتا ہے، اس لیئے اپنے چاہنے والوں کو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف یہ دعا دے رہے ہیں کہ اللہ جل جلالہ تمہیں روحِ یقین عطا فرمائے اور تمہیں اپنے اولیائے امر علیہم الصلواۃ والسلام پر کبھی شک لاحق ہی نہ ہو۔ لیکن یہ بھی فرما رہے ہیں کہ تمہارے عریضے کے ذریعے ہمیں اس دین حقیقی کے بارے میں شک و ریب وتزلزل کی اطلاع پہنچی ہے

یہ بات یاد رہے کہ ریب شک کے ہزارویں حصے کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک کے بارے میں فرمایا گیا ہے

☆ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ...... یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی ریب نہیں ہے

یعنی اس کی صداقت میں شک کا ہزاروان حصہ بھی موجود نہیں ہے، اسی طرح شیعہ جماعت کے بارے میں فرمایا کے ان کے بارے میں ہمیں اپنے دین یعنی شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں ریب وارتیاب کی اطلاع پہنچی ہے یعنی ان کے وجود پر ریب پیدا کر دیا گیا ہے، ان کے فضائل ومراتب میں ریب داخل عقائد ہو رہا ہے۔ اور یہی ریب دراصل دین حق کے بارے میں ریب کے مترادف ہے، یہ ریب شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت پر شک کرنے کے مترادف ہے اللہ جل جلالہ سارے مومنین کو اس ریب فی الامام عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے محفوظ رکھے۔ آمین

عبارت توقیع

☆وَ مَاْدَخَلَهُمْ مِنَ الشَّكِ وَ الْحَيْرَةِ فِىْ وُلَاةِ اَمْرِهِمْ

فرمایا تمہارے جملہ امور کے سرپرست اولیائے امر علیہم الصلواۃ والسلام کے بارے میں تمہارے ایمانی تزلزل وشک وحیرت کی اطلاع پہنچی ہے

شرحی نکات

دوستو! اس جملے میں دو چیزوں کو عطف کے ساتھ متصل کر کے فرمایا گیا ہے

() شک () حیرت

ان دونوں کی کیفیتوں میں کئی طرح کا فرق ہے، یعنی شک میں عقل استعمال ہو رہی

ہوتی ہے، جبکہ حیرت میں عقل استعمال نہیں ہورہی ہوتی ، کیونکہ حیرت نفی واثبات کی درمیانہ ایسی کیفیت ہوتی ہے جہاں عقل کام کرنا چھوڑ دے اور جس معاملہ میں عقل منفی راستے پر سوچنا شروع کردے اسے شک کہا جاتا ہے۔

ان دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ شک ہر صورت میں مذموم ہوتا ہے اور حیرت بعض حالات میں مذموم ہوتی ہے بعض حالات میں مستحسن ہوتی ہے، جیسا کہ صاحبان عرفان کے بارے میں فرمایا جاتا ہے کہ وہ عرفانِ توحید کی ایک ایسی منزل تک پہنچ جاتے ہیں کہ جہاں وہ رب زدنی علماً کی بجائے ☆رب زدنی تحیراً ...... کی دعا فرماتے ہیں لیکن سارے عرفاء شک سے پناہ مانگتے ہیں۔

اس جملے میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرماتے ہیں کہ تم میں سے بعض لوگوں کے شکوک وشبہات کی اطلاع پہنچی ہے یعنی اپنے اولیائے امور علیہم الصلواۃ والسلام کے بارے میں شکوک کی خبر پہنچی ہے

دوستو! ......اس دور کے شیعوں نے شک تو صرف ایک ذات پر کیا مگر شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے اسے شک فی ولاۃ امر علیہم الصلواۃ والسلام فرمایا کیونکہ اگر ان میں سے کسی ایک ذات پر بھی شک کیا جائے تو وہ شک ایک ذات پر نہیں ہوتا بلکہ سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام پر شک کے مترادف ہوتا ہے اور خصوصاً شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں جو شک کیا جائے وہ کسی ایک ذات پر نہیں رہتا بلکہ وہ سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام پر شک کرنے کے برابر ہوتا ہے کیونکہ ان کے وجود ذی جود اور ان کے فضائل کے بارے میں

سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام نے تفصیلات فراہم فرمائی ہیں، لاتعداد احادیث بیان فرمائی ہیں، اب اگر کوئی ان کے وجود پر یا ان کے فضائل پر شک کرتا ہے تو وہ ان سارے فرامین واحادیث پر بھی شک کرتا ہے جو سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام نے تواتر سے فرمائی ہیں، اس طرح جب کسی قول پر شک لاحق ہوتا ہے تو دراصل وہ اس قول کے قائل [فرمانے والے] پر شک تصور ہوتا ہے۔

دوستو!......اس جملے میں آپ نے لفظ ''ولاۃ امر'' استعمال فرمایا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے من ولی امره احدا فهو وليه......یعنی جو کسی کے ایک کام کا بھی سرپرست یا مختار ہو وہ اس کا ولی ہوتا ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی عورت کا نکاح ہوتا ہے تو اس سے سوال ہوتا ہے کہ تمہارا ''ولی'' کون ہے؟

وہ جس کے بارے میں بھی کہہ دے وہ اس کے امور کا سرپرست ہوتا ہے یعنی وہ اس کی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرنے کا مجاز ہو جاتا ہے اسی طرح سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام اپنے اپنے زمانے میں اللہ جل جلالہ کی طرف سے پوری کائنات کے ولاۃ امر ہوتے ہیں، ناظم کائنات ہوتے ہیں۔

ہر زمانے کے امام علیہ الصلواۃ والسلام اپنے زمانے کے مالک ومختار وناظم کل ہوتے ہیں اور خصوصی طور پر شیعوں کے دنیا وعقبیٰ کے ناظم وضامن وحافظ وناصر ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہیں اور یہی ہمارا نظام بھی چلا رہے ہیں اور پوری کائنات کا نظام بھی یہی چلا رہے ہیں، چاہے نظام تکوین ہو یا تشریع، چاہے نظام تخلیق ہو یا نظام تکمیل وتحفیظ ہو۔ یہ سارے کے سارے نظام شہنشاہ زمانہ

عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہی چلاتے ہیں۔

اس لیئے ان کے وجود پر شک کرنا اللہ جل جلالہ اور سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی عصمت پر شک کرنے کے مترادف ہے اور ان کے اختیار و فضائل پر شک کرنا بھی اللہ جل جلالہ کے فضائل و اختیارات پر شک کرنے کے مترادف ہے۔

جب یہ ہیں ہی اللہ جل جلالہ کے نور سے تو اُس کے نورِ ذات کی صفات کا ان میں پایا جانا لازم ہے، اُس کے تصرفات و خوارق کا اِن سے صدور ہونا لازم ہے

اسی لیئے فرمایا گیا تھا کہ یہ وہ کلماتِ الٰہیہ ہیں جن کا شمار ہو ہی نہیں سکتا، ان کی عظمتیں عقلِ بشر میں آ ہی نہیں سکتیں۔

دوستو!...... شیعہ قوم کے بعض افراد میں شک پیدا ہوا اور عقائد کی طائف الملوکی شروع ہوئی اور مشککین کی ریشہ دوانیوں سے مومنین کے دلوں میں تحیر پیدا ہوا تو آپ نے اس شک و انکار و تحیر و توقف پر اظہار افسوس فرمایا ہے، کیونکہ اس دور کے بعض شیعہ دیگر مسالک میں جانے پر پر تولنے لگے تھے، بعض جعلی نواب و وکلاء کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے تھے۔

بعض وجود حجت عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں شک اور ریب میں مبتلا ہونے لگے تھے اور بعض جعلی اماموں کی امامت کی تبلیغ سے متاثر ہونے لگے تھے، بعض آئمہ ماسلف علیہم الصلواۃ والسلام کے قائم ہونے کے نظریے کی طرف راغب ہونے لگے تھے، اور بعض مفوضہ و مقصرین و غلاۃ کے نظریات کو دیکھنے لگے تھے تو ان ساری صورتوں پر صرف افسوس ہی کیا جا سکتا تھا۔

بات یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ بعض شیعہ تو معتمد علیٰ اللہ عباسی کی امامت پر بھی سنجیدگی سے غور کرنے لگے تھے اور بعض نے تو متوکل علیٰ اللہ جیسے ظالم کی امامت کی بات بھی سننا شروع کردی تھی ۔شیعہ جماعت کی صفوں میں یہ انتشار افسوسناک تھا اور آج بھی ہے،مولا کریم شیعوں کو اپنی نصرت کیلیئے متحد رکھے۔

عبارت توقیع

☆ فَغَمَّنَا ذَالِكَ لَكُمْ لَا لَنَاْ وَسَاءَ نَاْ فِيْكُمْ لَا فِيْنَاْ

شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرما رہے ہیں ''یہ سن کر نصیب دشمناں ہمیں دکھ پہنچا ہے، ہم غمگین ہوئے ہیں، لیکن ہمارا یہ غم اپنے لیئے نہیں تمہارے لیئے ہے، اور یہ ہمیں اپنے لیئے برا نہیں لگا بلکہ یہ تم شیعوں کا نقصان برا لگا ہے۔

شرحِ نکات

دوستو!......ارشاد قدرت ہے

☆إِنَّ أَوْلِيَاء اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ

یقیناً جو اللہ جل جلالہ کے ولی ہوتے ہیں نہ ہی انہیں خوف طاری ہوتا ہے اور نہ ہی انہیں کوئی غم وحزن لاحق ہوتا ہے

یہ عمومی اولیا کرامؒ کا ذکر ہے کہ انہیں نہ آنے والے خطروں کا خوف ہوتا ہے اور نہ ہو جانے والے کسی اتلاف کا غم ہوتا ہے۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام اپنے حزن وغم کا مظاہرہ فرماتے ہیں اور بہت سے فرامین سے ثابت ہے کہ آپ پر غم وحزن طاری ہوتا ہے اوراسی طرح مومنین کے بارے میں ارشاد ہے کہ

☆یفرحون لفرحنا و یحزنون لحزننا

مومنین ہماری خوشی سے خوش ہوتے ہیں اور ہمارے حزن وغم سے غمگین ہوتے ہیں۔

یہ دو متضاد باتیں ہیں کیونکہ ایک طرف یہ ہو کہ انہیں حزن وغم طاری ہوتا ہی نہیں دوسری طرف فرمایا جائے کہ انہیں حزن وغم طاری ہوتا ہے۔اگر ہم جمع بین الآراء کریں تو پھر ہمارے سامنے ایک راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کسی ذاتی وجہ سے نہ ہی کبھی غم زدہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ذاتی وجہ سے خائف ہوتے ہیں بلکہ ان کا خوف اور حزن دونوں عمومی طور پر دوسروں کیلیئے ہوتے ہیں۔
اسی لیئے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف فرما رہے ہیں کہ آپ کے شکوک و شبہات کا سن کر نصیب دشمناں ہمیں غم ہوا ہے اور ہمیں یہ بات اپنے لیئے بری نہیں لگی کہ تم لوگوں نے ہمیں نہیں مانا بلکہ یہ بات ہمیں تمہارے لیئے بری لگی ہے کہ تم ہلاک کیوں ہونے لگے ہو؟ دین سے کیوں پھرنے لگے ہو؟ اس تشکیک وارتداد کا ان کی ذات کو کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ اس میں نقصان مومنین کا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک شفیق والد کی طرح اپنی اولاد کے نقصان پر غمگین ہوتے ہیں
فرامین میں یہ بھی ہے کہ ہر شام جب مومنین کے اعمال نامے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ

فرجہٗ الشریف کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں تو ہماری بداعمالیوں کو دیکھ کر نصیب دشمناں انہیں دکھ ہوتا ہے۔

اس لیئے ہمیں حتی المقدور نافرمانیوں سے بچنا چاہیے تاکہ ہماری وجہ سے ان کے نازک دل کو ٹھیس نہ پہنچے، ویسے تو وہ ہمارے اعمال کا لائیو مشاہدہ فرماتے ہیں اور ہماری نافرمانیوں کے بعد ہم سے توبہ اور استغفار کے منتظر رہتے ہیں، اس لیئے ہمیں ان کی نافرمانی کر کے ان کی دل آزاری نہیں کرنا چاہیے اور اگر کوئی نافرمانی ہو جائے تو پھر شام سے پہلے اس کی توبہ واستغفار کا اہتمام کر لینا چاہیے۔

یہ بھی یاد رہے کہ انہیں یہ دکھ کسی ذاتی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ یہ دکھ اس محبت کی وجہ سے ہوتا ہے جو ان کے مقدس دل میں ہم جیسے گناہگاروں کی موجود ہے، انہیں ہماری ضرورت نہیں ہے، محتاج تو ہم ہیں، مگر وہ ہم سے محبت کرتے ہیں، اگر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ ہمارے بغیر نعوذ باللہ ان کا گزارا نہیں ہے تو اس غلط فہمی کے بارے میں تو اللہ جل جلالہ نے سورہ المائدہ کی آیہ 54 میں بات صاف ظاہر کر دی ہے۔

☆يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ يَخَافُونَ لَوْمَةَ لآئِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

اے ایمان والو! (یاد رکھو کہ) تم میں سے جو کوئی بھی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب ہی اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن کو وہ دوست

رکھتا ہے اور وہ اس کو دوست رکھتے ہیں، (وہ) مومنوں پر نرم دل ہوں گے، کافروں کیلئے سخت گیر ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے ، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے وہ نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ کشائش والا بہت جاننے والا ہے۔

اس آیت میں بھی مومنین سے خطاب ہے کہ اگر تم دین سے پھر جاؤ گے اور مرتد ہو بھی جاؤ گے تو اس کا نہ اللہ عزوجل کو کوئی نقصان ہے اور نہ حجت زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام کو، بلکہ یہ تمہارا ہی نقصان ہے، کیونکہ تم نہیں ہو گے تو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی نصرت کیلئے ایک ایسی جماعت ناصرین پیدا کر دی جائے گی جن سے خود اللہ عزوجل محبت کرے گا اور جواباً وہ بھی اللہ عزوجل سے محبت کرنے والے ہوں گے۔

یاد رہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی محبت ہی اللہ عزوجل کی محبت ہے فرمایا وہ ناصرین آپس میں محبت اور تواضع کرنے والے ہوں گے مگر شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے دشمنوں کے بارے میں ان کے دلوں میں کوئی نرم گوشہ موجود نہیں ہوگا، اور یہ علامت ہمیں دعوتِ فکر بھی دیتی ہے کہ اگر کسی بھی جماعت کے افراد آپس میں متواضع اور احترام باہمی سے خالی ہیں تو انہیں اس جماعت سے اپنے آپ کو خارج سمجھنا چاہیے، ناصرین امام علیہ الصلواۃ والسلام کے ضروری شرائط احترام باہمی، آپس میں نیازمندی، ادب و عاجزی واجب ہے

فرمایا وہ جماعت ناصرین جہاد فی سبیل للہ کرنے والے ہوں گے یعنی جہاد کی جتنی قسمیں ہیں وہ اس میں شامل ہیں، وہ زمانہ غیبت میں جہاد بالنفس کرکے اس اندر کے دشمن کوشکست دینے والے ہوں گے۔

جہاد بالتصرف کرکے دشمنان دین کے روحانیاتی حملوں سے حرمِ دین کی حفاظت کرنے والے ہوں گے، اور بعد از خروج وظہور وہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے سامنے جہاد بالسیف کرتے ہوئے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں گے، جن کی پوری زندگی ایک جہاد مسلسل ہوگی، وہ ایسی جماعت ناصرین ہوگی جوکسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرے گی، کیونکہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی نصرت باللسان اورنصرت بالتصرف اوران کے دین کی تبلیغ وترویج ہوگی تو اس پر ناصرین کی بہت ملامت کی جانا ہے۔اوراسی طرح ایک فرمان ہے زمانہ آخر میں دین حق پر قائم شخص کوایک بدکار رفاحشہ عورت سے زیادہ بدنام کیا جائے گا۔ اس لیئے فرمایا گیا ہے کہ وہ دین حق کی اورشہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی نصرت کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور بدنام کرنے کی کوششوں کی پرواہ نہیں کریں گے۔اس کے بعد فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا اکتسابی اور کمایا ہوا اعزاز نہیں ہوگا بلکہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ کشائش والا بہت جاننے والا ہے۔

اس لیئے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف اپنی توقیع مبارک میں فرمارہے ہیں کہ ہمیں غم اپنا نہیں بلکہ تمہاری بے دینی اور محرومی کا ہے کیونکہ ناصرین حقیقی تو زمانہ آخر

میں آنا ہی ہیں اور ان کی جماعت تو ازل سے بنائی ہی ان کی نصرت کیلئے گئی ہے۔ اس جماعت کے علاوہ جو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی نصرت سے دست کش ہوتا ہے وہ خود اپنی بربادی کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

آپ خود سوچیں اگر کوئی شیعہ مولا کریم عجل اللہ فرجہ الشریف کو چھوڑ دیتا ہے تو نقصان کس کا ہے؟ وہ نہ چھوڑے بھی تو مولا کریم عجل اللہ فرجہ الشریف کا کون سا کام وہ کر رہا ہے؟

دوستو!......آپ اور ہم دیکھیں تو ہم مولا کریم عجل اللہ فرجہ الشریف کا کوئی کام نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان پر ایمان لا کر اپنی جان جہنم سے بچانے میں مصروف ہیں، اپنی ذات کو عذابِ جہنم سے بچانے کی ناکافی کوشش بطور دین کر رہے ہیں، اپنی آخرت کو محفوظ رکھنے کی کمزور سی کوشش کو بطور فرائض ادا کر رہے ہیں، اس میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کیلئے کیا ہے؟

ہماری نمازیں ہیں، روزے ہیں، جملہ اعمال و فرائض ہیں جو ہم بڑی لاپرواہیوں سے اور بڑی غیر روحانی صورت میں ادا کر رہے ہیں تو یہ سب کچھ ہمارے اپنے لیئے ہے، اس میں ہمارا اپنا فائدہ ہے ہماری نمازوں، روزوں سے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو کیا فائدہ ہے؟

ہم شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی نصرت کر رہے ہیں تو اس میں بھی ہمارا ہی فائدہ ہے کیونکہ اگر بادشاہ کسی کو اپنی خدمت کا موقعہ دیتا ہے تو وہ اس خدمت کرنے والے کا احسان نہیں ہوتا بلکہ بادشاہ کا احسان ہوتا ہے کیونکہ بادشاہ کو خدمت کرنے

والوں کی کمی نہیں ہوتی بلکہ خدمت کرنے والے کیلئے یہ اعزاز ہے ورنہ وہ یہ کام کسی اور سے بھی کرواسکتا ہے، اگر کوئی انسان بادشاہ کی خدمت سے جی چراتا ہے یا انکار کر دیتا ہے تو نقصان اسی کو ہوتا ہے بادشاہ کا نہیں ہوتا۔

اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کیلئے اگر کوئی شخص کوئی کام کرتا ہے تو اس میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس خدمت کرنے والے کا فائدہ ہوتا ہے، اس لیئے تو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرمارہے ہیں کہ ہمیں دکھ تو تمہاری بربادی کا ہے کہ ہمارے نام لیوا افراد جہنم کے راستے پر کیوں چل پڑے ہیں؟ ہماری ذات سے انکار کر کے ہمارے فضائل سے منہ موڑ کے یہ جو اپنا نقصان کر رہے ہیں اس کا ہمیں افسوس ہے۔ مولا کریم عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہم سب کو توفیق نصرت عطا فرمائے- آمین

عبارت توقیع

☆ لِاَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مَعَنَا فَلَا فَاقَةَ بِنَا اِلٰی غَیْرِہٖ

دوستو!......شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرماتے ہیں ہمیں اپنے بارے میں کسی پریشانی کا سامنا نہیں ہے کیونکہ اللہ عزوجل ہمہ وقت ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں اللہ عزوجل کے سوائے کسی کی احتیاج ہی نہیں ہے، یعنی ہم کسی بھی پہلو میں اللہ عزوجل کے سوا کسی کے محتاج و حاجت مند و ضرورت مند ہی نہیں ہیں اور وہ تو ہمہ وقت ہمارے ساتھ ہی ہے، تو

پھر کسی کی کیا ضرورت ہے؟

شرحِ نکات

دوستو!......اس فرمان میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے اپنی بھرپور بے نیازی کا اظہار فرمایا ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ فرمان معصوم علیہ الصلواۃ والسلام کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ ظاہر بین کو اپنے لیئے بھرپور مواد عطا فرماتا ہے اور طلبائے عرفان کیلیئے اسی فرمان میں عرفان کے خزائن پوشیدہ ہوتے ہیں۔

یہاں ایک وضاحت کرتا چلوں کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی توقیع مبارک کسی عارف کامل جماعت کے پاس نہیں آئی بلکہ ان لوگوں کی طرف آئی ہے کہ جو ان کی ذات کے وجود کے بارے میں شک وشبہات میں مبتلا ہیں اور ان شیعوں میں سے بعض تو شلمغانی اور بعض دیگر حلولی عقائد کی طرف مائل ہو رہے تھے یہ اُن لوگوں کیلیئے صادر ہو رہی ہے جو یہ سوچ رہے تھے کہ شہنشاہ معظم جناب ابو محمدؐ العسکری علیہ الصلواۃ والسلام کا وصال ہو چکا ہے اور ان کی کوئی اولاد نعوذ باللہ موجود نہیں ہے اس لیئے ان کی روح مقدس فلاں شخص میں حلول کر گئی ہے اس لیئے وہ امام ہے اور وہی قائم امر اللہ ہے اور وہی منتظر ہے اور انہی کیلیئے غیبت ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ بات ایسے اشخاص کیلیئے کہی جا رہی تھی کہ جو خاندان سادات میں سے بھی نہیں تھے۔

دوستو!...... یہ بھی ایک اعجاز امامت ہے کہ کلام چاہے انتہائی پست عقائد کے افراد سے فرمایا جائے یا دشمنان معرفت سے خطاب فرمایا جائے اس میں صاحبانِ عرفان کیلئے بھی اتنا ہی خزانہ موجود ہوتا ہے جتنا کسی کے ظرف کو درکار ہوتا ہے کیونکہ ان کے مقدس کلام کے بواطن در بواطن ہوتے ہیں اور ان ستر ہزار بواطن کا صرف ایک ظاہر ہوتا ہے جو مستضعفین کیلئے ہوتا ہے ضعیف العقیدہ لوگوں کیلئے ہوتا ہے، اور باقی سب کچھ صاحبانِ عرفان کیلئے حسبِ درجاتِ عرفان پوشیدہ رکھا جاتا ہے یعنی ان کے کلام مقدس کی بارش سے ہر کوئی مستفیض ہو رہا ہوتا ہے جبکہ ظاہر میں خطاب کسی جاہل شخص سے ہی کیوں نہ ہو، یہاں بھی یہی کیفیت ہے کہ بات تو ان لوگوں سے ہو رہی ہے جو وجود حجت عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے منکر یا مشکوک ہیں مگر اسی فرمان میں اپنے عارفان نور کو بھی فیڈ کیا جا رہا ہے۔

دوستو!......اس توقیع مبارک میں فرمایا جا رہا ہے

☆انَّ اللّٰهَ عزوجل مَعَنَا فَلَاْ فَاْقَةَ بِنْا اِلٰی غَیْرِہٖ

اللہ عزوجل ہماری معیت میں ہے اور ہمیں اللہ عزوجل کے سوا کسی کی کوئی حاجت ومحتاجی ہے ہی نہیں۔

اس دور کا ہر شیعہ چاہے وہ کتنا ہی کمزور عقیدہ کیوں نہ رکھتا ہو وہ یہ ضرور مانتا ہے کہ یہ انوار معصومین علیہم الصلواۃ والسلام اللہ عزوجل کے سوا کسی کے کبھی بھی محتاج نہیں ہوتے اور ان کی ہر ضرورت، ہر احتیاج اللہ عزوجل سے شروع ہو کر اسی کی ذات واجب الوجود تک ختم ہو جاتی ہے، ممکن ہے آج کے بعد کوئی اس بات سے بھی انکار

کر دے تو یہ ایک علیحدہ بات ہے۔

دوستو!......ایک مرتبہ پھر دیکھیں کہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم اللہ عزوجل کے سوا کسی کے محتاج نہیں ہیں۔

آیئے اس بات کا ہم گہرائی سے تجزیہ کریں کہ اس سے کیا کیا راز اخذ ہو سکتے ہیں۔سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ''محتاجی'' یعنی احتیاج کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں۔

دوستو!......اس عالمِ موجود میں احتیاجی حوالے سے موجودات کی تین صورتیں ہیں۔

(1)......

کچھ موجودات ایسے ہیں جو اپنے وجود و استکمال میں اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کے محتاج نہیں ہوتے ہیں یعنی انہیں وجود میں لانا انہیں باقی رکھنا اور انہیں نقطہءِ کمال تک پہنچانا یہ سب کچھ اللہ جل جلالہ کے علاوہ کسی دوسرے کا کام نہیں ہوتا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ارواح وملکوت وغیرھم ہیں تو انہیں اللہ جل جلالہ نے لفظ ''کن'' کی تجسیم سے خلق فرمایا اس لیئے ملکوت ہیں یا اوراح ہیں یہ غیر اللہ کے محتاج ہوتے ہی نہیں۔جب انہیں جامۂ وجود عطا فرمایا جاتا ہے تو یہ اپنے نقطہ کمال ہی پر پیدا ہوتے ہیں،ایسا نہیں ہوتا کہ انہیں مراحل تکمیل سے گزرنا پڑے،اسباب وعلل و وسائط و وسائل کی ضرورت ہو، بلکہ اُدھر فرمایا گیا ''کن'' اِدھر یہ عین عالم جوانی میں ظاہر ہو گئے اور پھر ان پر زمان وحوادثِ زمان کا اثر ہی نہیں ہوتا ہے۔ملکوت ہیں یا روحیں، نہ یہ بچپن سے گزریں نہ لڑکپن سے، نہ ان کی ادھیڑ عمر، نہ ضعیفی بلکہ اپنی

استکمالیہ درجات ہی پر پیدا فرما دیئے گئے۔

(2)......

دوستو!......موجودات کی دوسری قسم وہ ہے جو اپنے وجود کے ایجاد و تخلیق میں تو اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کی محتاج نہیں مگر یہ اپنے استکمال میں غیر اللہ کی محتاج ہے جیسا کہ نفوس وخلائق نفسی ہیں جو وجود میں تو غیر اللہ کے محتاج نہیں ہوتے لیکن استکمال میں محتاجِ غیر ہوتے ہیں۔

دوستو!......شہنشاہ معظم امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے اپنے اشعار میں انسان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا

أ تحسب انك جرم صغير   وفيك الطوى عالم الاكبر

یعنی اے انسان تو خود کو ایک چھوٹا سا جسم سمجھتا ہے جبکہ تجھ میں عالم اکبر لپیٹا ہوا ہے۔

یعنی اگر ہم کسی بھی چیز کی مثال تلاشیں تو ہمیں اپنے ہی وجود میں مل سکتی ہے اسی طرح ان موجودات عالم کی مثالیں بھی ہمارے اندر موجود ہیں جیسا کہ وہ موجودات جو وجود و استکمال دونوں میں غیر اللہ کے محتاج نہیں ہیں ان کی مثال ہماری روح ہے اور وہ موجودات جو وجود میں تو محتاج غیر اللہ نہیں مگر استکمال میں محتاجِ غیر ہیں ان کی مثال ہمارے جسم کے اندر موجود نفس ہے۔

آپ دیکھیں کہ نفس ناطقہ پیدائش میں سوائے اللہ عزوجل کے کسی کا محتاج نہیں ہوتا مگر درجات کمالیہ تک پہنچنے میں یہ غیر اللہ کا محتاج ہوتا ہے، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ

نفس انسان تہذیب نفس ،تزکیات نفس ، ریاضات نفس ، تادیب نفس جیسی بہت سی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے، اگر یہ ان چیزوں سے محروم رہے تو اپنے نقطہءِ کمال تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ یہ اپنے نقطہءِ اعتدال سے گر بھی جاتا ہے اور اس میں امارگی پیدا ہو جاتی ہے۔

(3)......

دوستو! ......موجودات کی تیسری قسم وہ ہے جو وجود و پیدائش میں بھی غیر اللہ کی محتاج مانی جاتی ہے اور استکمال و کمال میں بھی غیر اللہ کی محتاج مانی جاتی ہے جیسا کہ موالید ثلاثہ و اربعہ ہیں یعنی نباتات ہیں، حیوانات ہیں، انسان ہے، جنات ہیں، یا اسی قبیل کی دوسری مخلوقات ہیں جو پیدائش میں بھی غیر اللہ کی محتاج ہوتی ہیں اور اپنے استکمال میں بھی۔

احتیاجاتِ غیر برائے وجود

دوستو! ...... ہم اس بات کو خود انسان ہی سے شروع کرتے ہیں کہ یہ کس طرح وجود میں محتاج ہے؟ اسی طرح نباتات و حیوانات پر اس نظریئے کو آپ خود اپلائی (Apply) کرتے چلے جائیں گے تو یہ کلیہ مزید کھل کر سامنے آجائے گا لیکن ہم مثال انسان کی دیتے ہیں۔

() انسان پیدائش میں ماں باپ کا محتاج ہوتا ہے، ماں باپ نہ ہوں تو یہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔

( ) انسان پیدائش میں اصلاب وارحام کامحتاج ہے، پشت پدراورشکم مادر نہ ہوتو اس کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہوتا ،شکم مادر کی متبادل چاہے بے بی ٹیسٹ ٹیوب ہی کیوں نہ ہومحتاجی تو ہے ہی۔

( ) انسان پیدائش میں نطفتین کامحتاج ہے،یعنی ایکس اوروائی سپرم موجود نہ ہوں تو یہ پیدانہیں ہوسکتا اور آپس میں ان کے ملنے کی 21+21 کی ریشو بھی لازم ہے یہ بھی محتاجی ہے

( ) نطفے کی تجوید کیلیئے غذاؤں کی محتاجی ہے۔اس کے بعد انسان کی تکمیل کا مرحلہ آتا ہےتو اس میں انسان پیدا ہوتا ہےتو اسے دودھ اور غذاؤں کی محتاجی لاحق رہتی ہے، اگر غذائیں نہ ملیں تو انسان زندہ بھی نہ رہےاور ناقص یاکم غذائیں ملیں تو اس میں زندہ تو شاید رہ جائے مگر درست نشو ونما نہ ہوگی۔

( ) انسان کوایک بچے سے جوان ہونے تک لاکھوں محتاجیوں کا سامنا ہوتا ہے یعنی جسم کی تکمیل کیلیئے وٹامنز (Vitamins)، پروٹینز (Proteins) ،کیلوریز(Calories) اور ایکسرسائزز(Exercises)، فوڈز(Foods) اور اسی طرح لباس، مکان، ماحول، تربیت وغیرہ جیسی لاتعداد محتاجیاں ہیں، اس کے بعد غذا کے حصول کیلیئے نوکری، کاروبار، ذرائع معاش کی محتاجی ہوتی ہے۔

اسی طرح رہنے بسنے یعنی قدم ٹکانے کیلیئے زمین کی محتاجی ہے،کھیتی باڑی کیلیئے سامان کی محتاجی ہے،لوہے کی ،لکڑی کی ، بنانے والوں کی ، کیرج (Carriage) کی ، پانی کی ، آبپاشی کی ، پھرآبپاشی کیلیئے مختلف اشیاء کی وغیرہ وغیرہ ،اسی طرح آگ ، پانی

، چاند ،سورج ،آٹا ،دال ،نمک ،مٹی ،ہوا ،معادن ،جانور اور مشینیں ۔ پتہ نہیں کتنی محتاجیوں کی چٹانوں کے نیچے دب کر انسان ایک ایک سانس لیتا ہے؟

اگر ہم انسان کی احتیاجی صورت کو سامنے رکھ کر انسان کی تعریف کریں تو وہ یہ ہوگی ''انسان سراپا محتاجی کا نام ہے'' کیونکہ انسان کا ایک ایک سانس ہزاروں محتاجیوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے،اگر سانس لینے کیلئے ہوا تو موجود ہو مگر انسان کے لنگز [پھیپھڑے] کام نہ کریں تو بھی مرسکتا ہے، غذائیں موجود ہوں کھا نہ سکے یا معدہ کام کرنا چھوڑ دے تو بھی انسان مرجائے ،یعنی محتاجیاں صرف خارجی ہی نہیں داخلی بھی ہیں اور یہ ساری محتاجیاں غیر اللہ کی ہیں، کیونکہ ہوا ہے یا پانی ہے، غذا ہے یہ اللہ تو نہیں ہیں ۔

دوستو!......آپ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا فرمان دیکھیں کہ آپ فرماتے ہیں کہ ''ہم سوائے اللہ جل جلالہ کے کسی کے محتاج ہیں ہی نہیں''

یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ بشر کی رؤں رؤں غیر اللہ کی محتاجی میں جکڑی ہوئی ہے تو جو سوائے اللہ جل جلالہ کے کسی کے محتاج نہ ہوں انہیں بشر کیسے کہا جا سکتا ہے؟ منطقی طور پر انہیں انسان ثابت کرنے کیلئے ہمیں اس طرح کے مقدمات قائم کرنا پڑیں گے ۔

( ) بشر محتاج غیر اللہ ہے ۔زید بشر ہے اس لیئے زید محتاج غیر اللہ ہے اور جو غیر اللہ کا محتاج ہی نہ ہو وہ بشر تو ثابت نہیں ہو سکے گا ۔

( ) انسان زندہ رہنے کیلئے سانسوں کا محتاج ہوتا ہے اور سانس ہوا کی محتاج

ہوتی ہے اور ہوا آکسیجن اور دیگر گیسز کی محتاج ہوتی ہے اور جس کی ہر سانس سوائے اللہ جل جلالہ کے کسی کی محتاج ہی نہ ہو اس کی زندگی ہم جیسی کیسے ہوسکتی ہے؟

آپ دیکھیں کلام الٰہی میں ارشاد ہے

☆تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ()الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاةَ لِیَبْلُوَكُمْ أَیُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً

یعنی اللہ جل جلالہ نے موت اور حیات کو خلق فرمایا ہے

دوسری طرف فرمان ہے کہ

☆اول ما خلق الله نوری ......یعنی سب سے پہلے ان کا نور اقدس ظاہر ہوا ہے اور اس وقت موت اور حیات دونوں کی تخلیق نہیں ہوئی تھی تو پھر ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے پیدا ہونے سے پہلے جب یہ موجود تھے تو کیا یہ اس وقت زندہ نہیں تھے؟ اگر زندہ تھے تو ان کی جیسی بھی زندگی تھی وہ ہم جیسی زندگی تو نہیں تھی۔

جب یہ ثابت ہو جائے کہ جن کی زندگی ہم جیسی ہے ہی نہیں، جن کا ایک ایک سانس ہم جیسا نہیں ہے تو وہ ہم جیسے کیسے ہو سکتے ہیں؟ انسان کو زندہ رہنے کیلئے سانس کی ضرورت ہے اور سانس کو ہوا کی اور ہوا کو آکسیجن کی۔

اب آپ سوچیں جب ان کا نور اللہ جل جلالہ کے نور سے جدا ہوا تھا تو کیا اس وقت بھی ہوا موجود تھی؟ کیا آکسیجن موجود تھی؟ کیا یہ زندہ رہنے کیلئے سانسوں کے محتاج تھے؟ جب ہم یہ جانتے ہیں کہ بشر تو نام ہے ہی غیر کی محتاجی کا اور ان کی ذوات تو محتاجیِ غیر کی نجاست سے کبھی آلودہ ہی نہیں ہوئیں، تو یہ بشر کیسے مانے جا رہے

ہیں؟

دوستو!......جن کی زندگی حی لا یموت ہو، جن کی ایک ایک سانس حی لا یموت ہو، جو حیاتِ الٰہی کے مظہر ہوں، ان کی زندگی حیاتِ الٰہی کے مشابہہ ہونا چاہیے یا بشر کے؟ یہ انوارالٰہیہ ازلیہ علیہم الصلواۃ والسلام تو ہماری طرح کی زندگی کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ ان کی زندگی خود حی ولا یموت کی ذات ہے ان کی زندگی حیاتِ الٰہی کی مظہر ہے۔

دوستو!...... یہ تو آپ نے دیکھا کہ اللہ جل جلالہ نے حیات کو خلق فرمایا ہے مگر اس کی ذات تو ''حی'' ہے تو کیا وہ بھی محتاجِ حیات ہوسکتا ہے؟

بس اسی طرح یہ بھی تخلیق حیات سے پہلے موجود بھی تھے زندہ بھی تھے اور اس کے محتاج بھی نہیں تھے۔

احتیاجِ غذا

دوستو!...... انسان کے بارے میں آپ جان چکے ہیں کہ انسان سراپا محتاجی ہے پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد انسان محتاجِ غذا ہوتا ہے۔

ان انوار اطہار علیہم الصلواۃ والسلام کے بارے میں احادیث کے انبار لگے ہوئے ہیں کہ اپنے ظہور اجلال سے پہلے بھی اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کے محتاج نہیں تھے اور ظہور ظاہری کے بعد بھی آپ غذائی امور میں غیر اللہ کے کبھی بھی محتاج نہیں ہوئے۔

علامہ مجلسیؒ ایک بحث پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک صاحب نے ان سے سوال

کیا کہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف غائب ہیں تو ان کی غذا کا اہتمام کہاں سے ہوتا ہے؟ اس کا جواب ہم نے یہ دیا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام جو آسمانوں پر زندہ موجود ہیں تو آسمانوں پر ان کیلئے غذا کہاں سے آتی ہے؟

(بحارالانوار 51 ص 101)

یعنی انہوں نے الزامیہ جواب دے کر اپنے مخالف کو خاموش کر دیا لیکن میں اس کا جواب الزامیہ نہیں دیتا بلکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسان کی غذائی حالتیں چار ہوتی ہیں

( ) زمانہ بعد از رضاعت کی غذائی حالت

( ) زمانہ رضاعت کی غذائی حالت

( ) عالمِ بطنِ مادر کی غذائی حالت

( ) عالمِ صلبِ پدر کی غذائی حالت

دوستو!......انسان جب غذا لیتا ہے تو اس کی یہی چار ہی حالتیں ہوتی ہیں

ان میں سے اولین دو حالتیں وہ ہیں جب انسان اپنی اصل سے خارج میں ایک وجود حاصل کر لیتا ہے اور آخری دو حالتیں وہ ہیں جس میں انسان اپنی اصلِ اول یا اصلِ ثانی کے اندر رہ کر غذا حاصل کر رہا ہوتا ہے۔

پہلی حالت

اس میں انسان کی پیدائش کے بعد اس کی غذائی حالت کے درجات ہوتے ہیں ان میں میجر پوائنٹ تین ہوتے ہیں اور باقی ان کے اندر کے درجات

ہوتے ہیں جیسا کہ

(1) حصول معاش کا کام اور غذا کی تیاری سے لے کر ایک لقمے کو منہ تک پہنچانے کا کام ماں باپ کرتے ہیں

(2) حصول معاش غذا کی تیاری ماں باپ کرتے ہیں مگر انسان کھانا اپنے ہاتھوں سے کھاتا ہے، اس میں منہ میں لقمہ ڈالنے کی حد تک خود عمل کرتا ہے

(3) حصول معاش کا کام بھی خود کرتا ہے اور کھانا کھانے کا عمل بھی خود کرتا ہے

دوسری حالت

اس میں انسان ماں کی ذات سے یعنی اصل ثانی سے جدا ایک علیحدہ وجود رکھتا ہے، لیکن اس کی غذا اس کی اصلِ ثانی کے خارج سے نہیں آتی بلکہ ماں کے اندر سے اسے غذا حاصل ہوتی ہے یعنی اس کی واحد غذا ماں کا دودھ ہوتا ہے جو ماں کے اندر پیدا ہوتا ہے۔

تیسری حالت

اس میں انسان ماں سے جدا نہیں ہوتا بلکہ ماں کے اندر اس کے بطن میں رہ کر اس سے غذا لے رہا ہوتا ہے جیسا کہ

☆لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ كَبَدٍ......کی تفسیر میں صاحب بحار فرماتے ہیں

☆منتصبا فی بطن امه غذاؤه من غذائها......

شکمِ مادر میں بچے کی غذا وہی ہوتی ہے جو ماں کی غذا ہے یعنی وہ ذاتی طور پر غذا سے

بے نیاز ہوتا ہے جو ماں کی غذا ہوتی ہے اسی سے وہ بھی پروان چڑھتا رہتا ہے اگر ہم انسان کی پوری زندگی کی دوڑ اور جد وجہد کا نفسیاتی جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ انسان کی آئیڈیل(Ideal) زندگی شکم مادر کی زندگی ہوتی ہے، اور ایسا لگتا ہے کہ انسان پوری زندگی اسی زندگی کے حصول میں دوڑ رہا ہے یا اسی آئیڈیل(Ideal) کو''چیز(Chase)'' کررہا ہے۔

جیسا کہ انسان اس دنیا میں ایک محفوظ مکان چاہتا ہے جو شکم مادر سے مشابہہ ہوتا ہے اسی طرح وہ لباس میں غذا میں اس طرح کی زندگی چاہتا ہے جیسی شکم مادر میں تھی کیونکہ اسے نہ لباس کی ضرورت تھی اس کا لباس بھی اس کی ماں تھی نہ اسے غذا کی ضرورت تھی کیونکہ اس کی طرف سے اس کی ماں کھاتی تھی، ملتا اسے تھا، اسی طرح اسے سانس تک لینے کی زحمت نہیں کرنا پڑتی تھی، یعنی ایک آرام ہی آرام، سکون ہی سکون تھا، نہ کسی چیز کی فکر نہ پریشانی، کیونکہ اس کیلئے پریشان ہونا بھی ماں ہی کے ذمہ تھا۔

چوتھی حالت

یعنی صلب پدر میں ہر انسان غذا کا محتاج ہو کر غذا کے حصول سے کلی طور پر بے نیاز ہوتا ہے اور وہ والد کا جز و بدن ہوتا ہے، اور اس کے اجزا کی طرح فیڈ اپ (Feed up) ہوتا رہتا ہے۔

دوستو!...... یہ بات یاد رہے کہ جب ان انوار الٰہیہ علیہم الصلواۃ والسلام کی بات

کرتے ہیں تو ہم مجبوراً تشبیہ سے کام لیتے ہیں تو یہ سمجھانے کیلیئے ہوتی ہے جیسا کہ عرفاء کا مسلمہ ہے ''سمجھانے کیلیئے تشبیہ ہوتی ہے اور سمجھنے کیلیئے تنزیہہ ہوتی ہے'' انہیں ہر چیز سے منزہ کر کے سمجھا جا سکتا ہے، اس لیئے میں تشبیہ سے کام لیتے ہوئے عرض کر رہا ہوں کہ ان انوارِ الٰہیہ علیہم الصلواۃ والسلام کو دیکھیں تو ان کی بھی چار حالتیں نظر آتی ہیں۔

(1) اپنی اصل یعنی نورِ اُلوہیت کے ضمیر ذات میں موجودگی کی حالت

(2) اختراع من نورِ ذات کے بعد کی حالت، بطن اُم المراتب میں نزول کی حالت

(3) ظہور ونزول فی عوالم ماتحتہ یعنی آبائے مراتب کے اصلاب شامخہ اور امہات المراتب کے ارحام مطہرہ میں ہبوطی ونزولی حالت

(4) ظہور فی الدنیا کے بعد کی ظاہری حالت

☆ پہلی حالت!

اپنی اولین حالت میں تو یہ اپنی اصل کی طرح غذا سے بے نیاز تھے نہ اللہ جل جلالہ محتاج غذا تھا اور نہ یہ محتاج غذا تھے کیونکہ یہ اس کے ضمیرِ ذات میں پوشیدہ تھے۔

☆ دوسری حالت!

اختراعِ نور کے بعد جب جامہ وجود میں ظہور فرمایا تو اس دور کے بارے

میں ہمارے پاس بہت سی روایات موجود ہیں جیسا کہ ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کے بارے میں روایات کثیر موجود ہیں کہ جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اولین ظہور کا ذکر فرمایا تو لوگوں نے سوال کیا کہ اس وقت ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کی غذا کیا تھی؟ آپ نے فرمایا کہ اس وقت ان کی واحد غذا تسبیح وتہلیل تھی

☆ تیسری حالت!

عالم لاہوت سے عالم جبروت وملکوت و ملک کے امھات المراتب میں نزولی حالت ہے جسے سمجھانے کیلئے ہم آغوش مادر کی مثال دے سکتے ہیں کیونکہ اس زمانہ آغوش میں بچہ ماں سے جدا وجود کا حامل تو ہوتا ہے مگر اس کی غذا جسم مادر ہی سے آتی ہے اسے خارجی کوئی غذا نہیں ملتی۔ بلاتشبیہ یہ نور بھی اپنی نورانی غذا ذات الٰہی کے نور سے حاصل کر رہا تھا، کسی غیر کا محتاج تھا ہی نہیں۔

☆ چوتھی حالت!

دوستو! ...... چوتھی حالت اس دنیا میں ظہور اجلال فرمانے کی ہے۔ میں اس کے بارے میں یہی عرض کروں گا کہ غذائیں کبھی اپنی نوعیت نہیں بدلتیں، قسمیں بدلتی ہیں۔ انسان کی غذا چاہے شکم مادر والی ہے یا دودھ والی ہے یا بعد کی ہزاروں غذاؤں والی حالت ہے اس میں غذا کی نوعیت نہیں بدلتی بلکہ قسمیں بدلتی ہیں۔

جملہ غذاؤں میں وہی کیلوریز، وہی پروٹینز، وہی وٹامنز، وہی کیلشیم، وہی فاسفورس وغیرہ ہوتے ہیں، اگر بدلتے ہیں تو ذائقے، شکلیں، قسمیں بدلتی ہیں نوعیت ایک ہی

رہتی ہے۔

اسی طرح ان انوار الٰہیہ ازلیہ علیہم الصلواۃ والسلام کی غذا کی نوعیت وہی نورانی رہتی ہے چاہے اس دنیا میں ظاہر ہوں یا ازل میں نورِ ذات کے حضور میں ہوں یہ کبھی بھی غیر اللہ کے محتاج نہیں ہوتے ، بلکہ وہی ان کیلئے سب کچھ ہوتا ہے، ہاں ظاہر میں جو یا گندم کھا رہے ہوں تو بھی وہ نہ جو جو رہتے ہیں اور نہ گندم گندم بلکہ نور ہی نور رہ جاتا ہے۔

دوستو!......کبھی آپ نے سوچا ہے کہ انسان غذا کیوں کھاتا ہے؟

انسان اپنے جسم کی نشو ونما اور اپنی قوت بدن کو بحال رکھنے کیلئے غذا کا محتاج ہوتا ہے اور یہ انوار اطہارِ ازل علیہم الصلواۃ والسلام اپنے نورانی ابدان کی نشو ونما اور قوت کی بحالی میں بھی اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کے محتاج نہیں رہے ہیں کیونکہ جن کی ذات ہی قوت پروردگار ہو وہ غذاؤں کی محتاج کیسے ہوسکتی ہے؟

دوستو!......جن کی غذا اور قوت جسمانی ہم جیسی نہیں ہے، ہماری قوتِ جسم کا راز کیلوریز ہیں اور ان کے نوری ابدان کی قوت خود اللہ جل جلالہ ہے، کیا یہ ہم جیسے ہوسکتے ہیں؟

کفار مکہ ان کے ظاہری طور پر کھانے پینے سے ان کے بشر ہونے پر دلیل لا رہے تھے یا پھر آج کے بعض لوگ اسی دلیل سے انہیں بشر ثابت کرنے میں جتے ہوئے ہیں، تو ان کے انداز میں شاید کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا مگر مقاصد میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی خاندان پاک علیہم الصلواۃ والسلام کی دشمنی ان کا مقصدِ حیات ہے ورنہ یہ

انوار الٰہیہ صوم وافطار دونوں میں سوائے اللہ جل جلالہ کے کسی کے محتاج نہیں ہیں۔
یہ بات یاد رہے کہ یہ نظریہ عرفاء کو نہیں دیا جا رہا بلکہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی اس توقیع مبارک میں ہے جو مشککین و مستضعفین کو لکھی گئی ہے

احتیاجِ لباس

دوستو!...... انسان جب دنیا میں آتا ہے تو برہنہ آتا ہے اور اس دنیا میں آنے کے بعد وہ لباس کا محتاج ہو جاتا ہے، بچے کو پیدائش کے بعد غسل ولادت دیا جاتا ہے جو واجب ہے اور اس کے بعد اسے لباس پہنایا جاتا ہے۔
دوستو!...... آپ دیکھیں کہ جب یہ نور اللہ جل جلالہ کے نور ذات سے جدا ہوا تھا تو کیا یہ نور بے لباس تھا؟ ایسا نہیں ہے بلکہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم مبارک ہے ''ملبوس میں نور اللہ'' عجل اللہ فرجہٗ الشریف یعنی وہ ذات جن کا لباس اللہ جل جلالہ کا نور ہے۔
اس بات کو غور سے سوچیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ جو ارشاد ہے
☆اول ماخلق الله نوری ...... دراصل یہ ان کی ذات کے بارے میں نہیں ہے بلکہ ان کے لباسِ نور کے بارے میں ہے کہ اللہ جل جلالہ نے انہیں سب سے پہلے نوری لباس پہنایا۔ یہ دنیا میں جامہ بشری میں آئے کیونکہ یہ مقام عالم ناسوت سے تعلق رکھتا ہے، اس لیئے انہیں یہاں ناسوت کا ''سوتی'' لباس پہن کر ظاہر ہونا پڑا مگر وہاں تو جب اولین مرتبہ ظہور میں اظہار مظہر تھا تو وہاں تو جامہ بشری کی بجائے

جامہ نوری پہننا ضروری تھا، اس کے بعد عالم جبروت میں لباس جبروت پہننا لازم تھا، اسی طرح اٹھارہ ہزار عوالم ظاہر میں ستر ہزار عوالم باطن میں انہوں نے ہر عالم کی مناسبت سے لباس بدلا، اور آخر میں عالم انسانیت میں جامہ انسانی پہن کر ظاہر ہوئے جبکہ ان کی ذات ضمیر ذات میں ازل سے موجود تھی اور مجرد عن التعینات تھی اور ان کا کوئی لباس داخل ذات نہیں تھا، کیونکہ لباس ذات کا حصہ نہیں ہوتا ذات سے جدا ہوتا ہے۔

دوستو!...... یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ انوار اِلٰہیہ علیہم الصلواۃ والسلام جس عالم میں ظہور فرماتے ہیں بے لباس تشریف نہیں لاتے جیسا کہ جب ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف اس دنیا میں ظاہر ہوئے تو ان کے بابا پاک علیہ الصلواۃ والسلام کی پھوپھی صلوات اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ جب وقت ظہور قریب آیا تو ایک پردہ حائل ہوگیا اور ہم فوراً اپنے نور نظر جناب ابومحمد العسکری علیہ الصلواۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے اور ان کے درمیان نور کا پردہ حائل ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا جب اللہ جل جلالہ کے انوار کا نزول ہوتا ہے تو اس کے اندازِ ظہور کو راز میں رکھا جاتا ہے، اب آپ جائیں اور دیکھیں۔

وہ فرماتی ہیں جب ہم وہاں تشریف لے گئیں تو دیکھا کے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف اپنی والدہ پاک صلواۃ اللہ علیہا کے پہلو میں سر بہ سجود ہیں اور انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند ہے اور اپنے آبا و اجداد طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام کی گواہیاں دے رہے ہیں۔ جب انہوں نے اپنی گواہیاں مکمل فرمالیں تو ہم نے

ان کے کاندھے سے ''کپڑا'' ہٹا کے دیکھا تو مہرِ ختمِ ولایت موجود پائی یعنی شانہ مبارک پر لکھا ہوتھا۔

☆تمت کلمة ربك صدقا و عدلا...... [خلاصہ]

دوستو!...... معظّمہ ءِ اہل بیت صلواۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں ہم اسی طرح انہیں پیار کرنے میں مصروف تھے کہ ہمیں اپنے حجرۂ مبارک سے جناب ابومحمد العسکری علیہ الصلواۃ والسلام نے آواز دی۔

☆هلمی الی با بنی یا عمة صلوات الله علیك ......پاک پھوپھی جان آپ میرے لخت جگر کو یہاں لائیں ہم ان کیلئے بے قرار ہیں۔ہم وہاں سے اپنے لعل کو آغوش میں لے کر روانہ ہوئے جب ہم انہیں لے کر برآمد ہوئے اور دوسرے کمرے میں پہنچے تو جونہی جناب ابومحمد علیہ الصلواۃ والسلام کی اپنے لخت جگرؐ پہ نگاہ پڑی تو فوراً لختؐ جگر کی تعظیم کو سروقد کھڑے ہوگئے اور فرمایا

☆ بـابی انت و امی یا من هو الموسوم باسم جدی صلی الله علیه و آلہٖ وسلم

میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں اے وہ کہ جن کا نام پاک جداطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر ہے

آگے بڑھ کر لخت جگر عجل اللہ فرجہٗ الشریف کو ہم سے لیا......☆ فـکشف عن کتفه ...... فوراً ان کے کاندھے سے کپڑا ہٹایا تو دیکھا کاندھے پہ لکھا ہوا تھا

☆تمت کلمة ربك صدقا و عدلا ......الخ

کلمۃ اللہ بڑی صداقت کے ساتھ اپنی تکمیل کو پہنچ گیا ہے

دوستو !...... آپ دیکھیں کہ اس دنیا میں آنے کے لمحہءِ اوّلیہ کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ انہوں نے کاندھے سے کپڑا ہٹایا یعنی اس حقیقت کو بیان فرمادیا کہ انوار اِلٰھیہ علیہم الصلواۃ والسلام جب اس دنیا میں ظہور فرماتے ہیں تو بے لباس نہیں آتے ، انوار اِلٰھیہ کے لباس میں ملبوس ہوکر نزول فرماتے ہیں اور یہ بات میں کئی بار دہرا چکا ہوں کہ جب پردہ داران توحید و رسالت صلواۃ اللہ علیھن کا اس دنیا میں نزول اجلال ہوتا ہے تو اپنے مقنع سمیت نزول فرماتے ہیں، پردے سمیت اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔

دوستو!...... اب آپ یہ تو کسی سے پوچھ نہیں سکتے کہ کیا کوئی ایسی مثال دنیا میں موجود بھی ہے کہ کسی انسان کا بچہ چاہے نبی تھا یا ولی اس دنیا میں لباس سمیت آیا ہو۔ اللہ جل جلالہ کا قانون تو یہ ہے کہ جب بھی کسی نبی کو نازل کیا جاتا ہے تو بے لباس نازل کیا جاتا ہے، جیسا کہ جناب آدم جو ابوالبشر ہیں انہیں جب جنت سے نکال کر اس دنیا میں ہبوط پذیر کیا گیا تو ان کے کپڑے اتروادیئے گئے اور جناب آدم علیہ السلام اور جناب حوا دونوں کو جنت کے پودوں نے لباس دیا ورنہ ان کے لباس اتروادیئے جاتے ہیں، مگر اس گھر کا کوئی فرد بے لباس اس دنیا میں اسی لیئے تو نہیں آتا کہ اولاد آدم اور انوار اِلٰہی میں فرق ساری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ کون آدم زادہ ہے اور کون اللہ جل جلالہ کا ازلی نور ہے۔

اسی لیئے ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا ایک اسم مبارک ہے ’’ملبوس

من نـور اللـه ''یعنی وہ ذات، جن کا واحد لباس اللہ جل جلالہ کا نور اقدس ہی ہے اور یہ دنیاوی طور پر کسی لباس کے محتاج نہیں تھے، اگر ان کا لباس دنیاوی ہوتا تو اس لباس کا سایہ ضرور ہوتا۔

احتیاج والدین

دوستو!......آہستہ آہستہ میں اسرار الٰہیہ کی گہرائیوں میں اتر رہا ہوں۔
اب یہ مجھے معلوم نہیں آپ کا ذہن اور عقیدہ کب تک اور کہاں تک میرا ساتھ دیتا ہے، یا میں آپ کو اپنی بات سمجھانے میں کہاں تک کامیاب ہوسکتا ہوں، بہر حال جو کچھ مجھے میرے مالک اور منعم حقیقی عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے عطا ہوا ہے وہ میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔
آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ انسان کو پیدائش اور استکمالِ وجود کیلئے لاکھوں محتاجیوں کے سمندر عبور کرنا پڑتے ہیں۔
کیا آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کو اس دنیا میں آنے کیلئے سب سے بڑی محتاجی کس چیز کی ہوتی ہے؟ یہ محتاجی ہے والدین کی، انسانِ اول جناب آدم علیہ السلام ماں باپ کے بغیر پیدا ہوئے مگر نبی و ولی نے ان کی اس محتاجی کو رفع فرمایا، ورنہ ان کے بعد کوئی نبی و غیر نبی ایسا نہیں ہے جو ماں اور باپ دونوں سے بے نیاز رہا ہو، جناب عیسیٰ علیہ السلام کے والد نہیں تھے تو والدہ تھیں، ان کے علاوہ کوئی مثال نہیں ہے کہ کوئی ماں باپ کے بغیر پیدا ہوا ہو اور اگر ہوا بھی ہے تو اللہ جل جلالہ نے

ان کی غیر اللہ کی محتاجی کو کھول کر بیان بھی فرما دیا ہے، یعنی جناب عیسیٰ علیہ السلام کی اس احتیاج کو اس طرح بیان فرمایا کہ جناب جبریل علیہ السلام اُم العیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا۔

☆انی انا رسول ربك ...... میں تمہارے رب کا ''فرستادہ'' ہوں اور آپ کو بیٹا دینے آیا ہوں یعنی جناب جبریل علیہ السلام کا ذکر کر کے خالق نے بتا دیا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی پیدائش میں غیر اللہ کے محتاج تھے، اسی طرح جناب آدم علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے تو شہنشاہ معظم امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے بتا دیا کہ☆

خمرت طينت آدم عليه السلام اربعين صباحاً

یعنی ہم نے چالیس روز تک جناب آدم علیہ السلام کی مٹی خمیر فرمائی ہے یعنی وہ بھی پیدائش میں اللہ کے نہیں نصیری کے خدا کے محتاج تو ہو گئے، لیکن ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرما رہے ہیں کہ ہم کسی بھی معاملہ میں اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کے محتاج ہیں ہی نہیں۔ اب اس پر کھل کر تبصرہ کروں گا تو بہت سے فتوے پٹیاریوں سے پھنکارتے ہوئے نکل آئیں گے۔

دوستو! ...... ان کے بارے میں ہمارے سامنے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں

(1) پہلی صورت یہ ہے کہ ہم انہیں کلی طور پر والدین سے بے نیاز مان لیں کہ یہ اپنے ظہور اجلال میں اپنے والدین کے بھی محتاج نہیں ہوتے۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے والدین کو غیر اللہ کی حد سے نکال کر عین ذاتِ اِلٰہی میں شامل کر لیا جائے، اب تیسری صورت تو موجود ہی نہیں ہے اب آپ کی

مرضی ان میں سے جو بھی مان لیں...... یہ بھی فرمان ہے کہ

☆نزھوا عنا حظوظ البشرية

یعنی بشری تقاضوں کی ذلت کو ہم سے دور رکھو

یعنی یہ بشریت کے جملہ تقاضوں سے منزہ و پاک ہیں

﴿ قطعہ ﴾

عرش سے آغوشِ مادر میں ہے یوں تیرا ظہور
شب ڈھلے جیسے ہو دل میں یادِ یزداں کا نزول
تو اُترتا ہے کچھ ایسے دامن تطہیر میں
جس طرح قلب رسالت پر ہو قرآں کا نزول

احتیاجِ کن

دوستو!......جیسا کہ ہم آپ کے سامنے عرض کر چکے ہیں کہ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو وجود اور استکمال دونوں میں غیر اللہ کی محتاج نہیں ہوتیں جیسا کہ ارواح وملکوت ہیں یعنی جملہ امری مخلوق ایسی ہوتی ہے کہ وہ وجود و استکمال میں غیر اللہ کی محتاج ہوتی ہی نہیں ہے۔

امری مخلوق کو''امری'' اس لیئے کہا جاتا ہے کہ وہ عالمِ امر سے تعلق رکھتی ہے اور عالمِ امر کی جو تخلیق ہوتی ہے اسے تخلیق نہیں کہا جاتا بلکہ ان کی تخلیق کو تکوین کہا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان موجودات کی تجوید لفظ''کن'' سے ہوتی ہے جیسا کہ

ارشادقدرت ہے

☆وَإِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُون......(البقرہ117)

جس وقت اس نے امر جاری کر دیا تو ماسوا اس کے نہیں کہ وہ اُسے فرماتا ہے' ہوجا' تو وہ فوراً ہوجاتا ہے...... یہ بھی ایک عرفانی مسلمہ ہے کہ جو چیز ''کن'' سے پیدا ہوتی ہے وہ اپنے نقطۂ کمال پر وجود میں آتی ہے نہ کہ وہ مکمل ہوتے ہوتے ہوتی ہے، اس لیئے ملکوت ہیں یا ارواح ہیں ان میں ارتقاء نہیں ہوتا جو جہاں پیدا ہوتا ہے وہی اس کا نقطہءِ کمال ہوتا ہے۔

دوسری طرف توقیع مبارک میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم سوائے اللہ جل جلالہ کے کسی کے محتاج نہیں ہیں اور ارواح وملکوت بھی تو غیر اللہ کے محتاج نہیں ہوتے تو کیا یہ انوار اِلٰہیہ علیہم الصلواۃ والسلام ارواح وملکوت کی مثل ہوتے ہیں؟

دوستو!...... یہ بھی عرفانی حقیقت ہے کہ ملکوت وارواح غیر اللہ کے تو محتاج ہوتے ہی نہیں مگر ایک وسیلے کے محتاج ضرور ہوتے ہیں جیسا کہ لفظ ''کن'' بھی ایک وسیلہءِ ایجاد وتکوین ہی ہے اور روح چاہے مومن کی ہے یا کافر کی ہے وہ ''کن'' سے پیدا ہوتی ہے، اسی طرح ملکوت ہیں یا جنات کی روحِ جناتی ہے یہ سب چیزیں ''کن'' سے پیدا ہوئی ہیں، اگر خاندان پاک علیہم الصلواۃ والسلام کو بھی ''کن'' ہی سے پیدا شدہ مانا جائے تو یہ ان کی توہین ہے، اس لیئے تو آپ نے فرمایا تھا کہ

☆وادفعوا عنا ذلة کن ......ہم سے کن فیکون کی ذلت کو دور رکھو

دوستو!...... جو چیزیں کن سے پیدا ہوتی ہیں وہ امری ہوتی ہیں اور یہ تو

صاحبانِ امر ہیں۔ امر سے پیدا ہونے والوں اور امر سے پیدا کرنے والوں میں تو خالق اور مخلوق کا فرق ہوتا ہے، یعنی ایک طرف وہ ذوات متعالیات علیہم الصلواۃ والسلام ہیں کہ جو بین الکاف والنون امرِ الٰہی بن کر جاری ہیں، اور دوسری طرف وہ امری مخلوق ہے جو قوتِ امر ''کن'' سے تخلیق ہو رہی ہے، تو ان میں ایک واضح فرق موجود ہے اور وہ یہ فرق ہے کہ ایک امری مخلوق ہے جو ماتحت الامر ہے اور ایک یہ انوارِ الٰہیہ ازلیہ علیہم الصلواۃ والسلام ہیں جو مافوق الامر ہیں اس لیئے یہ ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔

قطعہ

اَمری مخلوق اِنہیں کہنا مناسب ہی نہیں
یہ تو ہر پہلو سے پنہاں ہیں کسے کیا معلوم
کن کی ذلت اِنہیں چھو جائے یہ ممکن ہی نہیں
یہ تو کن بخشِ غلاماں ہیں کسے کیا معلوم

......☆......

موجودگی در عالمین

دوستو! ...... یہ نیمہءِ شعبان کی شب ہے اس لیئے ان کے نزولِ اجلال کے بارے میں کچھ نہ کچھ عرض کر رہا ہوں۔ دیکھیئے ان انوار الٰہیہ ازلیہ علیہم الصلواۃ والسلام کے ظاہری طور پر جامہءِ بشری میں نزولِ اجلال کا جو سلسلہ ہے وہ یکم عام

الفیل یعنی 569 عیسوی سے لے کر 869 عیسوی تک جاری رہا ہے یعنی سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں آمد 569 عیسوی میں ہوئی، اور شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی دنیا میں آمد 869 میں ہوئی، یہ عرصہ تقریباً تین سوسال کا بنتا ہے۔

دوسری طرف ہم جدید سائنس کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو یہ ہماری چھوٹی سی دنیا اور یہ ہمارا چھوٹا سا نظام شمسی یعنی سولرسسٹم (Solar System) آج سے تقریباً تین ارب سال پہلے وجود میں آیا تھا اور اس کی کل طبعی عمر تقریباً چھ ارب سال بتائی جاتی ہے یعنی ابھی اس نے مزید تین ارب سال تک چلنا ہے، اس کے بعد اس نے فنا ہونا ہے ...... باقی گلیکسی (Galaxy) کی اور یونیورس (Universe) وکاسموسس (Cosmoses) کی ہم بات نہیں کرتے ہم صرف اپنے (Solar System) سولر سسٹم کی بات کرتے ہیں تو ہم سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جو انوار ازل علیہم الصلواۃ والسلام☆اول ماخلق الله نوری کے مصداق ہیں یعنی کائنات کی تخلیق و تکوین سے پہلے موجود تھے اور جن کیلئے یہ کائنات بنائی گئی ہے انہیں اس دنیا پر رہنے کا جو وقت دیا گیا ہے...... کیا یہ وقت عدلِ الٰہی کے تقاضے پورے کرتا ہے؟

دوستو!......اب ہم اپنے سولرسسٹم (Solar System) کی طبعی عمر کے اور جدید وقت کے تناسبات کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ایک سو سال کے تقریباً 3 ارب 15 کروڑ 36 لاکھ سیکنڈ بنتے ہیں۔

اگر ہم اپنے نظام شمسی کی عمر سو سال فرض کرلیں تو ہمارا ایک شمسی سال آدھے سیکنڈ

کے برابر بنتا ہے اس طرح جو عرصہ پاک خاندان علیہ الصلواۃ والسلام کا زمانۂ ظہور بنتا ہے وہ 150 سیکنڈ یعنی دو منٹ اور 30 سیکنڈ کا بنتا ہے اور اس دنیا میں انفرادی طور پر دیکھیں تو سب زیادہ دور امامت جن ذوات متعالیات علیہم الصلواۃ والسلام کو ملا ہے وہ 36 سال کا ہے جو 18 سیکنڈ کے برابر بنتا ہے اور سب سے کم عرصہ امامت جنہیں ملا ہے وہ 5 سال کا ہے جو اڑھائی سیکنڈ بنتا ہے

اب آپ سوچیں کہ جن کیلئے پوری کائنات تخلیق ہوئی ہے انہیں اس دنیا میں ظاہر رہنے کیلئے چند سیکنڈ دینا کیا ان کے ساتھ مذاق کے برابر نہیں ہے؟

دوستو!...... آپ سوچیں ایک شخص کیلئے ایک شاہی محل بنایا جائے اور اسے کہا جائے کہ اس شاہی محل میں تم صرف 30 سیکنڈ گزار سکتے ہو اور اس محل میں تمہاری پوری اولاد صرف اڑھائی منٹ گزار سکتی ہے اس سے ایک سیکنڈ بھی زیادہ نہیں رہ سکتے لیکن یہ محل تمہارے لیئے ہی بنایا گیا ہے تو کیا یہ اس کے ساتھ مذاق نہیں ہوگا؟

اگر کسی بادشاہ کی اولاد میں سے کسی سے یہ کہا جائے یہ شاہی محل آپ ہی کیلئے بنایا گیا ہے اس میں تشریف لایئے لیکن آپ نے اس میں صرف 18 سیکنڈ گزارنا ہیں اس کے بعد فوراً واپس جانا ہوگا۔ اب بتایئے کہ یہ بات اس کیلئے کیا کسی بھونڈے مذاق سے کم ہوسکتی ہے؟ کیونکہ کوئی بادشاہ اگر اپنی اولاد کیلئے کوئی محل بناتا ہے تو اس کی یہی خواہش ہوگی کہ میری اولاد پوری زندگی اس شاہی محل میں شاہانہ انداز میں رہے۔

اب دیکھیں خالق فرماتا ہے☆لولاك لما خلقت الافلاك ...... یہ آسمان یہ زمین یہ کائنات اے میرے پاک حبیب صلی اللہ علیک وآلک وسلم! میں نے آپ ہی کیلئے

بنائی ہے، اگر آپ نہیں ہوتے تو آسمان نہ ہوتے ......الخ

اور اس دنیا کی عمر ہے چھ ارب سال اور اس میں آپ تشریف لائے صرف 63 سال کیلئے، اور زمانی ویری ایبل (Variable) مترادفاتی پیمانوں سے یہ مدت ساڑھے 31 سیکنڈ بنتی ہے اور شہنشاہ معظم ابو محمد حسن العسکری علیہ الصلواۃ والسلام کو جو وقت ملتا ہے وہ صرف چودہ سیکنڈ بنتے ہیں۔

دوستو!......اب آپ سوچیں کہ سو سال کی چیز بنائی جائے اور جس کیلئے بنائی جائے اسے صرف چودہ سیکنڈ کیلئے استعمال کرنے کی اجازت ہو تو کیا یہ بات اس کے ساتھ کسی بھی مذاق سے کم ہوسکتی ہے؟ میری بات کا غلط مطلب اخذ نہ کرنا، جب تک کہ میں اپنے مطلوبہ نتائج تک نہیں پہنچتا۔

اب اگر ہمیں اللہ جل جلالہ کو عادل ماننا ہے اور یقیناً ماننا ہے تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ اللہ جل جلالہ کے ازلی انوار علیہم الصلواۃ والسلام ازل سے اس کائنات میں موجود ہیں، اور جب یہ کائنات فنا ہو جائے گی تو تب بھی یہ موجود رہیں گے، اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ازل سے ابد تک ہمیشہ اس کائنات پر حکمرانی فرماتے رہیں گے، ظاہر میں اگرچہ ان کی نمود لمحاتی سی ہے مگر حقیقتاً یہ ہمیشہ سے موجود ہیں اور ہمیشہ رہیں گے اور یہی عدلِ الٰہی کا تقاضہ ہے کہ یہ موجود رہیں۔

موجودگی کی صورت

دوستو!......اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ انوار اِلٰہیہ ازلیہ علیہم

الصلواۃ والسلام اس دنیا میں ازل سے موجود ہیں اور ابد تک رہیں گے تو ان کی موجودگی کی صورت کیا ہے؟...... یہ کہاں اور کیسے موجود ہیں؟

جو لوگ میرے روحانیاتی لیکچرز (Lectures) سن چکے ہیں وہ تو جانتے ہیں کیونکہ یہ روحانیاتی موضوع ہے اور جو نہیں جانتے انہیں اس موضوع میں شامل کرنے کیلئے اجمالاً عرض کروں گا کہ

اس کائنات پر اللہ جل جلالہ کی طرف سے تین نظام متوازی چل رہے ہیں

(1) نظام تجبر و جبروت (2) نظام تصرف و مدار

(3) نظام ترشد و ارشاد

نظام تجبر و جبروت ذات اِلٰہی کا نظام ہے، نظام تصرف و مدار سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظام ہے، اور نظام ترشد و ارشاد اولیاءِ اِلٰہی کا نظام ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ ہر نبی ولی ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا، اسی طرح ہر رسول نبی و ولی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ انہیں ہم اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ پہلا نظام آفاقی ہوتا ہے، دوسرا کائناتی ہوتا ہے، اور تیسرا نظام ہر سیارے کا علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے لیکن کسی بھی سیارے کے سسٹم کو چلانے کیلئے دو نظام ہوتے ہیں۔

(1) نظام تصرف و مدار ہے، یہ نظام ولایتِ کونیہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ امری نظام کہلاتا ہے۔

(2) نظام ترشد و ارشاد ہے، یہ نظام ولایتِ شریعہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ خلقی نظام کہلاتا ہے...... صاحبان عرفان فرماتے ہیں کہ

☆ان الانبیاء ولاوصیاء علیھم السلام مصنفون الی ثلاثۃ اصناف...... یعنی انبیاء واوصیا علیہم السلام تین اصناف کے ہوتے ہیں

( ) اصحاب الولایت الشریعہ......پہلی صنف ولایت شریعہ کے حاملین کی ہوتی ہے جیسا کہ جناب یونس، جناب شعیب، جناب لوط، جناب ذوالکفل، جناب یسع جناب موسیٰ علیہم السلام ہیں

یہ صنفِ انبیاء وہ ہوتی ہے جسے اللہ جل جلالہ اپنی ذات اور مخلوق کے درمیان امور شریعت میں وسیلہ قرار دیتا ہے، یعنی یہ وسائط شریعہ ہوتے ہیں اور یہ یا تو خود صاحب شریعت ہوتے ہیں یا پھر یہ کسی صاحب شریعت نبی کی شریعت کے ماتحت زندگی گزارتے ہیں، ان کی مثال فقہائے اسلام کی ہوتی ہے کہ جنہیں کسی تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا بلکہ وہ شریعتِ سابقہ کے تحت اوامر ونواہی کا قیام کرتے ہیں، ان میں فرق یہ ہوتا ہے۔

☆یفارق ان انبیاء علیھم السلام یتلقون معارفھم من اللہ وحیاً اومن وراء حجاب اوبواسطۃ ملك من الملائکۃ والفقھاء یتلقون معارفھم من اللہ بواسطۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و اوصیا ئہٖ......

انبیاء وعلمائے امت میں فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معارف اِلٰہیہ وحی کے ذریعے یا پھر پس حجاب کلام فرما کر یا کسی فرشتے کے توسط سے عطا فرمائے جاتے ہیں لیکن علمائے امت کیلئے وصولِ عرفان کا ذریعہ

سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے پاک اوصیا علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں۔

( ) انبیاء علیہم السلام کی دوسری صنف اصحاب الولایت الکونیہ کی ہوتی ہے جیسا کہ جناب خضر علیہ السلام ہیں، جناب الیاس علیہ السلام ہیں، جناب یوشع بن نون علیہ السلام ہیں، جناب آصف بن برخیا علیہ السلام ہیں، یا ان جیسے دیگر اولیائے کونیہ ہیں تو یہ اللہ جل جلالہ اور مخلوق کے مابین واسطۂ تکوین ہوتے ہیں

( ) تیسری صنف انبیاء علیہ السلام کی اصحاب الولایتین کی ہوتی ہے

☆اصحاب الولایتین الشرعیة والکونیة کابراهیم الخلیل والنبی الاکرم

یہ دونوں ولایتوں کے حامل افراد ہوتے ہیں، یعنی ولایت شریعہ اور ولایت کونیہ دونوں کے یہ حامل ہوتے ہیں جیسا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام اور خود سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

اصالتاً صاحب ولایتین صرف شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں لیکن جناب ابراہیم علیہ السلام کو ولایت کونیہ بعد میں عطا ہوئی تھی اس لیئے عرفا عظام فرماتے ہیں

☆ولقد کان ابراهیم الخلیل رسولا یتمتع بالولایة الشرعیة قبل ان یمتحنه الله فی نفسه وماله واهله ، فلما نجح فی الامتحانات الثلاثة خوله الولایة الکونیة

یعنی جناب ابراہیم علیہ السلام پہلے ولایت شریعہ سے استفادہ فرمارہے

تھے جب ان کے امتحانات ثلاثہ ہوئے، یعنی ان کی ذات مال اور اہل
کی قربانی کے امتحانات میں کامیاب ہوئی تو اس کے بعد انہیں پروموٹ
کرکے ولایت کونیہ بھی عطا فرمادی گئی لیکن سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی ولایت کونیہ وتکوینہ ازلی وابدی ہے

یہ بھی عرفا کا مسلمہ ہے کہ

☆ ان اصحاب الولایة الشرعیة کانوا مضطرین الی معایشه
الناس لاداء رسالاتهم

جن افراد کو ولایت شریعہ وتشریعہ ملتی ہے وہ لوگوں میں قیام کے پابند
ہوتے ہیں تاکہ ان میں رہ کر فرائض رسالت کی ادائیگی فرمائیں لیکن جو اولیائے
تکوین ہوتے ہیں وہ لوگوں میں ظاہر رہنے کے پابند نہیں ہوتے بلکہ اجتماعات سے
دور رہتے ہیں اور اگر وہ مناسب سمجھیں تو ظاہر ہوسکتے ہیں مگر وہ خلق کے ساتھ
معاشرت کے پابند نہیں ہوتے۔

دوستو!......ولایت الشریعہ میں جناب موسیٰ علیہ السلام سے بڑا کوئی نبی نہیں گزرا
اور ان کی عظمتِ ولایت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے
اپنے پاک حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریعی ولایت میں ان کا مثیل فرمایا ہے

☆كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا

لیکن ان کے بارے میں عرفائے عظام کا فیصلہ ہے کہ وہ ولایت تشریعی میں تو سب
سے اونچے نبی تھے

☆لكنه لم يوهل للولاية الكونية فلما وجد الخضر عليه السلام

مگر وہ ولایت کونیہ وتکوینہ کے اہل نہیں تھے یعنی جس وقت انہوں نے جناب خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تو انہوں نے اللہ جل جلالہ سے ولایت تکوینی کے حصول کی خواہش فرمائی

☆ اراد ان يتتلمذ عليه حتى يؤهله لها

انہوں نے جناب خضر علیہ السلام کی شاگردی کا ارادہ فرمایا تاکہ وہ ولایت کونیہ کے اہل ثابت ہو جائیں

☆ان الخضر عليه السلام لم يجد فی صاحبه موسیٰ عليه السلام قابلية الولاية الكونية

لیکن جناب خضر علیہ السلام نے ان میں ولایت کونیہ کی اہلیت وقابلیت نہیں پائی اور وہ ناکام لوٹے

دوستو!...... یہ بات یاد رہے کہ نظام تصرف وتکوین کا ایک ولی اتنا اونچا ہوتا ہے کہ کوئی صاحب شریعت رسول وکلیم اللہ بھی ان کی شاگردی کی اہلیت تک نہیں رکھتا اور جو ولایت مطلقہ اِلٰہیہ کے حامل اقدس افراد علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوں ان کا کیا مقام ہوگا اس کا کوئی اندازہ کرہی نہیں سکتا۔

ہاں تو میں عرض کررہا تھا کہ اس کائنات کو چلانے والے اللہ جل جلالہ کے دو نظام ہوتے ہیں، تیسرا نظام ان دونوں کو چلانے والا ہوتا ہے

نظام تصرف وتکوین نظام باطن ہے، اور نظام ترشد وتشریع نظام ظاہر ہے، یہ دونوں نظام ایک دوسرے کے اوپر نیچے متوازیاً چل رہے ہیں اور وہ اوپر والا نظام اس نظامِ ظاہر کو سنبھالے ہوئے بھی ہے، اور حقیقتاً فعال بھی وہی ہے، ہاں جب بھی اس نظامِ ظاہر کو سنبھالنا ہوتا ہے اور اس میں کوئی بڑا اسیٹ بیک(Setback) ہونے والا ہوتا ہے تو اس وقت نظامِ تصرف و مدار وتکوین کے وارث علیہم الصلواۃ والسلام اسے سنبھالنے کیلئے ظہور فرماتے ہیں اور وہ کچھ لمحات یا کچھ وقت کیلئے اس نظام ظاہر میں ہبوط فرماتے رہتے ہیں۔

دوستو!...... یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ انوار اپنے مرتبہءِ اظہار میں فقط ضرورت کے وقت ہبوط فرماتے ہیں، یا یوں سمجھیں کہ ان کا مقام ظہور ہی اکثر ہبوط پذیر ہوتا رہا ہے اور کسی متعینہ شکل میں نہیں بلکہ کسی نہ کسی صورت یا شکل میں ان کا ہر دور میں اظہار ہوتا ہے، اور یہ نظام ظاہر کو سنبھالنے کیلئے نظامِ تصرف و مدار سے نازل ہوکر نظام ظاہر و ترشد و ارشاد میں ظہور فرماتے رہے ہیں اور فرماتے رہیں گے، ان کا یہ ظہور ہزاروں لاکھوں صورتوں میں ہوتا رہا ہے جیسا کہ امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا تھا۔

☆ فان نظھر فی کل زمان فی صورۃ ما شآء الرحمن

یعنی ہم ہر زمانے میں اس صورت میں ظہور فرماتے رہے ہیں جو ہمارا رحمٰن جل جلالہ پسند فرماتا ہے

یعنی ان کا ظہور وہبوط ہر دور میں ہوتا رہا ہے، انہوں نے کبھی صورت ملکوتی میں

ظہور فرمایا، تو کبھی صورت ناسوتی میں، کبھی نار نمرود میں خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی نصرت کو ظاہر ہوئے، تو کبھی جناب موسیٰ علیہ السلام و جناب ہارون علیہ السلام کی نصرت کیلئے دربار فرعون میں آیت اللہ کبریٰ بن کر ظاہر ہوئے، جیسا کہ کلام اِلٰہی سے ثابت ہے کہ فرعون نے بھی اس آیت اللہ کبریٰ کی زیارت کی تھی، کبھی بنی اسرائیل کیلئے سیاہ بادلوں میں دہکتی ہوئی آگ کی طرح ظاہر ہوئے، تو کبھی شجرہ طور میں برکت والے جلوے کی طرح اُنہوں نے ظہور فرمایا، المختصر انہوں نے ہر نبی کی نصرت کی اور کسی نہ کسی صورت میں سلسلۂ مدار سے اُتر کر نظامِ ترشد وارشاد میں ظہور فرمایا، اور ان کی اصل صورت کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ ان کی ازلی صورت کیا ہے؟ کیونکہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا

☆ ما رأني في صورة التي خلق ما سوائ ......

یعنی جس صورت میں اللہ جل جلالہ نے ہمیں اپنے نور سے جدا فرمایا ہے اس صورت میں ہمیں ہمارے سوا کسی نے دیکھا ہی نہیں ہے لیکن یہ کسی نہ کسی صورت میں مقام ترشد وارشاد میں ظہور فرماتے رہتے ہیں۔

دوستو! - اسی طرح انہوں نے بعض مقدس افراد کی مقدس جبینوں میں جلوہ آرائی فرمائی لیکن ان کا قیام بروزی ہمیشہ عالم امر کے مقام علیین پر ہی رہا اور ان کی ذات کبھی ہبوط پذیر نہیں ہوئی اور یہ ازل سے ابد تک اپنے مقام بروز پر مستولی و متمکن ہیں۔ اور اسی راز کی طرف اللہ جل جلالہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ

☆ فتقلبك في الساجدين ......یعنی ہم نے آپ کے مقدس نور کو سجدہ کرنے والی

جبینوں میں منتقل ومنقلب ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

دوستو!......اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ نے جن اُمہات المراتب میں انتقال و ہبوط فرمایا وہ بھی سجدہ کرنے والے تھے اور جن جبینوں میں آپ نے ظہور فرمایا ہے وہ ساری کی ساری سجدہ کرنے والی جبینیں تھیں۔

لیکن میں اپنی وہی بات پھر دہراؤں گا کہ ان کی ذات کا کبھی ہبوط ہوا ہی نہیں بلکہ بعض مقدس افراد کی حفاظت و اعزاز کیلئے ان کا مقام ظہور اترتا رہا ہے اور مقام بروز اپنے مقام پر قائم و دائم رہا ہے، جیسا کہ ہم بہت سی روایات دیکھتے ہیں جو ہمیں اس راز کی طرف اشارہ کرتی ہیں مثلاً

آپ نے کاہنہ یمن زرقا کا واقعہ سنا ہوگا کہ جس نے ایک عورت کو ہائر (Hire) کیا تھا جس کا نام تکنا تھا جو مشاطہ تھی، یعنی سرداران عرب کے گھروں میں جاکر ان کی مستورات کو کنگھی کیا کرتی تھی، اسے کاہنہ یمن زرقا ملعونہ نے لالچ دیا کہ وہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ صلواۃ اللہ علیہا کو کنگھی کرنے جائے تو انہیں شہید کردے اور وہ عورت تیار ہوگئی اور اس نے اپنے بالوں میں خنجر چھپایا، اور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پاک میں پہنچ گئی، اس وقت نور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والد پاک صلواۃ اللہ علیہا کی جبین مبین پر جلوہ کش تھا، جب اس مشاطہ نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام کا نور فوراً ظاہر ہوا اور اُس ملعونہ کے حملے سے بچالیا (خلاصہ)

اِسی طرح ایک مشہور واقعہ ہے کہ امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے اپنی والدہ

پاک علیہ الصلو اۃ والسلام کو شیر کے حملے سے بچایا تھا اور انہوں نے جو موتیوں کی مالا پیش کی تھی وہ والدہ پاک صلواۃ اللہ علیہا کو دکھائی کہ آپ کو شیر سے بچانے والے ہم تھے اسی طرح جب قحطانیوں نے جناب عبداللہ علیہ الصلو اۃ والسلام جو سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد ہیں انہیں شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا تو اس وقت سفید گھوڑے پر سوار ہو کر امیر کائنات علیہ الصلو اۃ والسلام نے انہیں بھی بچایا تھا اسی طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کو مختلف مواقع پر بچایا تھا اور اس کی بنیاد پر آپ نے فرمایا تھا۔

☆ نصرت الانبياء عليهم السلام سراً و نصرت محمد صلى الله عليه وآلهٖ وسلم جهراً و اعلانية ......

هم نے سارے انبیا ما سلف علیہم السلام کی نصرت غائبانہ فرمائی ہے اور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت ظاہراً اعلانیہ فرمائی ہے

یہ وہ مواقع ہیں کہ جہاں آپ نے مقام تصرف و مدار سے ہبوط فرمایا اور مقام ترشد و ارشاد میں ظہور فرمایا اور ان کی ذات اقدس اپنے مقام پر ہمیشہ قائم و دائم رہی کیونکہ ان کا مقام بروز نیچے نہیں آتا، ان کے مقام بروز کیلئے ہبوط فرمانا لازم ہے ہی نہیں، اور ظہور جب چاہا جہاں چاہا فرماتے رہے

دوستو! ...... یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کا ظہور دو طرح کا ہوتا رہا ہے

( ) قلیل لمحاتی .... ( ) طویل لمحاتی

جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں انبیاء علیہم السلام کی نصرت کو پہنچے اور وہاں انہوں

نے انتہائی قلیل لمحات کیلئے ظہور فرمایا اور جب جامہ ءِ بشری میں اس دنیا میں تشریف لائے تو کئی برسوں کیلئے تشریف لائے۔

دوستو!...... یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا ظہور چاہے قلیل لمحات کیلئے ہو یا طویل لمحات کیلئے طریقہ ظہور ایک ہی جیسا ہوتا ہے، اس دنیا میں ان کی آمد کا طریقہ ایک جیسا ہی ہے، یعنی اگر کسی نبی کی نصرت کیلئے اس کے پہلو میں بصد جاہ جلال ظاہر ہوں یا اپنی والدہ پاک صلواۃ اللہ علیہا کے پہلو میں صورت طفلی میں ظہور فرمائیں ان کے آنے کا طریقہ ایک ہی ہے، فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ کسی نبی کی نصرت کیلئے جب تشریف لاتے ہیں تو ڈائریکٹ(Direct) اپنے تصرف و مدار سے ہبوط فرماتے ہیں اور والدہ پاک صلواۃ اللہ علیہا کے پہلو میں نازل ہوتے ہیں تو ان کی جبین مبین سے نزول فرماتے ہیں اس لیئے ہم ان کی پیدائش کو ظہور اجلال کہتے ہیں پیدائش نہیں کہتے۔

عبارت توقیع

☆ وَ الْحَقُّ مَعَنَاْ فَلَنْ يُوْحِشْنَاْ مَنْ قَعَدَ عَنَّا

فرمایا کہ اللہ عزوجل بھی ہماری معیت میں ہے اور حق بھی ہمارے ساتھ ہے اس لیئے اگر کوئی شخص ہماری نصرت سے دست کش ہو کر بیٹھ جاتا ہے تو ہمیں اس سے عدم انصار کی وحشت لاحق نہیں ہوتی جو نصرت نہیں کرتا نہ کرے......

شرحِ نکات

دوستو!......ان جملوں میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے اپنی بے نیازی کا اظہار فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ہم کسی کے محتاج نہیں ہیں، بلکہ ہم صرف اللہ جل جلالہ کے محتاج ہیں اور ہم جس کے محتاج ہیں وہ ہمارے ساتھ ہے، اور وہ کبھی بھی ہماری معیت سے دست کش نہیں ہونے والا، اس لیئے ہمیں تمہاری احتیاج نہیں ہے، اگر نصرت کروگے تو اپنا ہی فائدہ کروگے، اگر نصرت سے دست کش ہوکر بیٹھ جاؤگے تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے۔

امیر کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کا ایک فقرہ ہے کہ

☆نافق من قعد عن نصرتك

وہ شخص منافق ہے جو آپ کی نصرت سے دست کش ہوکر بیٹھ جائے

اور یہ بھی یاد رہے کہ منافقت کفر سے بھی بدتر چیز ہے اور نصرت نہ کرنے والا چاہے بظاہر شیعہ ہی کیوں نہیں وہ منافق ہے، اور نفاق کا نقصان نہ ہی اللہ عزوجل کو ہوتا ہے، نہ اس کے پاک حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور نہ ہی شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کو، بلکہ نفاق سے نقصان خود منافق کا ہوتا ہے اس لیئے فرمایا کہ اگر کوئی ہماری نصرت سے دست کش ہوکر بیٹھ بھی جائے تو ہمیں اس سے کوئی وحشت یا پریشانی نہیں ہوتی۔

یہ بھی یاد رہے کہ جو نصرت سے دست کش ہوتا ہے وہ خاذل شمار ہوتا ہے اور فرمان

ہے کہ (الخاذل اخو القاتل) خاذل قاتل کا بھائی ہے

عبارت توقیع

☆ وَنَحْنُ صَنَائِعُ رَبِّنَاْ وَ الْخَلْقُ بَعْدُ صَنَائِعُنَا

فرماتے ہیں کہ ہم اللہ عزوجل کی صنعت ہیں، اس کا شہکار ہیں اور باقی مخلوق ہماری صنعت ہے ہماری بنائی ہوئی ہے۔

شرحی نکات

یعنی ہم اللہ عزوجل کا شہکار ہیں، اس کی صنعت ہیں، اس لیئے ہم اپنے صانع کے علاوہ کسی کے محتاج نہیں ہیں، اور باقی ساری مخلوق چونکہ ہماری بنائی ہوئی ہے ہماری صنعت ہے اس لیئے وہ ہماری محتاج ہے ہم ان کے محتاج نہیں ہیں اسی لیئے تو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف اپنی توقیع مبارک میں فرمارہے ہیں

☆ وَنَحْنُ صَنَائِعُ رَبِّنَاْ وَ الْخَلْقُ بَعْدُ صَنَائِعُنَا

ہم چودہ اپنے رب کا شہکار ہیں اور باقی جو بھی مخلوق ہے وہ ہماری کاریگری ہے ہماری پیدا کردہ ہے۔

دوستو!...... یہ انوار تو بلا واسطہ اللہ جل جلالہ سے صادر ہوئے ہیں اس لیئے یہ نہ ہی کن کے محتاج ہیں اور نہ ہی امر کے بلکہ یہ خود صاحب الامر ہیں

دوستو!...... اس فقرے کی شرح میں اکثر علمائے اعلام نے کوئی نہ کوئی فقرہ ضرور لکھا ہے جیسا کہ آیت اللہ الشہید سید حسن شیرازی نور اللہ مرقدہ اپنی کتاب کلمۃ الامام

المھدی عجل اللہ فرجہٗ الشریف جس میں انہوں نے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے سارے فرامین کو جمع کرنے کی بہترین کوشش فرمائی ہے اور 70 فی صد فرامین وادعیہ وتوقیعات اس میں جمع فرمائے ہیں، وہ اسی توقیع مبارک کے اسی فقرے کے ضمن جو لکھتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے

اللہ جل جلالہ نے اپنے سلسلہءِ تخلیق کو بہ تسلسل قائم فرمایا ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے اپنے کلمات کو خلق فرمایا اور اسے تخلیق کا طبقہ اُولیٰ قرار دیا، اس کے بعد اس نے نور اور ظلمت کو خلق فرمایا اور اسے تخلیق کا طبقہ ثانیہ قرار دیا، اس کے بعد امواج انوار وظلمات سے عناصر اوّلیہ خلق فرمائے جن کی تعداد 69 تھی اور انہیں تخلیق کا طبقہ ثالثہ قرار دیا، اس کے بعد اس نے عناصر اوّلیہ سے اجسام لطیفہ وکثیفہ کو تخلیق فرمایا اور انہیں تخلیق کا طبقہ رابعہ قرار دیا اگر وہ چاہتا تو انہیں بلا تسلسل بھی خلق فرما سکتا تھا مگر اس نے تسلسل کا ارادہ فرمایا جیسا کہ انسانیت کو تسلسل کے ماتحت پیدا فرمارہا ہے یعنی ہر نسل اپنی سابقہ نسل کا تسلسل ہے، اسی طرح ہر مخلوق اپنے سابق کا تسلسل ہے۔

☆وھذہ الارادۃ لاتنافی اطلاق قدرتہ-الخ

یعنی اس کا یہ ارادہ اس کی قدرت کے منافی نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی شئے اس کی قدرت سے خارج نہیں ہے۔آگے چل کر فرماتے ہیں

☆ویستظھرمن بعض الآیات والروایات ان ارواح الانبیاء و الاوصیاء علیھم الصلواۃ والسلام ھی کلمات اللہ تلک التی ابتدابھا الخلق

بعض آیات و روایات سے یہ بات ظاہر ہے کہ ارواح انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کلمات اللہ ہیں، اور انہی کے ذریعے تخلیق کی ابتدا فرمائی گئی ہے، اس کے بعد وہ آیات پیش کرتے ہیں جیسے جناب عیسیٰ علیہ السلام اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کو کلمۃ اللہ فرمایا گیا ہے، اور اسی طرح وہ روایات پیش کرتے ہیں جن میں معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کو کلمۃ اللہ فرمایا گیا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں

☆فاذا ثبت ان ارواح الانبیاء والاوصیاء علیهم الصلواة والسلام کلمات الله ثبت انهم الطبقة الاولیٰ من المخلوقات و ان الله خلق بقیة المخلوقات منهم

فرماتے ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ارواح انبیاء و اوصیا علیہم الصلواۃ والسلام ہی کلمات اللہ ہیں تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ طبقہ اُولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ جل جلالہ نے باقی ساری مخلوق کو ان کے ذریعے خلق فرمایا ہے

☆وصح انهم صنائع الله و ان الخلق صنائعهم

فرماتے ہیں یہ صحیح ہے وہ انوار اِلٰہیہ اللہ جل جلالہ کی صنعت ہیں اور باقی ساری مخلوق ان کی پیدا کردہ ہے......(کتاب کلمۃ الامام المھدی عجل اللہ فرجہٗ الشریف ص 245)

دوستو!......اسی فرمان کو نقل فرمانے کے بعد علامہ مجلسی فرماتے ہیں

☆ قوله فانا صنائع ربنا والخلق بعد صنائعنا هذاکلام مشتمل علی اسرار عجیبة من غرائب شانهم التی تعجز

عنہا......

یہ جو فرمان ہے کہ ہم اپنے رب کی صنعت ہیں اور بعد والی ساری مخلوق ہماری پیدا کردہ ہے، یہ کلام پاک بہت سے متعجب کر دینے والے اسرار پر مشتمل ہے اور یہ ان انوار اِلٰہیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل اِنسانی سے بعید ترین شان سے متعلق ہے جسے سمجھنے سے عقلیں عاجز ہیں ۔اس کے بعد کچھ علمائے اعلام کے آرا لکھتے ہیں ان میں سے ایک یہ رائے بھی پیش کرتے ہیں کہ

☆فالمعنی انہ لیس الاحد من البشر علینا نعمه بل الله تعالی انعم الینا فلیس بیننا و بینه واسطة والناس باسرهم صنائعنا فنحن والوسائط بینهم و بین الله سبحانه

اِس فرمان معجز بیان کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ہم کسی ایک بشر کے بھی نعمت یافتہ نہیں ہیں بلکہ ہم پر جو نعمات ہیں وہ اللہ جل جلالہ ہی کے ہیں، ہمارے اور اللہ جل جلالہ کے درمیان کوئی بھی واسطہ و وسیلہ نہیں ہے، اور باقی ساری انسانیت صرف ہماری پیدا کردہ ہے کیونکہ ہم اللہ جل جلالہ اور اس کی مخلوق کے مابین وسیلہ ءِ تخلیق ہیں ۔

دوستو! ...... یہ بات یاد رہے کہ یہ روایت وحدیث نہیں بلکہ تحریر ہے کیونکہ انسان کسی کو کوئی پیغام دیتا ہے تو اس میں الفاظ کا تغیر وتبدل ممکن ہے مگر جو خط لکھا جائے اس میں الفاظ وہی قائم رہتے ہیں جو لکھنے والا لکھتا ہے، اس میں تغیر وتبدل ممکن نہیں ہوتا اور یہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی توقیع مبارک ہے یعنی ان کا تحریر کردہ خط

ہے جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ اس قسم کے فرامین میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف تنہا نہیں ہیں بلکہ سب سے پہلے شہنشاہ معظم امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا تھا۔

☆فانا صنائع ربنا والناس بعد صنائع لنا......

یعنی ہم اللہ جل جلالہ کا شہکار ہیں اور باقی انسانیت ہماری صنعت ہے ہمارے لیئے ہے۔اس فرمان مبارک کی شرح میں ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ

☆انهم عبيد الله و الناس عبيدهم

وہ انوار الٰہیہ تو اللہ جل جلالہ کے عبد ہیں اور باقی ساری مخلوق ان کی عبد ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو مرتبہ ان کیلئے اللہ عزوجل کا ہے وہی باقی مخلوق کیلئے ان کا ہے۔

دوستو! ......مفوضہ فرقے کے لوگوں نے یہاں ایک بہت بڑی ٹھوکر کھائی اور یہ کہہ دیا کہ اللہ عزوجل سارے امور انہیں سونپ کر نعوذ باللہ خود معطل ہوگیا ہے دوسری طرف نجدیت نے یہ ٹھوکر کھائی کہ سارے کام اللہ عزوجل کے سپرد کر دیئے اور سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام نعوذ باللہ معطل کر دیئے۔

جب کہ شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے یہاں یہ عقیدہ دیا ہے کہ ہمارے امور اللہ عزوجل کے سپرد ہیں اس لیئے وہ کسی طرح بھی معطل نہیں ہے، اور باقی ساری کائنات کے امور ہمارے سپرد ہیں اس لیئے ہم بھی کسی طرح معطل نہیں ہیں، اور

اللہ عزوجل کی (کل یوم هو فی شان اللہ عزوجل کا ہر دن کیلئے ایک کام ہوتا ہے) کی شان بھی باقی رہتی ہے، اور اس کے اولیائے امر کی شان بھی باقی رہتی ہے، دونوں فعال لما یرید کے تخت پر متمکن رہتے ہیں۔

عبارت توقیع

☆یَاْ هٰؤلَاءِ مَالَکُمْ فِی الرَّیْبِ تَتَرَدَّدُوْنَ وَ فِی الْحَیْرَةِ تَنْعَکِسُوْنَ اَوَ مَاْسَمِعْتُمُ اللّٰهُ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْارَسُوْلَه‘ وَ اُوْلِی اْلاَمْرِ مِنْکُم

شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرماتے ہیں اے گروہ متزلزل! تم کس ریب و شک میں متردد و سرگرداں ہو اور ہمارے فضائل و اختیارات و منصب کے معاملہ میں کس لیئے حیران و پریشان ہو؟ کیا تم سے کلام اِلٰہی میں نہیں فرمایا گیا ہے کہ تم اطاعت کرو اللہ عزوجل کی اور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، اور تم میں جو صاحب امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔

شرحی نکات

صاحبانِ عرفان کا ایک گروہ اس آیت سے تین اطاعتوں کو تین طبقات کیلئے علیحدہ علیحدہ کرکے پیش کرتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت ان مقدس افراد کیلئے ہے کہ جو اللہ عزوجل سے بلاواسطہ حصول و وصول کے حامل ہوتے ہیں

اور وہ صرف مرتبہ ءِ رسالت کے حامل افراد ہوتے ہیں اور جو مرتبہ اوصیا و وصیایت کے حامل افراد ہوتے ہیں ان کے کیلیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واجب ہے، وہ اللہ کی اطاعت بھی بتوسط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے ہیں، اور ان کی اطاعت اگر بصورت قرآن ہو تو بھی بتوسط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوتی ہے کیونکہ قرآن بھی تو سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے پہنچا ہے، اس لیئے ان کی اطاعت بھی بلافصل نہیں ہوتی۔

تیسری اطاعت ان صاحبان امر کی ہے جو سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلافصل حصول احکام فرماتے ہیں اور ان کے ظاہر و باطن سے متصل و مربوط ہوتے ہیں، مومنین کاملین کیلیئے ان کی اطاعت مخصوص ہے، وہ بلافصل اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں کر سکتے کیونکہ ہر زمانے کے امام علیہ الصلواۃ والسلام کے ساتھ رویوں کو جانچا اور تولا جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو امام عصر علیہ الصلواۃ والسلام کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

☆يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِم کا حکم نہ ہوتا......اسی طرح

من مات و ولم يعرف امام فقد مات ميتة الجاهليه نہ فرمایا جاتا

یعنی ہمارے لیئے اطاعت اِلٰہی کے قیام کا واحد ذریعہ ہمارے اپنے زمانے کے امام عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہی ہیں اور ان کی نافرمانی کر کے ہم اطاعت اِلٰہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام کر ہی نہیں سکتے۔

دوستو!......طاعت کے معنی ہیں فرمانبرداری، حکم و احکام پر بلا چوں و چرا عمل کرنا،

وہ اگر دن کو رات فرمائیں یا رات کو دن تو ہمیں سوچنا بھی نہیں چاہیے، ان کے ہر فرمان کو عین حق اور عین دین سمجھنا لازم ہے، اور ان کے ہر فرمان کو اللہ جل جلالہ کا فرمان سمجھ کر اس پر عمل کرنا واجب ہے، اس لیئے فرمایا جا رہا ہے کہ تم ڈبل مائنڈڈ (Double Minded) کیوں ہو رہے ہو، شک میں کیوں مبتلا ہو رہے ہو؟ ہماری ذات صد برکات سے ہٹ کر اِدھر اُدھر کیوں دیکھ رہے ہو؟

ہماری ذات موجود ہے اور ہمارا فرمان ہی اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے اور ہماری اطاعت کا تمہیں حکم فرمایا گیا ہے اس لیئے تم لوگ تو ہماری اطاعت کے پابند ہو اور ہمارے فرامین پر تمہیں اپنی عقل استعمال کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہے، ہاں اگر عقل استعمال کرنا ہے تو اس معاملہ میں کرو کہ تم ہماری اطاعت کا قیام کیسے کر سکتے ہو جناب سعد بن ربیع سلام اللہ علیہ کا قول ہے، انہوں نے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا تھا کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر آپ ایک انار کو ٹھیک دو حصوں میں تقسیم فرما دیں اور پھر ایک حصے کے بارے میں فرمائیں کہ یہ حلال ہے اور دوسرا حصہ حرام ہے تو ہم سوچیں گے بھی نہیں کہ یہ کیوں حلال ہے اور وہ کیوں حرام ہے۔ یہی منزل اطاعت ہم سے طلب فرمائی گئی ہے

عبارت توقیع

☆ اَوْ مَاْ عَلِمْتُمْ مَاجَاءَتْ بِهِ الْآثَارُ مِمَّايَكُوْنُ وَ يَحْدُثُ فِي اَئِمَّتِكُمْ عليهم الصلواة والسلام عَلَى الْمَاْضِيْنَ وَ الْبَاْقِيْنَ مِنْهُمْ

کیا تم لوگ ان آثار احادیث و فرمامین اور رویوں سے لاعلم ہو جو ہمارے آبا و اجداد طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام سے صادر ہوئے ہیں اور ان میں موجود ہیں۔

شرحِ نکات

اس میں فرمایا کہ ماضی کے ائمہ ہدیٰ کے ہمارے بارے میں لاتعداد فرمامین موجود ہیں جو زبان زد خاص وعوام ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے ہمارے فضائل، ہمارے وجود، ہماری عظمت، ہمارے اصحاب کی شان، ہماری غیبت تک کو بیان نہیں فرمایا تھا؟ اور تم سارے ان فرمامین سے کما حقہ آشنا ہو، اس کے باوجود ہمارے فضائل و مراتب اور وجود کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہوتے ہو۔

کیا تمہیں ہمارے اجداد طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام پر بھی یقین نہیں رہا جبکہ ان کی تم بارہا آزمائش کر چکے ہو، ان کے معجزات دیکھ چکے ہو، جن کے آثار آج بھی موجود ہیں، جب ان کی سابقہ ہر بات درست ثابت ہوتی رہی ہے تو جو فرامین ہماری ذات کے بارے میں فرمائے گئے وہ کیسے نادرست ہو سکتے ہیں۔

دوستو!...... یہ ایک حقیقت ہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں تقریباً بارہ ہزار احادیث وفرامین موجود ہیں۔ اور جو ان کی ذات سے دور کا تعلق رکھتے ہیں یعنی جن فرامین میں ثانوی طور پر شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا ذکر

موجود ہے ان کی تعداد اس کے علاوہ ہے، اور اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں کم و بیش 650 آیات کی تفسیر ہوئی ہے۔

عبارت توقیع

☆اَوَ مَاْرَءَیْتُمْ کَیْفَ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مَعَاقِلَ تَاوُوْنَ اِلَیْھَاْ وَاَعْلاماً تَھْتَدُوْنَ بِھَا مِنْ لَّدُنَّ آدَمِ اِلیٰ اِنْ ظَھَرَ الْمَاضِیْ کُلَّمَا غَاْبَ عَلَمٌ بَدَا عَلَمٌ

کیا تم نے یہ دیکھا ہے کہ اللہ عزوجل نے جناب آدم سے لے کر ہمارے بابا علیہ الصلواۃ والسلام پاک تک کو کیسے تمہارے لیئے پناہ گاہیں قرار دیا ہے، انہیں ہدایت فرمانے والے علم قرار دیا ہے، وہ بھی ایسے علم کہ جب بھی ایک علم مقدس غائب ہوا تو اللہ عزوجل نے دوسرا علم ظاہر فرما دیا۔

شرحی نکات

آپ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرما رہے ہیں کہ یہ سنت اِلٰہیہ ہے کہ کسی بھی زمانے کو حجت زمانہ سے خالی نہیں رکھا جاتا، جناب آدم علیہ السلام سے لے کر جناب ابو محمدؑ العسکری علیہ الصلواۃ والسلام تک سارا نظام تمہارا دیکھا ہوا ہے، کہ ہر زمانے میں ایک ذات موجود رہی ہے جو ہمیشہ ہدایت فرماتی رہی ہے اور وہ پوری انسانیت کیلئے کفر سے پناہ گاہ بنی رہی ہے، اور گمراہوں کیلئے علم ہدایت کا کام کرتی

ہے اور یہ بھی تمہارا دیکھا ہوا ہے کہ جب بھی کوئی ہدایت کا علم غائب ہوتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا علم نصب فرما دیا جاتا ہے تاکہ انسانیت گمراہ نہ ہو، اور اللہ عزوجل کی طرف سے اتمام حجت ہوتا رہے اور انسانیت کی گمراہی اضطراری اور عدم ہدایت کی وجہ سے نہ ہو، کیونکہ اگر حجت زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام کا قیام نہ ہوا اور ابلیس کے باطنی نظام ضلالت کے مقابلے میں اس سے بھی ہزار گنا زیادہ مضبوط نظام ہدایت موجود نہ ہو تو پھر انسانیت گمراہ ہونے میں حق بجانب ہوگی، اور اس طرح پورا نظام حساب وکتاب، نظام جزا وسزا، پورا نظام حشر ونشر، جنت وجہنم، سوال قبر سے لے کر ابدی انجام تک سارے نظام غیر عادلانہ قرار پائیں گے، اور اللہ عزوجل کا کوئی غیر عادلانہ فیصلہ صادر فرمانا جائز ہی نہیں ہے کیونکہ وہ کسی پر ذرا برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور عدل نہ کرنا بھی ظلم ہی ہوتا ہے۔

دوستو!...... ماضی میں ''علم'' سے بہت زیادہ کام لیئے جاتے تھے، ان میں ایک علم بطور علامت استعمال ہوتا تھا کیونکہ ماضی بعید میں بھیڑ بکریوں وغیرہ کے ریوڑ چرنے جاتے تھے تو ہر آدمی اپنی اپنی چراگاہ پر اپنا علم لگا دیتا تھا تاکہ دوبارہ آنے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ اسی طرح جب قبائل برسرپیکار ہوتے تھے تو وہ اپنا علم بلند کرلیتے تھے تاکہ ان کا کوئی ساتھی دشمن کے لشکر میں پہنچ کر ہلاک نہ ہوجائے اسی طرح راستوں کی نشاندہی کیلیئے علم لگائے جاتے تھے اور یہ لفظ نشاندہی بھی نشان یعنی علم ہی سے نکلا ہوا لفظ ہے۔

آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حجاج کرام جب حج پہ جاتے ہیں تو وہاں لاتعداد کیمپ لگے

ہوتے ہیں اور انسان کو اپنے قافلے کے کیمپ میں جانا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیئے وہاں بھی علم بلند کر دیئے جاتے ہیں تا کہ کوئی حاجی راستہ نہ بھول جائے بلکہ اپنے ہی کیمپ تک پہنچ جائے اسی طرح اللہ جل جلالہ نے بھی کلام پاک میں سورہ المعارج کی آیہ 43 میں فرمایا ہے

☆یَوۡمَ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّهُمۡ اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ

اُس دن وہ بڑی تیزی سے قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ جھنڈوں کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔

یعنی علم کسی نہ کسی چیز کی طرف رہنمائی کرنے والی علامت ہی کو کہتے ہیں، اسی اللہ جل جلالہ نے ہر زمانے کے حجت ولی و نبی کو ہدایت کا علم بنایا ہے کہ جو سچائی اور حق کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں، اور وہ اس غیب مطلق واجب الوجود ذات کی طرف انسان کے عقل وشعور کی رہنمائی فرماتے ہیں۔

انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز کسی جگہ چھپا دیتا ہے اور اس کے اوپر کوئی خاص علامت یا نشان لگا دیتا ہے تا کہ وہ جگہ جہاں اس نے کوئی چیز چھپائی تھی وہ اسے یاد رہے اور دوسروں کو وہ معلوم بھی نہ ہو۔

اسی طرح اللہ جل جلالہ جس طرح ازل میں چھپا ہوا خزانہ تھا اسی طرح آج بھی چھپا ہوا ہی ہے، اس حالت و کیفیت میں کوئی فرق نہیں آیا، ہاں اگر وہ ظاہر ہوا ہے تو ان انوار الٰہیہ ازلیہ علیہم الصلواۃ والسلام پر کہ جنہیں اس نے اپنے عرفان کیلئے اپنے نور

ذات سے ایجاد فرمایا اور یہ انوار الٰہیہ اس چھپے ہوئے خزانے کے علامات ہیں، اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ وہ ذات حق کہاں ہے اور اس کے قرب وتقرب کیلئے ہمیں کہاں جانا چاہیے تو اسے ان ذوات متعالیات علیہم الصلواۃ والسلام کو دیکھنا ہوگا کہ یہ کس طرف ہیں اور یہ اللہ جل جلالہ کا خصوصی کرم ہے کہ اس نے اپنی طرف رہنمائی فرمانے والے اعلام الھدی علیہم الصلواۃ والسلام سے کوئی زمانہ خالی نہیں رکھا۔

اسی بات کی طرف شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اشارہ فرماتے ہیں کہ جناب آدم علیہ السلام سے لے کر شہنشاہ معظم ابومحمدؑ العسکری علیہ الصلواۃ والسلام تک یہ سلسلہ مسلسل ہے پھر آگے اسی کو دلیل بناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب بھی ایک علم غائب ہوا ہے تو دوسرا اس کی جگہ نصب ہوتا چلا آ رہا ہے، کیا یہ سلسلہ اب بند ہو گیا ہے؟...... نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہنا ہے اور اس دور میں ہماری ذات اقدس ہی اس ذات غائب الغیوب کی طرف رہنمائی فرمانے والی ہے اگر کوئی اس خزانہ ازل کنز مخفی جل جلالہ کی طرف سفر کرنا چاہتا ہے تو اسے ہماری طرف رخ کرنا ہوگا، ہم ہی اس کی علامت ہیں، اسی طرف رہنمائی فرمانے والے نشانات و پرچم ہیں، جو ہماری طرف رخ کرتا ہے وہ کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم حجت زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں

عبارت توقیع

☆ وَ اِذَا اَفَلَ نَجمٌ طَلَعَ نَجمٌ فَلَمَّا قَبَضَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ

شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف ایک بدیہی مثال دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب بھی کوئی ستارہ غائب ہوتا ہے تو عین اسی وقت دوسرا ستارہ طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔

شرحِ نکات

دوستو! ...... ماضی کے لوگوں کیلیئے ستارے وقت اور سفر کی سمت اور موسم کے معلوم کرنے کے ذرائع تھے جب کوئی مسافر مصروفِ سفر ہوتا تھا تو صحراؤں اور سمندروں میں گمراہی سے بچنے کیلیئے ستاروں کا سہارا لیتا تھا اور اپنی سمت کا درست تعین کرتا تھا اسی طرح موسموں کی آمدورفت کو بھی بعض ستاروں کے طلوع وغروب سے پہچانتے تھے اور رات کے وقت ٹائم معلوم کرنے کا ذریعہ بھی ستارے ہی ہوتے تھے۔

ہمارے ہاں بھی کسان لوگ جب رات کو باری باری کنویں پہ بیل جوتتے تھے تو ایک ایک پہر بانٹ کر جوتتے تھے اور ایک پہر یا ایک گھڑی [گھنٹے] کے تعین کیلیئے ستاروں کے طلوع وغروب کو پیمانہ بناتے تھے اور یہ بات اس زمانے کا ہر فرد جانتا تھا کہ جب ایک ستارہ غروب ہو رہا ہوتا تھا تو دوسرا طلوع ہو رہا ہوتا تھا، اسی طلوع و غروبِ سیارگان کو وقت کا پیمانہ مانا جاتا تھا۔

اس لیئے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرما رہے کہ یہ تو تمہارا مشاہدہ ہے کہ جب بھی کوئی ستارہ غروب ہوتا ہے تو دوسرا ستارہ طلوع ہو جاتا ہے اور آسمان کبھی

بھی ستاروں سے خالی نہیں رہتا اسی طرح آسمان ہدایت بھی کائنات کی رہنمائی فرمانے والے ستاروں سے کبھی بھی خالی نہیں ہوتا۔

اگر ہم غور کریں تو اس مثال میں یہ اشارہ بھی مخفی ہے کہ ہمارے آباواجداد طاہرین علیہ الصلواۃ والسلام بھی غائب ہوئے ہیں، یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ دنیا سے جا چکے ہیں بلکہ وہ ستاروں کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں اور ایک افق سے دوسرے افق کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

علم النجوم کی ایک اصطلاح ہے''احتجاب''......یعنی جب کوئی بڑا ستارہ طلوع ہوتا ہے اور اپنی کامل روشنی کے ساتھ طلوع ہوتا ہے تو دوسرا ستارہ اس کے حجاب میں محجوب ہو جاتا ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ سورج بھی ایک ستارہ ہے جب یہ ستارہ طلوع ہوتا ہے تو لاکھوں کروڑوں ستارے اس کے احتجاب میں آ جاتے ہیں اسی طرح جب بھی کوئی حجت زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام اس دنیا سے محجوب ہوتے ہیں تو وہ بھی حجت زمانہ وعصر کے کمالِ ظہور کے احتجاب میں محجوب ہو جاتے ہیں یعنی وہ موجود تو ہوتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آتے کیونکہ حجت زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام کا نور آئمہ سابق کے انوار کو اپنے حجابِ نور میں چھپا دیتا ہے۔

جب شہنشاہ معظم امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو وہ اپنی دستار کے وارث شہنشاہ معظم امام مجتبیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کے نور میں محجوب ہوئے اور ان کے اور ہماری آنکھوں کے سامنے شہنشاہ معظم امام مجتبیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کا نور ہی حجاب بن گیا ورنہ وہ اس دنیا میں ازل سے ابد تک موجود

ہی ہیں اسی طرح شہنشاہ معظم امام مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور بوقت وصال شہنشاہ معظم کریم کربلا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور میں محجوب ہو گیا یعنی شہنشاہ معظم کریم کربلا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور دونوں انوار کیلئے باعث احتجاب بنا، اور ان کے غیاب کا وقت آیا تو شہنشاہ معظم امام زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور سابقہ انوار اِلٰہیہ کیلئے باعث احتجاب بنا، اور وہ سارے انوار اسی نور میں محجوب ہو گئے، اسی طرح جب شہنشاہ معظم ابو محمد العسکری علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وقت احتجاب آیا تو ان کا نور ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے نور میں محجوب ہو گیا اور ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا نور سارے انوار معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے باعث احتجاب ہوا، اور وہ سارے اسی ایک نور میں پوشیدہ ہو کر ہمیشہ باقی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ باقی اور سلامت رہیں گے۔

اسی میں ایک اور مثال عرض کرتا ہوں کہ جب ہم اعداد کو دیکھتے ہیں تو گنتی کو صفر سے شروع کر کے جب ایک تک پہنچتے ہیں تو یہ ایک کا ہندسہ جو ہے اس میں صفر سے ایک تک کے سارے درجات پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان سب کا نمائندہ و مظہر ایک کا فگر ہو جاتا ہے اسی طرح جب ہم ایک سے دو تک کے درجات کو عبور کرتے ہیں اور جب دو کے عدد کا ظہور ہوتا ہے تو اس میں صفر سے ایک تک کے سارے درجات بھی پوشیدہ ہوتے ہیں اور ایک سے دو تک کے سارے درجات بھی پوشیدہ ہوتے ہیں کیونکہ ہمیں نظر تو 2 کا عدد آتا ہے مگر یہ ایک ہی عدد ہوتا ہے اور اس ایک میں صفر سے دو تک کے سارے درجات پوشیدہ ہوتے ہیں، اسی طرح جب ہم نو کے عدد تک

جاتے ہیں تو وہاں بھی ہمیں ایک ہی فگر ملتا ہے یعنی ''9'' اور اسی ایک عدد میں نو عدد موجود ہوتے ہیں ...... اسی ایک عدد 9 میں ایک بھی ہوتا ہے، دو بھی ہوتا ہے، تین بھی ہوتا ہے، چار بھی ہوتا ہے، پانچ بھی ہوتا ہے، چھ بھی ہوتا ہے، سات بھی ہوتا ہے اور آٹھ بھی ہوتا ہے مگر وہ سارے اس کے اندر پوشیدہ ہوتے ہیں اور یہ 9 کا عدد ان سب کا مظہر ہوتا ہے، کیونکہ یہ ظاہر تو ایک ہے اور باقی سب اس کے حجاب میں محجوب ہوتے ہیں۔

اسی طرح جب حجت آخر عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی امامت کا ظہور ہوتا ہے تو باقی سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی امامت کیلئے باعث احتجاب بن جاتی ہے اور یہ ایک ان سب کے مظہر بن جاتے ہیں اور وہ ان کا باطن بن جاتے ہیں۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ ازلی اکائی جو اللہ عزوجل کی ذات ہے اور وہ بھی محجوب ہے تو اس کیلئے بھی باعث احتجاب یہی نور اول ہے، یعنی سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نور ہی وہ حجابِ نور ہے جو اللہ عزوجل کیلئے باعثِ احتجاب ہے، یعنی وہ ذات واجب الوجود اپنے پاک حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور اقدس کے اندر محجوب و مستور رہ کر کائنات سے مربوط ہے، اور اس طرح سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے نور حجت عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے پردے میں رہ کر کائنات سے مربوط ہیں اور ان کا سلسلہ کبھی بھی انقطاع پذیر نہیں ہوتا ہے۔

دوستو! ...... اگر ہم ایک اور انداز سے عرض کریں تو وہ یہ ہوگا کہ یہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دنیا میں اللہ جل جلالہ کا تسلسل نور ہیں اور ہمارے شہنشاہ زمانہ

عجل اللہ فرجہٗ الشریف سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تسلسل نور ہیں اور انہیں ستاروں کی مثال دی گئی ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ ستاروں میں بھی فرق ہوتا ہے، یعنی کچھ ستارے ایسے ہوتے ہیں جو وقت کی گھڑی کی سوئیاں مانے جاتے ہیں کہ جو صرف وقت بتاتے ہیں کچھ ستارے ایسے ہوتے ہیں جو درست سمت بتاتے ہیں جیسا کہ قطب ستارہ ہے جو سمندروں میں صحراوں میں درست سمت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اسی طرح ائمہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام بھی دشتِ حیات میں قطبِ ہدایت ہیں، نجوم الھدیٰ ہیں، اور ان کا غروب وطلوع زمانیاتی تعینات کیلئے ہوتا ہے، جیسے رات کو ستاروں سے پتہ چلتا ہے کہ اب کون سا پہر ہے، اسی طرح ہر زمانے کے امام علیہ الصلواۃ والسلام کا وجود بتا رہا ہوتا ہے کہ اس دور میں کس قسم کے انسانی اعمال کا زمانہ ہے، کون سے اعمال سچائی پر مبنی ہیں، کون سا جہاد کا دور ہے، کون سا صبر کا دور ہے، کون سا صلح کا دور ہے، کون سا جنگ کا دور ہے، کون سا انتظار فرج کا دور ہے یعنی کس دور میں کیا اعمال کرنا ہیں یہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی ذات سے آگاہی ملتی ہے

دوستو! ...... یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ قطب کبھی حرکت نہیں کرتا ہمیشہ ایک ہی مقام پر نظر آتا ہے اور اس کا ایک ہی مقام پر قیام ہی رہنمائی کا باعث ہوتا ہے اسی طرح یہ نور اقدس بھی اپنے ازلی مقام پر ہمیشہ قائم رہتا ہے اور ان کا ظہور وغروب اعتباری ہوتا ہے یعنی ہماری بصارت وبصیرت تک محدود ہوتا ہے، ہماری بصارتوں

اور بصیرتوں کی حد سے آگے تو ان کا نہ ہی غروب ہوتا ہے اور نہ ہی ظہور ہوتا ہو بلکہ ایک شہود کامل ہوتا ہے۔

عبارت توقیع

☆ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ اَبْطَلَ دِیْنَه، وَ قَطَعَ اللّٰهُ السَّبَبَ بَیْنَه، وَ بَیْنَ خَلْقِهٖ ،کَلَّا ،مَا کَانَ ذَالِكَ وَلَا یَکُوْنُ حَتّٰی تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَ یَظْهَرُ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ کَارِهُوْنْ

اے جماعت شیعہ! کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے دین کو باطل کر دیا ہے، اور اس نے اپنی مخلوق سے ناطہ توڑ لیا ہے، کیا اس نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان جو واسطہ تھا اسے منقطع کر لیا ہے؟ فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ رابطہ نہ پہلے کبھی ٹوٹا ہے اور نہ ٹوٹے گا بلکہ یہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ہمارا ظہور نہیں ہو جاتا اور ہمارا امر ظاہر نہیں ہو جاتا، چاہے اس سے کراہت کرنے والے لاکھ کراہت کرتے رہیں، چاہے اس بات کو لاکھ ناپسند کریں یہ تو ہو کے ہی رہنا واجب ہے۔

شرحی نکات

یہ ایک مسلمہ ہے کہ اللہ عزوجل کسی بھی زمانے میں اپنی مخلوق سے منقطع نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں جتنے بھی مذاہب آئے ہیں یا موجود ہیں ان سب میں ایک غلط فہمی

مشترک رہی ہے کہ ہمارے مذہبی پیشوا تک اللہ عزوجل انسانیت سے مربوط رہ رہا ہے اوراس کے بعد قیامت تک کسی دوسرے فرد سے اس کا رابطہ ممکن ہی نہیں ہے اس لیئے ہر مذہب یہ سمجھتا ہے کہ اس کی شریعت یا دین قیامت تک جاری ونافذ رہنا ہے۔اسی غلط فہمی کی بنیاد پر ہزاروں نبیوں کو امتوں نے شہید کیا ہے۔

ہم ماضی بعید میں نہیں جاتے بلکہ جناب موسیٰ علیہ السلام سے بات شروع کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں نے یہ یقین کرلیا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی بھی صاحب شریعت نبی مبعوث نہیں ہوگا، اللہ عزوجل کے پاس انسانیت کیلیئے جتنے بھی احکام تھے وہ جناب موسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوگئے، اب جو بھی آئے گا وہ شریعت موسوی کے ماتحت ہی مبعوث ہوگا، اسی طرح انہوں نے آخری نبی ناحوم پر اپنی کتابوں کو ختم کر دیا، اس کے بعد جب جناب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے ایک نئی شریعت متعارف کروائی تو یہودیوں نے انہیں اپنے زعم باطل میں صلیب پر چڑھا دیا اور یہ تصور قائم رکھا کے اب کسی سے بھی اللہ عزوجل کا رابطہ ممکن نہیں ہے کیونکہ خالق اپنی مخلوق سے کلی طور پر منقطع ہو چکا ہے۔

اسی طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد عیسائیوں نے یہی گمان کرلیا کہ اللہ عزوجل کے پاس جتنے بھی احکام تھے وہ مکمل ہو چکے ہیں اب ان کے بعد کوئی بھی صاحب شریعت نبی نہیں آ سکتا۔اس لیئے انہوں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کو قبول نہ کیا کیونکہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب اللہ عزوجل کے پاس انسانیت کو دینے کیلیئے کچھ بھی نہیں رہا۔

یہی غلطی مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت نے کی اور یہ سمجھ لیا کے سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اللہ عزوجل کے پاس انسانیت کو دینے کیلئے کچھ بھی موجود نہیں رہا، اس لیئے اب وہ انسانیت سے کلی طور پر ڈس کونیکٹ (Disconect) ہے۔

لیکن یہ شیعہ مذہب کو اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصیاء عظام یعنی ائمہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کو اللہ عزوجل سے رابطے کا وسیلہ سمجھا اور یہ ثابت کیا کہ اللہ عزوجل کسی بھی زمانے میں انسانیت سے منقطع نہیں ہوسکتا کیونکہ انسانیت کا شعور ارتقا پذیر ہے اور سفر ارتقا میں تازہ احکامات کا آنا ضروری ہوتا ہے، اس لیئے ہر زمانے میں اس کا ایک ایسا نمائندہ موجود رہنا ضروری ہے جو سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دستار کا وارث بھی ہو اور ایک طرف وہ انسانیت سے متصل و مربوط ہو اور دوسری طرف وہ خالق سے مربوط رہے تاکہ تازہ بہ تازہ احکام الٰہی انسانیت کو ملتے رہیں۔

دوستو!......اسی شیعی نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے شیعوں سے فرمایا ہے

☆ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ اَبْطَلَ دِیْنَهٗ

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اللہ عزوجل نے اپنے دین کو باطل کردیا ہے

دوستو!...... یہ بھی یاد رہے کہ اصل دین حجت زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام ہوتے ہیں اگر اصل نہ رہے تو دین ہی باطل ہوجاتا ہے، بالفاظ دیگر دین نام ہے حجت زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی اطاعت کا، اگر اطاعت کروانے والا موجود نہ ہوگا تو پھر

اطاعت نہ ہو سکے گی اور اطاعت نہ رہے گی تو دین کہاں ہوگا؟ کیونکہ دین تو اطاعت ہے، ضابطہءِ اعمال ہے، دستورالعمل ہے،(Track of Life) ٹریک آف لائف ہے، جب ٹریک ہی نہ رہے تو دین باطل ہی ہو جائے گا۔

☆وَ قَطَعَ اللّٰهُ السَّبَبَ بَيْنَه' وَ بَيْنَ خَلْقِهٖ

شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف فرماتے ہیں کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے خالق اور مخلوق کے درمیان جو رابطہ ہے اسے منقطع کر دیا ہے۔

دوستو!......عربی میں ''سبب'' اس رسی کو کہتے ہیں جو کنویں کے ڈول کے ساتھ بندھی ہوئی ہوتی ہے، جسے لٹکا کر انسان کنویں سے پانی باہر نکالتا ہے اور وہ رسی پیاسے اور پانی کے درمیان رابطہ ہوتی ہے، اسی صفت کی وجہ سے ہر واسطے یا وسیلے کو بھی سبب کہا جاتا ہے اور اسی صفت کو سامنے رکھتے ہوئے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہُ الشریف نے فرمایا ہے کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ جو اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیانہ رسی [حصولِ احکام اور برکات کا سبب یا وسیلہ] ہے اس کو کاٹ دیا گیا ہے؟

پھر فیصلہ سناتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ

☆كَلَّا ،مَا كَانَ ذَالِكَ وَلَا يَكُوْنُ حَتّٰى تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَ يَظْهَرُ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كَارِهُوْنْ

فرماتے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے، نہ یہ پہلے کبھی ہوا ہے اور نہ ہوگا تا اینکہ ہمارا ظہور و خروج ہو جائے گا، اگر چہ اس تصور اور حقیقت سے نفرت کرنے والے

لاکھ نفرت کریں، اس بات کو چاہے کوئی پسند کرے یا نہ کرے اللہ عزوجل اور مخلوق کے درمیان رابطہ قائم رکھنے والی ذات ہمیشہ موجود رہے گی تا اینکہ ہمارا ظہور و خروج ہو جائے اور اللہ جل جلالہ کی حکومت کا ظاہری قیام ہو جائے۔

اس فرمان کے دو مراداتی پہلو ہیں ایک تو یہ ہے کہ ہماری ذات نے ساعۃ [یعنی حکومت اِلٰہیہ کے قیام] تک منصب ہدایت پر باقی رہنا ہے چاہے کوئی بد بخت پسند کرے یا نہ کرے۔

دوسرا مراداتی پہلو یہ ہے کہ چاہے کوئی بد بخت پسند کرے یا نہ کرے ہمارا ظہور ہو کے رہنا ہے اور اس دنیا پر اللہ جل جلالہ کی ابدی حکومت کا قیام اور اظہار ہو کے رہنا ہے......جیسا کہ کلام مقدس میں ارشاد ہے

☆هُوَ الَّذِیٓ أَرۡسَلَ رَسولَهُ بِالۡهُدَی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهُ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهِ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُونَ......(سورہ توبہ 9)

اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت، اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اسے سارے دین پر غالب کر دے، اگرچہ مشرک اسے لاکھ نا پسند کریں۔

جب شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا خروج ہوگا تو اس وقت یہی اعلان فرمائیں گے

☆لَقَدۡ جِئۡنَاكُم بِالۡحَقِّ وَلَكِنَّ أَكۡثَرَكُمۡ لِلۡحَقِّ كَارِهُونَ(سورہ الزخرف 78)

یقیناً ہم تمہارے پاس حق لائے ہیں، لیکن تمہاری اکثریت حق سے کراہت

کرنے والی ہے......اللہ کرے وہ روز سعید جلدی آئے......آمین

عبارت توقیع

☆ وَ اَنَّ الْمَاْضِی مَضٰی سَعِیْداً فَقِیْداً عَلیٰ مِنْهَاْجِ آبَائِہٖ حَذْوَالنَّعْلِ بِالنَّعْلِ

فرمایا جانے والے شہنشاہ معظم ابو محمد العسکری علیہ الصلواۃ والسلام اپنے آبائے طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام کے انداز میں اپنے سعادتوں اور بے مثالیوں سمیت تشریف لے جاچکے ہیں، اور یہ تشریف لے جانے کا سلسلہ عین اسی طرح ہے جیسے ہمارے اجداد طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام کا رہا ہے، اور ان کا جانا ان کے کلی طور پر مشابہہ ہے، اور ان کے جانے کے بعد کے رویے بھی سابقہ لوگوں کے رویوں سے اس طرح مشابہہ ہیں جیسے ایک جوتا دوسرے سے مشابہہ ہوتا ہے۔

شرحی نکات

یہاں یہ فرمایا جارہا ہے کہ جیسے ہمارے آباء طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام میں سے کسی بھی فرد کے جانے کے بعد شیعوں میں یا ان کے ماننے والوں میں اختلاف پیدا ہوتا رہا ہے، وہ ہمارے ساتھ بھی ہو رہا ہے۔

دوستو!......جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد ایک صحیفہ ملعونہ لکھا گیا اور اس پر کفر پرست جماعتوں نے اور ابنائے ذوات الاعلام نے دستخط کیئے، وہ ایک عہد نامہ تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ ہم اپنی پوری

توانائیاں اس بات پر صرف کریں گے کہ خاندان رسالتؐ میں حکومت کبھی نہ جانے پائے ...... یہ سلسلہ جب سے شروع ہوا تو پھر ہر دور میں اسی کا اعادہ ہوتا رہا ہے اور اسی اعادے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ وہ ایک دوسرے سے ایسا مشابہہ ہے کہ جیسے ایک جوتا دوسرے پیر کے جوتے سے مشابہہ ہوتا ہے۔

عبارت توقیع

☆وَ فِيْنَاْ وَصِيَّتُهٗ وَ عَلَمُهٗ وَ مَنْ هُوَ خَلْفَهٗ وَ مَنْ يَسُدُّ مَسَدَّهٗ

اے شیعو! یہ بات یاد رکھو جیسا کہ ہمارے اجداد طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام اپنے اپنے اوصیاء علیہم الصلواۃ والسلام کے تعین کیلئے وصیت فرما کر تشریف لے جاتے رہے ہیں، اسی طرح ہمارے بارے میں ایک وصیت موجود ہے اور ہمارے بارے میں نشاندہی فرمائی جا چکی ہے، اور یہ فرمایا جا چکا ہے کہ ہمارے بعد ہمارا وارث کون ہے اور ہمارے بعد ہمارے سارے امور کو انجام دینے اور تکمیل فرمانے والا کون ہے؟ اس کے بارے میں تمہیں آ گاہ کیا جا چکا ہے۔

شرحی نکات

دوستو! ...... یہ تشیع کی دنیا کا مسلمہ ہے کہ کوئی امام بغیر نص و وصیت کے نہیں ہوسکتا کیونکہ امامت کا منصب من اللہ ہے، اس لیئے نصب امام وصیت و نص کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے اور جس ذات کے بارے میں وصیت ہو جائے وہی وصی ہوتا ہے۔ وصی کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

( )وصی غیر مطلق ( )وصی مطلق

عام وصیت ہو جائے تو وہ وصی مطلق نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ منصب امامت کی بعض مستورات توحید ورسالت صلواۃ اللہ علیہن کو وصیت فرمائی گئی ہے، وہ امینہءِ امامت تو ہوئیں مگر امام نہیں ہوئیں کیونکہ وہ وصی غیر مطلق [وصیہ] تھیں، اور امامت وصایت مطلقہ سے ملتی ہے اور وہ ازل سے مقرر ومتعین ومعین ہے، اس لیئے نہ اس میں کسی تبدیلی کا امکان ہوتا ہے اور نہ ہی منسوخی کا کیونکہ جب وصی ہونے کے ساتھ نص امامت بھی شامل ہو جائے تو وہ وصی مطلق کی طرف اشارہ ہوتا ہے، اس لیئے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے اپنے بابا پاک علیہ الصلواۃ والسلام کی وصیت ونص کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ہمارے بارے میں تھی اور ہمارے پاس وہ موجود ہے۔

دوستو!......شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے وصیت کے بعد جس دوسری چیز کی طرف اشارہ فرمایا وہ ہے علامت امامت ...... امام کہلوانے کو بہت سے لوگ امام بنے ہوئے تھے مگر امام ہونے کے ساتھ ایک تو امام سابق کی وصیت کا موجود ہونا بڑا ضروری ہے، اس کے بعد دوسرا ثبوت تو علامت امامت ہی ہوتی ہے اور وہ ایک نہیں ہوتی بلکہ امام کی امامت کے بہت سے علائم ہوتے ہیں مثلاً......

امام کے پاس اگر مواریث انبیاء علیہم السلام نہیں ہیں تو وہ امام نہیں ہے، امام کے پاس مواریث اجداد طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام نہیں ہیں تو امام نہیں ہے، تبرکات نبوت وامامت انہیں موزوں نہیں آتے یعنی زرہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے،

قبا ہے، عبا ہے، اگر ان کے قامت پر راست نہیں آتے تو سزا وار امامت نہیں ہیں۔
اسی طرح معجزات و خوارق ہیں جو ثبوت امامت یا علامت امام ہیں، اسی طرح کی بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جن کے بارے میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف اشارہ فرما رہے ہیں کہ ہمارے پاس ساری علاماتِ امام موجود ہیں۔
اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے بابا پاک علیہ الصلواۃ والسلام نے یہاں تک نشاندہی فرما دی ہے کہ ان کے بعد ہم ہی ان کے جانشین ہیں اور ان کے سارے امور کے وارث ہم ہی ہیں، ہمارے علاوہ کوئی بھی ان کا وارث نہیں ہے، بلکہ ہم ہی وہ ہیں جو اپنے سارے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کے اکلوتے وارث ہیں، اور ہمارے وارث ائمہ علیہم الصلواۃ والسلام ہونے کے بارے میں شک کرنا بھی جائز نہیں ہے یعنی اُس دور کے شکوک میں گرفتار شیعوں کو فرماتے ہیں کہ ہمارے بارے میں شک نہ کرو ہمارے پاس سارے ثبوتِ امامت موجود ہیں۔

عبارت توقیع

☆ وَلَا يُـنَـازِعُـنَـا مَوْضِعَه اِلّا ظَالِمٌ آثِمٌ وَ لَا يَدَّعِيْهِ دُوْنَنَا اِلّا جَاْحِدٌ كَاْفِرٌ

فرمایا ہمارا منصب اعلیٰ ایسا ہے جس کے بارے میں سوائے بدکار ظالم کے کوئی بھی تنازعہ نہیں کرے گا اور ہمارے منصب اعلیٰ پر فائز ہونے کا دعویٰ جو دوا نکار کرنے والے کسی کافر کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔

شرحِ نکات

دوستو!......امام و ماموم کی کئی صورتیں ہوتی ہیں

()ایک امام حق ہوتا ہے، دوسرا امام باطل ہوتا ہے......اس لیئے مامومیت کی چار صورتیں ہوتی ہیں جیسا کہ

(1) غیرامام کوامام ماننا

(2)امام حق سے انکار کرنا

(3) سابقہ دونوں صورتوں کی جامع صورت یعنی غیرامام کوامام ماننا بھی اورامام حق سے انکار بھی کرنا

(4)دونوں قسمی آئمہ کو نہ ماننا، نہ ہی امام حق کو ماننااور نہ ہی امام باطل کو ماننا

دوستو!......عام طور پر امام حق سے انکار اور غیرامام کوامام ماننا برابر لگتا ہے مگران میں سے ایک جرم بڑا ہے اور ایک چھوٹا ہے، کیونکہ غیرامام کو امام ماننا اتنا بڑا جرم نہیں ہوتا جتنا امام حق سے انکار کا جرم ہوتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک غیرمعزز کی عزت کرنا اتنا بڑا جرم نہیں ہے جتنا کسی معزز کی بےعزتی کرنا جرم ہوتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو غیرامام کی امامت کے بھی قائل ہوتے ہیں اور امام حق کی امامت کا اعتراف بھی کرتے ہیں، ائمہ حق علیہم الصلواۃ والسلام کی عزت بھی کرتے ہیں، اس لیئے اصل بڑا جرم ہے امام حق کا انکار کرنا۔

آئمہ باطل کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں مثلاً کچھ لوگ امام باطل ہوتے ہیں اور باطل

کے نام پر ہی کام کرتے ہیں۔

کچھ آئمہ باطل ایسے ہوتے تھے جو باطل کی دعوت تو دیتے تھے مگر امام نہیں کہلواتے تھے مگر بعد والوں نے ان کی امامت کا دعویٰ کیا۔ کچھ امام ایسے تھے جنہیں لوگوں نے امام مانا، مگر انہوں نے امام حق کے سامنے اپنی امامت کا دعویٰ کبھی نہیں کیا۔

کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں علم تھا کہ وہ امام نہیں ہیں مگر انہوں نے امام حق سے دشمن کی توجہ پھیرنے کیلیئے اپنی امامت کا دعویٰ کیا، جیسا کہ اکثر امام زادگان علیہم السلام نے دعوائے امامت کر کے امام وقت کی حفاظت فرمائی۔

کچھ لوگ ایسے تھے جو غیر امام تھے مگر انہوں نے ائمہ حق کے سامنے دعوائے امامت کیا اور ان کے منصب اعلیٰ پر ڈاکہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کی، یہی بدترین لوگ تھے اور انہی کے بارے میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرما رہے ہیں کہ جو بھی ہمارے مقابلہ میں امامت و ولایت کا دعویٰ کرے وہ یا تو اللہ عزوجل کے احکام کی جان بوجھ کر نافرمانی کرنے والا ہوگا یا کافر ہوگا...... یہ دونوں صورتیں کفر ہی کی ہیں یعنی جو بھی ان کے مقابلے میں امامت و ولایت کا دعویدار بنے گا وہ کافر ہی ہوگا، اگر کوئی غیر امام ہوتے ہوئے امامت کا دعویٰ کرتا ہے یا امام حق کے ساتھ تنازعہ کرتا ہے تو یہ دونوں صورتیں کفر شمار ہوتی ہیں۔

صاحبانِ لغت لکھتے ہیں☆فکل من ستر حقیقة فهو کافر

آیت اللہ الشہید حسن شیرازی لکھتے ہیں کفر کے درجات ہوتے ہیں، ان میں سے اولین درجہ کا کفر یہ ہے کہ انسان ادنیٰ حقائق دینیہ سے انکار کرے، اور اس کی

دوسری انتہا یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کا منکر ہو جائے، آگے وہ لکھتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر کافر اللہ جل جلالہ کا انکار کرنے والا ہی ہو کیونکہ بعض کفار اللہ جل جلالہ کو مانتے ہوئے بھی کافر ہوتے ہیں......اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ

☆انما الکفر یعم الجاحد بالله والملحد فی احدیٰ آیاتہٖ والامامة من آیات الله

یعنی عمومی طور پر تو انکار اِلٰہی کو کفر کہا جاتا ہے اور اللہ جل جلالہ کی کسی ایک بھی آیت سے انکار کو الحاد کہا جاتا ہے، لیکن امامت اللہ جل جلالہ کی اہم ترین آیت ونشانی ہے [کیونکہ یہ اس کی نیابت کا عہدہ ہے] اس لیئے جو اس سے انکار کرتا ہے وہ منکر باللہ کی طرح ہے۔

امامت اللہ جل جلالہ کی نیابت کاملہ اور ولایت کونیہ کا نام ہے، اس لیئے جو شخص امامت کے بارے میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے مقابل دعویٰ کرتا ہے چونکہ وہ جھوٹا ہے اس لیئے اللہ جل جلالہ کی اس پر لعنت شروع ہو جاتی ہے، اس جھوٹ کے ساتھ وہ اللہ جل جلالہ پر بھی جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ امامت کا دعویٰ کر کے وہ اس کی نیابت کا دعویٰ کرتا ہے، جبکہ اس نے اسے نائب بنایا نہیں ہے، اس لیئے وہ اللہ جل جلالہ پر جھوٹ بھی بولتا ہے اور اس پر بہتان تراشی کا ارتکاب بھی کرتا ہے اس لیئے وہ کافر اعظم شمار ہوتا ہے۔

بہت سی احادیث معصومین علیہم الصلواۃ والسلام میں آیا ہے کہ چہاردہ معصومین علیہم الصلواۃ والسلام میں سے جو کسی ایک کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے اس طرح ان میں

سے کسی ایک کے سامنے جو شخص اپنی امامت کا دعویٰ کرے تو وہ تو اس سے بھی بدترین کافر ہے۔

اسی لیئے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے فرمایا کہ جو ہمارے سامنے دعوائے امامت کرے وہ کافر ہے، کیونکہ اس وقت ہم اپنے منصبِ عالیہ میں واحد ولاشریک ہیں، حجت زمانہ ہیں، ہمارے اختیارات وتصرفات وتدبرات میں کوئی بھی شریک نہیں ہے اور نہ ہی ہوسکتا ہے، جس طرح اللہ جل جلالہ اپنے دائرۂ اُلوہیت میں واحد ولاشریک ہے اسی طرح ہم اپنے دائرہ حجیت العصر میں واحد ولاشریک ہیں۔

عبارت توقیع

☆وَ لَوْلَا اَنَّ لِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یُغْلَبْ وَ سِرُّہٗ لَا یُظْھَرْ وَ لَا یُعْلَنْ

فرمایا ہمارا امر اِلٰہی کبھی بھی مغلوب نہیں ہوسکتا، اور راز اِلٰہی کسی پر بھی ظاہر نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کا اعلان ہوسکتا ہے۔

شرحی نکات

دوستو!...... اس فرمان کا ایک اشارہ تو غیبت کی طرف ہے، کیونکہ غیبت امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا امر اِلٰہی بھی ہے اور راز اِلٰہی بھی ہے چونکہ یہ امر اِلٰہی ہے اور خود صاحب الامر اِلٰہی عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے تعلق رکھتا ہے اس لیئے اسے شکست دینا نعوذ باللہ اللہ جل جلالہ کو شکست دینے کے مترادف ہے، اس لیئے اس کا تصور کرنا بھی کفر ہے۔

دوسری طرف شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی غیبت ایک رازِ الٰہی بھی ہے اور راز کا یہ تقاضہ ہوتا کہ وہ عالم کتمان و پوشیدگی میں رہے، اگر راز کھل جائے تو راز نہیں رہ جاتا، اس لیئے غیبت کے اسرار و مصلحتیں خروج سے پہلے نہیں کھولی جاسکتیں اس لیئے مقصد غیبت کوئی نہیں سمجھ سکتا اگرچہ علمائے اعلام نے تیس سے زیادہ وجوہاتِ غیبت بصورت احتمال لکھی ہیں اوران میں سے بعض فرامین معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کے تحت بیان فرمائی ہیں مگر یہ ان ہزاروں مصلحتوں میں سے چند ہوسکتی ہیں، حقیقی وجوہات بعد از خروج کھلنا ہیں۔

دوستو!......اس فرمان کا دوسرا اشارہ کلی ذات کی طرف ہے، یعنی شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی ذاتِ اقدس ہی عین امرِ الٰہی بھی ہے اور انہی کی ذات رازِ الٰہی بھی ہے۔جیسا کہ ہم شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں سے یہ دو اسم مبارک بھی دیکھتے ہیں کہ

☆امر اللہ لا یغلب......اللہ جل جلالہ کے وہ امر جنہیں مغلوب نہیں کیا جاسکتا

☆سر اللہ لا یظھر......یعنی اللہ کے وہ پوشیدہ راز جو کسی پر ظاہر نہیں ہوسکتے

یہاں ظہورِ جسم مراد نہیں ہے کیونکہ ان کی ذاتِ اقدس تو غیبت صغریٰ میں بہت سے افراد کو زیارت سے مشرف فرماتی رہی تھی اور غیبت کبریٰ میں بھی شیخ مفید سے لے کر دور حاضر کے عرفاء رضوان اللہ علیہم اجمعین تک سب کو زیارت کا اعزاز عطا فرمایا گیا ہے، اس لیئے ان کی زیارت کا معاملہ اور ہے، ان کی شان وعظمت واختیارات و تصرفات وفضائل وشرائف اسرار اِلٰہیہ ہیں جن کا کوئی بھی ادراک نہیں کرسکتا۔

عرفانیات کا یہ ایک مسلمہ ہے کہ ولایت مطلقہ اِلٰہیہ کے دو پہلو ہوتے ہیں
ایک پہلو مخلوق کی طرف ہوتا ہے جس سے خلائق استفادہ کرتی ہیں اور اس کا دوسرا
پہلو اُلوہیت کی طرف ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ متصل باللہ رہتی ہے
اس کی مثال ہم ایک فرائی پین کی دے سکتے ہیں، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب انڈا
فرائی کیا جاتا ہے تو فرائی پین کو آگ پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اس فرائی پین کے دو پہلو
ہوتے ہیں، ایک وہ رُخ ہوتا ہے جو آگ کی طرف ہوتا ہے جو آگ سے متصل ہوتا
ہے اور وہاں سے حرارت کو حاصل کرتا ہے اور اپنے جسم میں منتقل کرتا ہے
دوسری طرف انڈا اس میں رکھا ہوتا ہے جو آگ سے بلا واسطہ کچھ نہیں لے رہا ہوتا
بلکہ فرائی پین آگ کے صفات کو اپنے اندر جذب کرتا ہے اور انڈا اسی حرارت سے
پکتا ہے...... یہ تو ایک مثال ہے کیونکہ مثالیں سمجھانے کیلئے ہوتی ہیں، جیسا کہ اللہ جل
جلالہ نے اپنے نور کو سمجھانے کی مثال ایک چراغ و فانوس و طاق سے دی ہے، اسی
طرح ہم نے یہ مثال سمجھانے کیلئے دی ہے تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ
ولایت مطلقہ اِلٰہیہ کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ صفات وخصوصیات واوصاف اِلٰہیہ کو بوجہ
قرب اپنی ذات اقدس میں منتقل فرماتی ہے اور باقی ساری مخلوق انہی صفات اِلٰہیہ
سے فیض یاب ہوتی ہے، اور ان کیلئے ولایت مطلقہ اِلٰہیہ ہی واحد وسیلہءِ فیض و
استفادہ ہوتی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ صفاتِ اِلٰہیہ جب ولایت مطلقہ
اِلٰہیہ میں جذب ہوجاتی ہیں تو وہ اس کی اپنی صفات ہوجاتی ہیں۔
جیسا کہ ہم فرائی پین کی گرمی کو آگ کی گرمی نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ دیکھئے ''فرائی

پین گرم‘‘ ہے یعنی گرم ہونے کی صفت آگے کی طرف نہیں جاتی، اس چیز کی طرف جا رہی ہے جو ہمارے سامنے ہے، ہماری عقل آگے جاتی ہی نہیں کہ اس نے یہ گرمی کہاں سے لی ہے، بلکہ وہ تو اتنا جانتی ہے کہ یہ صفت اس میں موجود ہے چاہے جہاں سے بھی آئی ہے، مگر اب یہ اسی کی صفت ہے۔

اسی طرح ان انوارِ الٰہیہ علیہم الصلواۃ والسلام میں جو صفاتِ الٰہیہ موجود ہیں چاہے انہوں نے ذاتِ الٰہیہ سے ہی لی ہیں مگر جب انہیں مل گئی ہیں تو پھر وہ اِن ہی کی ہیں۔

دوستو!......جس بات کیلئے میں نے مثال دی وہ یہ تھی کہ جس طرح فرائی پین کا ایک پہلو آگ سے متصل ہوتا ہے اور دوسرا انڈے سے۔ اسی طرح نورِ ولایت کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک توحید سے متصل و مربوط رہتا ہے اور دوسرا پورے عالمِ تخلیق و تکوین سے واصل رہتا ہے۔

اس کا جو پہلو توحید کی سمت ہوتا ہے وہ ولایتِ الٰہیہ مطلقہ کہلاتی ہے، چونکہ اس کا رخ مخلوق کی طرف ہوتا ہی نہیں ہے بلکہ اُلوہیت کی طرف ہوتا ہے اس لیئے اس کے اس باطنی پہلو کو سوائے اللہ جل جلالہ کے کوئی جان ہی نہیں سکتا، اور وہ اللہ جل جلالہ کا وہ راز ہوتا ہے جو کبھی بھی کسی پر بھی منکشف ہو ہی نہیں سکتا، اس پہلو کے اسرار کو نہ ہی کوئی ملک مقرب سمجھ سکتا ہے اور نہ نبیءِ مرسل، نہ کوئی قدسی، نہ مقربین و کروبیاں۔

وہ تو اللہ جل جلالہ کا ایسا راز ہے جو سرِ مستتر کا مصداق ہے۔

اسی پہلو کی طرف شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا کہ اے

امیر کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بھائی ! آپ کو یا اللہ جل جلالہ جان سکتا ہے یا ہم دوسرا کوئی نہیں جان سکتا۔

عبارت توقیع

☆ لَظَهَرَ لَكُمْ مِنْ حَقِّنَا مَاتَبْهَرُ مِنْهُ عُقُوْلُكُمْ وَ يُزِيْلُ شُكُوْكُكُمْ لٰكِنَّهٗ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانْ وَلِكُلِّ اَجْلٍ كِتَابٍ

سابقہ فرمان کو مسلسل رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر ہم اپنے حق کو تم پر ظاہر فرما دیتے اور اپنے معجزات کا اظہار فرماتے تو تمہاری عقلیں متحیر ہو جاتیں اور تمہارے شکوک وشبہات کا کلی طور پر خاتمہ ہو جاتا جیسا کہ اللہ عزوجل چاہتا لیکن اس کی ایک مدت مقرر ہے، جب وہ وقت آئے گا تو ایسا ہی ہوگا۔

شرحی نکات

دوستو!...... اس وقت شیعہ اپنے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی تلاش میں سرگرداں تھے اور یہ سلسلہءِ غیبت ایک راز اِلٰہی تھا جو فوری طور پر تو متحیر کرنے کیلئے کافی تھا، چونکہ اس سے قبل شیعہ قوم غیبت سے مانوس نہیں تھی اس لیئے ان میں جستجو کا عمل شدید تھا، اس لیئے فرمایا کہ تم ہماری مصلحتوں میں ہاتھ مت ڈالو، ہماری ذات اور ہمارے اعمال وافعال تمہاری عقلوں سے بعید ہیں، ہاں اگر ہم اپنے حق عظیم کو ظاہر فرمائیں تو کائنات کی عقلیں متحیر وسرگرداں ہو جائیں، فرسِ عقل

ادراکِ حقائق کی تگ ودَو میں دوڑ دوڑ کر ہانپ جائے۔

دوستو!...... کائنات کی ہر چیز پر اللہ جل جلالہ کا حق معبودیت بنتا ہے، جس کی طرف بہت سی احادیث میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ انسان اگر ازل سے ابد تک کی عمر پائے اور دن رات عبادت میں خشوع وخضوع سے خون کے آنسو بہاتا رہے تو بھی اللہ جل جلالہ کے حق بندگی کا عشر عشیر بھی ادا نہیں ہوسکتا۔

اُس ذاتِ واجب الوجود کا حق معبودیت کائنات کے ہر ذرے پر ثابت ہے اور یہی حق ہی اس کی اطاعت کا استحقاق ثابت کرتا ہے، چونکہ وہ کائنات کا معبود واحد ہے اس لیئے اس کا ہر چیز پر عظیم حق ہے اور وہ ہے اس کی اطاعت وعبادت، چاہے کوئی پسند کرے یا نہ کرے، اس کی بندگی کا ہماری گردن پر حق عظیم ہے۔

اسی طرح حجت زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کا جو کائنات کے ایک ادنیٰ ذرے سے لے کر پوری یونیورس (Universe) تک ہر چیز پر حق وساطت ہے یعنی اس پوری کائنات کی ہر چیز اگر پیدا ہوئی ہے اور اسے اللہ جل جلالہ سے فیض حاصل ہورہا ہے تو وہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے توسط سے حاصل ہورہا ہے، کیونکہ وہ پاک ذواتِ متعالیات اپنے اپنے زمانہ میں فیض اِلٰہی کے حصول کا واحد ذریعہ ہیں ان کے بارے میں خطبہءِ جمعہ میں ہم اقرار بھی کرتے ہیں کہ

☆ بیمنہ رزق الوریٰ ...... کہ انہی کی برکت ووسیلہ سے ہر چیز اپنے ارزاق و اغذیہ حاصل کررہی ہے۔

آپ دیکھیں کہ انسان کی پیدائش اور پرورش کا ظاہری ذریعہ والدین ہیں، اس لیئے

انسان پر اِن ظاہری والدین سے بڑا کسی کا حق قرار نہیں دیا گیا، اور خالق نے ان کے ربوبیت کا ہم سے اقرار کروایا ہے اور فرمایا ہے کہ

☆وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْراً...... (سورہ بنی اسرائیل 24)

تم والدین کے حق میں اس طرح دعا کرواے میرے رب! تو میرے ان دور بوں پر ایسا رحم فرما جیسا کہ انہوں نے میرے بچپن پر رحم کیا تھا

یہاں سے ہمیں ایک قاعدہ یا قانون ملتا ہے کہ جسے بھی خالق وسیلہ قرار دیتا ہے اس کا ایک حق بھی قرار دیتا ہے اب آپ خود سوچیں کہ جس ذات کی وجہ سے کائنات باقی ہے، جن کا وجود کائنات کیلیئے باعث بقا اور امان ہے، جن کے قدموں کی آہٹ کی لَے پر کائنات کی نبضیں چل رہی ہیں، دل دھڑک رہے ہیں، جن کی نعلین کی برکت سے کائنات کی سانسیں چل رہی ہیں، خون گردش کر رہا ہے، زندگی زندہ ہے تو کیا ان کا کوئی حق نہیں ہوگا؟

ہاں ان کا حق عظیم ایسا حق ہے کہ اگر اسے ظاہر کر دیا جائے تو پوری کائنات ان کے اشاروں پر چلتی نظر آئے، انسان کی ذات انسان کا اپنا اختیار ختم ہو جائے، اور انہی کا حکم جاری و ساری ہو جائے، کیونکہ انسان کے اعضاء و جوارح پر بھی انسان سے زیادہ انہی کا حق ہے اسی لیئے آپ نے فرمایا کہ اگر ہم اپنے حق عظیم کو ظاہر فرما دیں تو تمہارے سارے شکوک زائل ہو جائیں، ہر مومن و کافر ہماری ذات کے بارے میں منزل یقین پر پہنچ جائے، جیسا کہ روز آخرت سب کو یقین کی منزل تک پہنچ جانا ہے، اسی طرح آنِ واحد میں ساری کائنات کے شکوک کا کلی خاتمہ ہو جائے اور

ہماری عظمت وتصرف واطاعت دیکھ کر کائنات کی عقلیں چکرا کر مدہوش ہو جائیں۔

دوستو!......شہنشاہِ معظم یہاں اپنی عظمت کے بارے میں ایک شمہ دے کر فرماتے ہیں کہ اس کیلئے ایک وقت مقرر ہے، اس سے پہلے یہ ممکن نہیں اور وہ وقت ہمارے خروج و قیام حکومت کا ہے، جب بھی ہمارا ظہور وخروج ہوگا تو اس وقت ہماری عظمتیں بھی مصلحتوں کے نقاب اُٹھائے تمام خلق خدا کے سامنے کھڑی ہو جائیں گی، ہمارے معجزات وتصرفات واجلالِ خداوندانہ ساری کائنات کے سامنے بے حجابانہ مسکرانے لگیں گے۔اب تمہیں اس وقت کا یعنی خروج کے زمانہ کا انتظار کرنا ہوگا۔ ہاں جب مشیت اِلٰہی ہوگی پھر ہمارے آنے میں دیر نہیں لگے گی، اس کے بعد ہمارا حق عظیم ظاہر ہو جائے گا اور کائنات کی ہر چیز طوعاً وکرہاً ہمارے قبلہ اطاعت کے سامنے سر بہ سجود ہو جائے گی۔

عبارت توقیع

☆فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَسَلِّمُوا لَنٰا ،وَرُدُّوا الْاَمْرَ اِلَینٰا ......

تقوی اختیار کرو اور اللہ سے ڈرو، اور ہمیں تسلیم کرو، اور اپنے امور کو ہماری طرف لوٹا دو، یعنی ہماری مصلحتوں کو ہم پر چھوڑ دو

شرحی نکات

شہنشاہ معظم فرماتے ہیں کہ ہمارے معاملہ میں اللہ عزوجل سے ڈرو اور ہمارے وجود وعظمت وفضائل کو تسلیم کرو، یعنی ایک تو اس بات کو تسلیم کرو کہ ہماری

ذات موجود ہے یعنی ہماری ذات کے وجود سے انکار کرنے میں اللہ عزوجل کے سامنے جرأت نہ کرو کیونکہ یہ انکار گویا اللہ عزوجل کے بارے میں گستاخی کے مترادف ہے۔

اسی طرح ہمارے فضائل وشان وعظمت کے معاملہ میں بھی انکار کرنے کی جرأت نہ کرو چاہے ہماری عظمت وشان تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اس کا انکار نہ کرو جیسا کہ بعض فرامین میں ہے کہ خاندان پاک علیہ الصلواۃ والسلام کے جو فضائل تمہاری سمجھ میں نہ آئیں انہیں معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی طرف لوٹا دو اورعرض کرو کہ آپ کی ذات نے تو حق فرمایا ہے مگر ہم سمجھ نہیں پا رہے، اس لیئے ہم اپنے نقص عقل کا اعتراف کرتے ہیں ......کیوں؟ اور کیسے؟ کہنا گستاخی ہے، تکذیب حدیث بہت بڑا جرم ہے، فرمان کو نعوذ باللہ جھٹلانا اللہ عزوجل کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اس لیئے انکار اور چون وچرا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی عقل کا نقص تسلیم کرکے انسان فرمان کے انکار کی لعنت سے بچ جاتا ہے۔

انہی فرامین کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ فضائل پر مبنی روایات و احادیث کا انکار کرکے گستاخوں میں شامل نہیں ہونا چاہیے بلکہ جو فضیلت تمہاری عقل سے بلند ہو اُسے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کی طرف لوٹا دو۔

اسی طرح یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنے امور کو ہماری طرف لوٹا دو، یعنی جو باتیں تم سمجھ نہ پاؤ انہیں ہمارے سپرد کردو، اور ہم سے اس کے بارے میں ہدایت حاصل کرو، اپنی عقل استعمال کرنے کی بجائے عقل کل سے رابطہ پیدا کرو۔

صاحبانِ عرفان روحانی رابطے پر ہمیشہ سے زور دیتے آئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ قرآن صامت اور قرآن ناطق دونوں سے رابطہ ضروری ہے، اگر صرف کتاب اللہ سے رابطہ ہو اور عترتِ طاہرہ علیہم الصلواۃ والسلام کو ترک کر دیا جائے تو اس میں گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا اور یہ☆ انی تارك فيكم الثقلين ...... کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور اس کا انجام گمراہی ہے۔

کتاب چاہے اللہ عزوجل کی ہو یا کسی بھی عالم کی، وہ کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ عترتِ طاہرہ علیہم الصلواۃ والسلام ہی سے رابطہ ضروری ہے

دوستو!...... ہماری عقل غیبت کی مصلحت نہیں سمجھ سکتی، طول غیبت کے رازوں کو نہیں سمجھ سکتی، یعنی ان کے افعال کو نہیں سمجھ سکتی تو ان کی ذات کو کیسے سمجھ سکتی ہے؟ ان کے افعال واعمال کی مصلحت ہمیں سمجھ نہیں آ سکتی جب تک وہ خود نہ سمجھائیں تو ان کے فرامین کی حقیقت کیسے سمجھ آ سکتی ہے؟

ان کے افعال، ان کے اعمال، ان کے خصائص، ان کی صفات، ان کے اختیارات میں سے ہم کسی بھی چیز کو کما حقہٗ نہیں سمجھ سکتے، اس لیئے ہمیں ان کے ظاہر و باطن دونوں پر اجمالی ایمان لانا ہوگا، اس کی تفصیلات میں جھانکنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے، ہمارا فریضہ یہی ہے کہ جب پاک ذوات متعالیات علیہم الصلواۃ والسلام جو فرمائیں ہمیں صدق اللہ و رسولہٗ کہنا چاہیے کیونکہ ان کے حقائق ہماری عقل کی پہنچ یا ریچ (Reach) سے بعید ہیں، اس لیئے جو بات ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہو اسے ان پاک ذوات متعالیات علیہم الصلواۃ والسلام کی طرف لوٹا دینا ہی عقلمندی

ہے۔
اس کی ایک مثال جناب موسیٰ علیہ السلام اور جناب خضر علیہ السلام کی رفاقت کی ہے
اس میں جناب موسیٰ علیہ السلام جناب خضر علیہ السلام کے افعال کی مصلحتوں کو نہ سمجھتے
ہوئے استعجال کرتے رہے یعنی بے صبری کا مظاہرہ فرماتے رہے، اس بات کا
قرآن پاک گواہ ہے اسی سے ہم سبق لے سکتے ہیں کہ جب ایک ولایت تشریعی کا
مالک نبی ولایت کونیہ کے مالک ولی کی مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتا تو ہم ولایت مطلقہ
اِلٰہیہ کے افعال اور اقوال کی مصلحتوں کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟
دوستو!...... انہی باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں فرمایا گیا ہے کہ ہمارے کسی بھی
معاملہ میں استعجال [بے صبری، جلد بازی] نہ کرو کیونکہ کسی فرمان سے فوری انکار و
تکذیب ایسی جلد بازی ہے جس کا انجام ہلاکت ہے، اس لیئے اگر کوئی فضیلت یا
کوئی فرمان یا کوئی فعل و عمل سمجھ میں نہ آئے تو اسے خود انہی ذوات علیہم الصلواۃ
والسلام کی طرف لوٹا دیں، اور اپنی عقل کا نقص تسلیم کر کے معذرت کر لیں، اس سے
زیادہ محفوظ راستہ کوئی ہے ہی نہیں۔
اس دور کے لوگ غیبت کی مصلحتوں کو سمجھنے کیلیئے بے قرار تھے، دوسری طرف اس
غیبت کی مصلحتوں کو سمجھے بغیر غیب وجودِ حجت سے انکار کی فضا پیدا ہو رہی تھی کہ اگر
کہیں موجود ہوتے تو ہم سے رابطہ ضرور کرتے۔ اسی استعجال سے بعض لوگوں نے
نئے نئے عقائد ایجاد کر لئے اور ابدی ہلاکت کی جہنم میں جا گرے۔
آج بھی ہمارے لیئے یہی ایک راستہ کھلا ہوا ہے کہ ہم کسی بھی معصوم علیہ السلام کے

کسی فرمان سے انکار نہ کریں، اسے کھلے دل سے تسلیم کریں، اور اگر کوئی پاک فرمان ہماری سمجھ یا شعور سے بالاتر ہو تو اُس کی تکذیب کی بجائے اپنی عقل کا قصور تسلیم کرتے ہوئے اُنہی کی طرف لوٹا دیں۔

اسی کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا لازم ہے کہ یہ با اختیار ہیں، اگر ان سے بظاہر کسی عجز کا صدور ہو رہا ہے تو یہ کسی مصلحت کے پیش نظر ظاہری طور پر ہو رہا ہے اسی بات کو اگلے جملے میں کھولا گیا ہے۔

عبارت توقیع

☆ فَعَلَینا الْاِصْدَارُ کَما کَانَ مِنّا الْاِیْرَادُ

شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہ الشریف فرماتے ہیں جملہ امور کا ارادہ ہم ہی سے ہوتا ہے اسی طرح جملہ امور کا صدور بھی ہم سے ہوتا ہے۔

شرحی نکات

دوستو!......شہنشاہِ معظم فرماتے ہیں، تمہارا فریضہ یہ ہے کہ ہماری جو چیز تمہیں سمجھ نہ آئے اسے ہماری طرف لوٹا دو، کیونکہ تم ہماری مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتے اور ہماری مصلحتیں کائناتی ہوتی ہیں اور کائناتی امور کا ارادہ بھی ہم ہی فرماتے ہیں اور کائناتی امور کا صدور بھی ہم ہی سے ہوتا ہے

دوستو!...... اس عالم وجود میں جتنے بھی کام ہوتے ہیں وہ کئی داخلی مراحل سے گزرتے ہیں اس کے بعد ان کا صدور ہوتا ہے، لیکن شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ

الشریف نے دو بنیادی مراحل کا ذکر فرمایا ہے، ان میں سے ایک داخلی ہے یعنی ارادہ اور دوسرا خارجی ہے یعنی صدور جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی کوئی چیز وجود میں آتی ہے تو اس کا ارادہ انسان کے اندر جنم لیتا ہے اور عمل کا ظہور و صدور انسان کی ذات سے باہر ہوتا ہے، اسی طرح کائنات میں اللہ جل جلالہ کے جملہ امور کا ارادہ بھی حجت العصر عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ یہ اللہ جل جلالہ کیلیئے بمنزلت قلب و نفس ہوتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ احساسات و کیفیات و ارادوں کا محل نفس اور قلب ہوتا ہے۔

دوستو!......علم اِلٰہیات کا مسلمہ ہے کہ ذات واجب الوجود بہ حیثیت ذات جملہ کیفیات و احساسات سے منزہ و پاک ہے، کیونکہ کیفیات و احساسات میں تغیرات ہوتے ہیں اور تغیرات حادث میں جنم لیتے ہیں قدیم میں نہیں ہوتے، اس لیئے صاحبان علم کلام کا مسلمہ ہے۔

☆ کل متغير حادث......یعنی ہر وہ چیز جو تغیر رکھتی ہو وہ حادث ہوتی ہے

اور اس حقیقت سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا کہ احساسات و کیفیات تغیراتِ نفس اور امواجِ نفس کے مدو جزر کا نام ہے، اور ذات واجب الوجود جو قدیم ہے اس میں تغیرات کا کوئی امکان نہیں ہے، اس لیئے اس کی ذات میں کیفیات و احساسات کی موجودگی کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اس کی ذات جملہ کیفیات و احساسات سے منزہ و پاک ہے تو پھر یہ جو کیفیات و احساسات کو اس کی ذات میں اثبات کرنے

والی آیات واحادیث واسماء ہیں تو ان کی مرادات کیا ہیں؟

اس سوال کا جواب اِلٰہیاتی نقطہءِ نگاہ سے دیا جائے تو بہت طویل بحث کی صورت میں سامنے آئے گا، اس کا خلاصہ اتنا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے اپنی ذات کے بعض مظہر بنائے ہیں جن کے اعمال وافعال واقوال وکیفیات واحساسات کو وہ اعزازاً اپنی ذات کی طرف منسوب فرماتا ہے، چونکہ ان ذوات متعالیات علیہم الصلواۃ والسلام کو اس نے اپنی ذات اجل وارفع کیلیئے بہ منزلت جسم واعضاء وجوارح قرار دیا ہے عین اللہ، وجہہ اللہ، ید اللہ، نفس اللہ، قلب اللہ بھی قرار دیا ہے، اس لیئے ان کے کاموں کو وہ اپنے کام کہہ کر متعارف کرواتا ہے اور ان کی کیفیاتِ نفسی کو اپنی کیفیات قرار دیتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی سورۂ انفال کی آیہ 17 میں ارشاد ہے

☆فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

اے میرے پاک محبوب! پس آپ نے ان کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کیا تھا، اور آپ نے مٹی نہیں پھینکی تھی جبکہ آپ ہی نے پھینکی تھی بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔

دوستو!......شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ہم اللہ جل جلالہ کے مظہر تام ہیں اور اس لیئے بہ منزلت قلب ونفس ہیں اس لیئے جملہ امور کا ارادہ بھی ہم سے ہوتا ہے اور ان کا صدور بھی ہم سے ہی ہوتا ہے۔

عبارت توقیع

☆وَلَا تُحَاوِنُوا كَشْفَ مَا غُطِّیَ عَنْكُم

جو کچھ تم سے پوشیدہ ہے اسے آشکار کرنے کی کوشش نہ کرو

شرحِ نکات

شہنشاہ معظم فرماتے ہیں کہ جو اسرار تم سے پوشیدہ ہیں انہیں کھوجنے کی کوشش نہ کرو یعنی شہنشاہ زمانہ کہاں ہیں؟ کیا کرتے ہیں؟ کیوں کرتے ہیں؟ ان کی عظمت کیا ہے؟ شان کیا ہے؟ ان کے فضائل کی حدو انتہا کیا ہے؟ ان کی ذات کیا ہے؟ ان کے افعال کیا ہیں؟ ان کے افعال کی مصلحتیں کیا ہیں؟ ان کا خالق سے کیا رشتہ و تعلق ہے؟ یہ سب اسرار ہیں، انہیں کھوجنے کی بجائے ان کی اطاعت کی طرف توجہ قائم رکھو، جب اطاعت کاملہ کا قیام ہو جائے گا تو جس قدر ظرف ہوگا اس کے مطابق یہ اسرار خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں جو عطائی ہوتے ہیں، کسی کے کمائے ہوئے نہیں ہوتے، اس لیئے عقل کو زحمت بے جا نہ دو بلکہ قیامِ اطاعت کرو۔

دوستو!...... ہم عقائد کے معاملہ میں اجمال کے مکلّف ہیں تفصیل کے نہیں ہیں، اس لیئے ہمیں توحید و نبوت و امامت و حجت کے مراتب و روابط باللہ و فضائل کی تفصیل معلوم کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ بعض چیزوں کو سوچنا اور ان کی تفصیلات معلوم کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، جیسا کہ قضا و قدر و غیرھم کی تفصیلات ہیں، اس لیئے فرمایا گیا ہے کہ ان تفصیلات میں اپنی عقل کو مت تھکاؤ بلکہ قیام اطاعت پر اپنی سوچیں مرکوز

رکھو، اور جن چیزوں کو تم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے [جن میں سے ایک غیبت ہے] ان چیزوں کے بارے میں زیادہ تفحص و تجسس مت کرو، ان کی مصلحتوں پر عقل فرسائی مت کرو، کیونکہ یہ صحرائے عرفان فہم نوردی کیلئے قطعاً ممنوع ہے۔

عبارت توقیع

☆ وَلَا تَمِيْلُوا عَنِ الْيَمِيْنِ وَتَعْدِلُوا اِلَى الْيَسٰارِ ،وَاجْعَلُوا قَصْدَ كُمْ اِلَيْنٰا بِالْمَوَدَّةِ عَلَى السُّنَّةِ الْوٰاضِحَةِ

تمھیں نہ دائیں طرف مائل ہونا چاہیے اور نہ بائیں طرف عدول وانحراف کرو، تم مؤدت و عشق کے ساتھ سنت واضح کو اپناتے ہوئے ہماری طرف قصد کرو۔

شرحی نکات

دوستو!......اس جملے میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے رابطے کے اصول تعلیم فرمائے ہیں جیسا کہ فرمایا تم دائیں بائیں مت دیکھو کہ کون کیا کر رہا ہے؟ کون کیا کہہ رہا ہے؟ کون کیا سوچ رہا ہے؟ یا سارے لوگ کس کی طرف جا رہے ہیں؟ یا سارے لوگ کس کی تقلید و اطاعت کر رہے؟ بلکہ تم سنت واضحہ یعنی مسلمہ حرام و حلال کا خیال کرو، مسلمہ نیکی اور برائی کے اصولوں کی بنیاد پر اپنے کردار کو استوار کرو، یعنی ترک محرمات کرو، ادائے واجبات کرو، یعنی جو سب کو معلوم ہیں یہ چیزیں حلال ہیں یہ چیزیں حرام ہیں، ان حدود کا قیام کرو، اس کے

ساتھ اپنی مؤدت کی قوت بڑھاتے ہوئے ہماری طرف سفر شروع کر دو تو ہم تک پہنچ جاؤ گے یعنی تدین و دیانت و مؤدت کے بغیر تم ہمیں نہیں پا سکتے۔

دوستو!...... یہ بات میں اکثر دہراتا رہتا ہوں کہ شہنشاہ معظم امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ ابلیس جس شخص کے عمل [بد] سے مایوس ہو جاتا ہے اسے بے معرفت عبادات میں لگا دیتا ہے۔

یعنی جس شخص کے بارے میں ابلیس کو یقین ہو جاتا ہے کہ میں لاکھ کوشش کروں یہ میرے کہنے پر چوری نہیں کرسکتا، قتل نہیں کرسکتا، میرے کہنے پر زنا و ڈکیتی نہیں کرسکتا تو وہ اسے زمانے کے امام علیہ السلام سے دور لے جا کر اسے بے معرفت نمازوں روزوں میں لگا دیتا ہے، جیسا کہ نہروانی خوارج تھے کہ جن کی عبادت کی مثال بہت کم ملتی ہے، وہ بے معرفت نمازوں، روزوں، شب بیداریوں میں لگے ہوئے تھے

اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے، وہ یہ ہے کہ ابلیس ملعون جب کسی کے عقیدے سے مایوس ہو جاتا ہے یعنی وہ یقین کر لیتا ہے کہ میں لاکھ کوشش کروں اس کی معرفت میں کمی نہیں کرسکتا، اس کی خوش عقیدگی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تو وہ اس شخص کو بے عملی یا بدعملی پر لگا دیتا ہے۔

اس کا مشاہدہ ہم بھی کر سکتے ہیں کہ جن مسالک میں نبوت و امامت و ولایت کا تصور ناقص ہے وہ فروعات و عبادات کے گرویدہ نظر آتے ہیں، دوسری طرف یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جن افراد کے عقائد بہت اچھے ہیں بڑے خوش عقیدہ ہیں ان میں سے اکثر میں نماز روزے کا اگر فقدان نہیں ہوتا تو کمی ضرور پائی جاتی ہے۔

اب ہم توقیع مبارک کا فقرہ دیکھتے ہیں تو اس میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف ہمیں ایک اعلیٰ شخصیت بننے کی تاکید فرماتے ہیں، یعنی ایک طرف ہمیں مضبوط و اعلیٰ ترین عقیدہ رکھنے کا حکم فرما رہے ہیں، اور یہ اعلیٰ ترین عقیدہ مؤدت کاملہ کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتا۔ دوسری طرف ہمیں سنت واضحہ یعنی احکام شریعت پر سختی سے پابند ہونے کی تاکید فرماتے ہیں، اور ان دونوں پتواروں سے کشتیءِ حیات کھینے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

دوستو!......عمل و عقیدہ کو ہم ایک سیڑھی کے دو بانسوں سے تشبیہ دے سکتے ہیں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر سیڑھی کے ایک طرف والا بانس موجود نہ ہو یا کمزور ہو تو انسان کسی بلندی پر نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح عمل و عقیدہ دونوں متوازن رکھ کر جب شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی طرف قصد کریں گے تو ہم انہیں ضرور پالیں گے اور ہمارے سامنے سے حجابات ہٹ جائیں گے اور ہمیں شرف زیارت حاصل ہو جائے گا اور ان کا قربِ سعادت پرور عطا ہو جائے گا۔

عبارت توقیع

☆فَقَدْ نَصَحْتُ لَكُمْ وَاللّٰهُ شَاهِد" عَلَىَّ وَ عَلَيْكُمْ وَلَوْلَا مَاْعِنْدَنَاْ مِنْ مُحَبَّةِ صَلَاْحِكُمْ وَ رَحْمَتِكُمْ وَالْاِشْفَاْقُ عَلَيْكُمْ

شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرماتے ہیں ......ہم تمہیں نصیحت فرماتے ہیں دلی خیر خواہی فرماتے ہیں، تمہارے اور ہمارے لیئے اللہ

گواہ ہے، اگر ہمارے دل میں آپ لوگوں کی خیر واصلاح کی محبت نہ ہوتی اور ہمارے دل میں تمہارے لیئے رحمت وترحم کا جذبہ موجود نہ ہوتا یا شفقت پدری و مادری جیسی شفقت آپ کیلئے ہمارے دل میں موجزن نہ ہوتی تو ہم تمہیں کبھی نصیحت نہ فرماتے۔

شرحِ نکات

دوستو!......اس جملے میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف قسم کھا رہے ہیں کہ اللہ گواہ ہے ہمارے دل میں آپ کی خیر خواہی کا جذبہ موجود ہے اور ہم آپ پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں۔ اللہ عزوجل گواہ ہے ہماری رحمت تمہارے لیئے مخصوص ہے، ہمارے دل میں تمہارے لیئے شفقتِ ازلی کا سمندر موجزن ہے۔

جناب طارق بن شہابؒ سے شہنشاہ معظم امیر کائنات علیہ الصلواۃ والسلام نے امام کی شان اور صفات بیان فرماتے ہوئے فرمایا تھا☆ هو اب الشفيق......

فرمایا امام کیا ہوتا ہے؟ وہ انتہائی مہربان باپ ہوتا ہے، بہت زیادہ شفقت فرمانے والا والد ہوتا ہے، والد اپنی اولاد کیلیئے کیا کچھ نہیں کرتا، اس کی مثالیں ہمارے معاشرے میں گردوپیش میں دیکھی جاسکتی ہیں مثلاً

ہزاروں لوگ دوسرے ممالک میں کام کرنے چلے جاتے ہیں عرب کی انتہائی شدید گرمی میں آٹھ آٹھ گھنٹے بارہ گھنٹے مسلسل کام کرتے ہیں اور وہاں کھانے کے پیسے بچانے کیلیئے وہاں پیاز سے روٹی کھا کر پانچ پانچ سال دس دس سال لگاتے ہیں

تا کہ اولاد کیلئے دولت جمع کرسکیں ان کی اولاد یہاں عیاشیوں پہ دولت اڑا رہی ہوتی ہے اور وہ وہاں اپنا پیٹ کاٹ کر پیسے بھیج رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے ایک بزرگ مہربان تھے وہ تھانیدار تھے جن کا نام تھا سردار حسین بخش خان مگسی جوانتہائی نیک انسان تھے، وہ سناتے تھے کہ وہ مشرقی پنجاب میں تعینات تھے اس دور میں ایک سکھ نے اپنے چچازاد بھائی کو ساری اولاد کے ساتھ قتل کردیا تھا اور خود تھانے میں آ کر اقبالِ جرم بھی کرلیا تھا۔

اس پر کیس چلا اور اُس وقت کی عدالت عظمیٰ نے تعزیرات ہند دفعہ 302 میں اسے پھانسی کی سزا سنادی تو وہ عدالت سے نعرے لگاتا ہوا باہر نکلا۔ اس وقت لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم پھانسی چڑھنے جارہے ہو پھر بھی خوشی سے نعرے لگارہے ہو؟

اس نے بتایا کہ اس کے بھائی کو انگریز حکومت نے کسی کارنامے کی وجہ سے ایک بہت بڑی جاگیردی تھی، میں اُس کی نسل ختم کرکے اپنی اولاد کو ہزاروں ایکڑ زمین دے کر مر رہا ہوں مجھے اس سے بڑی اور کیا خوشی ہوسکتی ہے؟ وہ سکھ نعرے لگاتا ہوا پھانسی پہ لٹک گیا۔

اب آپ سوچیں کہ جو والدین سے زیادہ مہربان ذات ہے وہ ہمارے لیئے کیا کچھ نہیں کررہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ ہم اُن کے ساتھ کیا کررہے ہیں؟

دوستو!...... یہ بات یاد رہے کہ والدین کی اولاد سے بہت سی توقعات وابستہ ہوتی ہیں، اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف اپنے اجداد طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام کے عزاداروں ماتمداروں سے بہت سی توقعات رکھتے ہیں مگر جب ہم ان کی

توقعات پر پورے نہیں اُترتے تو انہیں نصیب دشمناں اذیت ہوتی ہے، اس لیئے ہمیں یہ کوشش کرنا چاہیے کہ ہمارے شفیق ومہربان آقا عجل اللہ فرجہٗ الشریف کو ہمارے اعمال ونافرمانیوں سے اذیت نہ پہنچے۔

عبارتِ توقیع

☆ لٰكُنَّا عَنْ مُخَاطِبَتِكُمْ فِيْ شُغُلٍ مِمَّا قَدْ اِمْتَحَنَا

فرمایا ہمیں تو آپ سے مخاطب ہونے کیلیئے وقت ہی نہیں ہے کیونکہ ہم اپنے رنج ومحن میں مشغول ومصروف ہیں

شرحی نکات

دوستو! ......جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ ان ذوات متعالیات علیہم الصلواۃ والسلام کو اپنی ذات کا غم وحزن طاری نہیں ہوتا، انہیں غم ہوتا ہے تو مومنین کا ہوتا ہے۔

جیسا کہ حدیث رمیلہؒ میں فرمایا گیا تھا کہ کسی مومن کو کوئی غم لاحق نہیں ہوتا مگر وہ نصیب دشمناں ہمیں لاحق ہوتا ہے اسی طرح یہ پاک خاندان سوگوار ہے تو مظلومین کربلا علیہم الصلواۃ والسلام کے غم میں سوگوار ہے کیونکہ ان کے پاک گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے، مظلومین کا انتقام تشنہ پڑا ہوا ہے، گویا بے گورکفن لاشہ ہائے اطہر ابھی شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور واقعہ کربلا کے بعد یہی کیفیت ہر زمانہ کے امام عالی مقام علیہ الصلواۃ والسلام کی رہی ہے جیسا

کہ ہم شہنشاہ معظم امام زین العابدین علیہ الصلواۃ والسلام کے اشعار میں دیکھتے ہیں آپ نے فرمایا تھا۔

☆ نَحْنُ بَنُو الْمُصْطَفىٰ ذَوْمِحَنٍ يُجَرَّعُهَا فِى الْحَيوٰةِ كَاظِمُنَا

ہم آل محمد علیہ الصلواۃ والسلام صاحبانِ رنج ومحن وغم ہیں، ہم نے زندگی میں دکھ درد گھونٹ گھونٹ پیے ہیں اور ضبط وصبر کا مظاہرہ فرمایا ہے

☆ قَدِيْمَةٌ [عظيمة] فِى الزَّمَانِ مِحْنَتُنَا، اَوَّلُنَا مُبْتلًى وَ آخِرُنَا

ہمارے مصائب اور آزمائشیں بہت پرانی ہیں کیونکہ ہمارے اول فرد سے لے کر آخری فرد تک سارے مصائب اور آزمائشوں میں مبتلا رہے ہیں

☆يَفْرَحُ هٰذَا الْوَرىٰ بِعِيْدِهِم وَ نَحْنُ اَعْيَادُ نَا مَاْتَمُنَا

اپنی عیدوں پہ ساری دنیا والے مسرور ہوتے ہیں اور ہماری عیدیں ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں۔

☆وَالنَّاسُ فِى الْاَمْنِ وَ السَّرُوْرِ وَلَاْيَاْمَنُ طُوْلَ الْحَيٰوة[الزمان] خَائِفُنَاْ

لوگ امن وآشتی کے ساتھ ہمیشہ مسرور ہیں اور ہم جائے امن سے دور ہیں طویل عرصے سے ہمیشہ خائف ہی رہ رہے ہیں۔

☆وَمَاْ خَعليه الصلواة والسلامنا به من الشرف، الطائل بين الانام آفنتنا

اور وہ ہم ہیں کہ جنہیں شرف عظیم سے مخصوص فرمایا گیا ہے اور مخلوق میں

ہمارے آفات مصائب ہی طویل ہیں۔

☆یحکم فینا و الحکم فیه لنا......جاحدنا حقنا و غاصبنا

جن لوگوں نے ہمارے بارے میں جحو دوانکار کیا ہے اور ہمارے حقوق

کوغصب کیا ہے ان کے اور ہمارے مابین ایک فیصلہ ضرور ہونا ہے

اس اوّلین دور میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی یہی کیفیت تھی جس کا ذکر شہنشاہ معظم امام زین العابدین علیہ الصلوٰاۃ والسلام نے فرمایا ہے کیونکہ ایک طرف بابا پاک علیہ الصلوٰاۃ والسلام کی شہادت کا صدمہ تھا، دوسری طرف مستورات توحید ورسالت صلواۃ اللہ علیہن کا احساس تھا، اور دشمن تھا تو وہ درپئے آزار تھا، حکومت وقت انہیں مسلسل تلاش کررہی تھی، جہاں سے کوئی اطلاع آتی تھی وہاں چھاپے پڑ رہے تھے، انہی وجوہات کی بنا پر آپ نے سامرہ ترک کیا اور رحلہ مقدس میں تشریف لائے۔

ایک مومن متقی جناب زوار کریم بخش نوراللہ مرقدہ کا واقعہ ہے کہ وہ نماز شب میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کو دعا بھی کررہے تھے اور اس دور کی پریشانیوں کا ذکر بھی کررہے تھے کہ ظاہراً پانچ سال کا سن مبارک تھا، یتیمی کا بوجھ سر پہ تھا، اور مستورات توحید ورسالت صلواۃ اللہ علیہن کو لے کر کبھی کسی گھر میں پناہ گزین ہو رہے تھے کبھی کسی گھر میں۔ اسی طرح وہ رو رو کر دعا فرمارہے تھے کہ اب تو ان کی ابدی مسرتوں کا قیام ہوجائے۔

اس وقت شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ظاہر ہوئے اور ان پر شفقت فرمائی اور

اس کے بعد فرمایا

گو میں رہا رہین ستم ہائے روز گار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

یعنی ان مصروفیات میں بھی وہ ایک شفیق والد کی طرح اپنے چاہنے والوں پر رحمتیں برسا رہے ہیں۔

دوستو!......انہی حالات کی طرف شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف اشارہ فرماتے ہیں کہ ہم اس درجہ مصروف ہیں کہ ہمیں تو تمہیں مخاطب کرنے کا وقت ہی نہیں ہے لیکن ہمیں تمہارے ساتھ محبت ہے اسی لیئے ان ساری مصروفیات کے باوجود تم سے مخاطب ہیں ورنہ ایسے حالات میں تو کسی کو اپنا بھی ہوش نہیں رہتا مگر یہ کرم وشفقت کی انتہا ہے کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف ان حالات میں اپنے چاہنے والوں اور اپنے اجداد طاہرین علیہم الصلواۃ والسلام سے محبت کرنے والوں سے ایک لمحے کو غافل نہیں رہتے اور ان پر رحمت وکرم کے سائبان بنے رہتے ہیں، اور ان حالات میں بھی وہ عالمین پر نعمات اِلٰہیہ کا ابر گوہر بار بن کر شب روز نعمات نچھاور فرما رہے ہیں، اور انہیں اپنی ذات سے زیادہ انسانیت کی فکر ہے، اپنے چاہنے والوں کی فکر ہے، لیکن ہم چین وسکون سے رہنے کے باوجود ان کے مصائب کو نہیں دیکھتے اور ان سے غافل رہتے ہیں، اور اُن کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے ہمیں اپنے من کی عدالت میں بیٹھ کر انصاف کرنا چاہیے کہ کیا ایسے محسن اعظم عجل اللہ فرجہٗ الشریف سے غافل ہونا جائز ہے؟

عبارت توقیع

☆ لٰکُنَّا عَنْ مُخَاطِبَتِکُمْ فِیْ شُغْلٍ مِمَّا قَدْ اِمْتَحَنَا مِنْ مُنَازَعَةِ الظَّالِمِ الْعُتُّلِ الضَّالِ الْمُتَابِعْ فِیْ غَیِّهِ الْمُضَادِ لِرَبِّهٖ اَلْمُدَّعِیْ مَالَیْسَ لَهُ الْجَاحِدِ حَقّ مَنِ افْتَرَضَ اللّٰهُ طَاعَتَهٗ اَلظَّالِمُ الْغَاصِبْ

شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرماتے ہیں کہ اگر ہمیں آپ لوگوں سے خصوصی محبت نہ ہوتی تو ہم آپ کو مخاطب ہی نہیں فرماتے کیونکہ ہم تو اس وقت بہت زیادہ مصروف ہیں، اور رنج و محن میں مبتلا ہیں، اور حاکم وقت جو ظالم ہے، سرکش ہے، بدمزاج ہے، بری عادتوں میں مبتلا ہے ،گمراہ ہے، گمراہی کی پیروی کرنے والا ہےاور اپنی ناجائز رائے پر بضد ہے، اور اللہ جل جلالہ نے جنہیں واجب الاطاعت قرار دیا ہےان کے حق عظیم سے جو دوانکار کرنے والا ہے، ظالم و غاصب ہے

شرحی نکات

دوستو! ......اس جملے میں غیبت صغریٰ کے دور کی پریشانیوں کا ذکر فرمایا ہے اور ایک مخصوص دشمن ملعون کا ذکر بھی کیا ہے بعض لوگوں کو دشمن کے بارے میں اشتباہ ہوا ہے اور انہوں نے اس سے مراد نعوذ باللہ جناب جعفر تواب سلام اللہ علیہ کو لیا ہے، جو درست نہیں ہے، کیونکہ جناب جعفر تواب سلام اللہ علیہ کی ساری کاروائیاں 266

ہجری تک ختم ہوگئی تھی ، اس کے بعد ان کی عسرت کا دور آیا، وہ کثیر العیال شخصیت تھے، مومنین کی طرف سے ان کی امداد بند ہو چکی تھی ، اور حکومت وقت بھی ان سے جو مفادات لینا چاہتی تھی وہ اس سے نا اُمید ہو کر ان کے وظائف بند کر چکی تھی ، اور اس دور میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی جدہ طاہرہ صلواۃ اللہ علیہا ان کے بچوں کی کفالت فرما رہی تھیں، اور ان کے سب سے بڑے فرزند تو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی خدمت میں پہنچ چکے تھے، اور جناب جعفر تو اب سلام اللہ علیہ 271 تک اسی حال میں رہے، اور انتہائی کسمپرسی کے عالم میں دار فانی سے رحلت فرمائی تھی۔

یہ توقیع مبارک جب صادر ہوئی تھی تو ان کی رحلت بھی ہو چکی تھی

اس دور میں اگر کوئی ان صفات رذیلہ کا حامل تھا تو وہ حاکم وقت ہی تھا یا پھر شلمغانی ملعون تھا اور جو حالات ہمیں شلمغانی کے ملے ہیں تو یہ ساری صفات اسی ملعون میں بھی پائی جاتی تھیں، اور حاکم وقت میں بھی پائی جاتی تھیں مثلاً

دونوں ظالم تھے، امامت کے بارے میں دونوں تنازعہ کر رہے تھے، دونوں لواطت کے عادی، ابنہ کے مریض اور عتل تھے، دونوں گمراہ تھے اور سرکشی کی اتباع میں مصروف تھے ، دونوں غاصب تھے، ایک شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کی ظاہری جائیداد و منصب کا غاصب تھا، تو دوسرا مال امام کا غاصب تھا ، دونوں امام واجب الاطاعت کے مقابلے میں جمے ہوئے تھے......شلمغانی شیعوں کے عقائد پر ڈاکہ ڈال رہا تھا، تو دوسرا شیعوں کی جان کا دشمن تھا یعنی دونوں شیعوں کی ہلاکت کے درپئے تھے۔

اگر ہم بغور جائزہ لیں تو یہ جو صفات بیان ہوئی ہیں ان میں سے کئی صفات ایسی ہیں جو کسی بھی امام زادے میں نہیں ہوسکتیں، اور جناب جعفر تو اب سلام اللہ علیہ امام زادے تھے اس لیئے بھی ان جملوں کا اشارہ ان کی طرف نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات یہ ہے اپنے چچا کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کرنا شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے شایانِ شان بھی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اپنے چچا کے بارے میں وہی کچھ فرمایا ہے جو ان کی ایک اور توقیع میں ہے جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔

عبارت توقیع

☆ "وَ فِیْ اِبْنَۃِ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لِیْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ"

شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرماتے ہیں کہ ہمارے لیئے ملکہ عالمین صلوات اللہ علیہا کا ایک اسوۂ حسنہ موجود ہے جو ہمارے لیئے مشعلِ حیات ہے۔

شرحی نکات

دوستو!...... پوری کائنات کیلیئے سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک اسوہ حسنہ ہے جو پوری انسانیت کیلیئے آئیڈیل لائف سٹائل(Ideal Life Style) ہے، زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ ہے، لیکن معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کیلیئے ملکہ

عالمین صلوات اللہ علیہا کی حیات طیبہ آئیڈیل(ideal) طرزِ حیات ہے، پوری کائنات کیلئے سنتِ رسالتؐ سے اونچا کوئی طرزِ حیات نہیں ہے لیکن معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کیلئے ملکہ عالمین صلوات اللہ علیہا کا طرزِ حیات سنتِ اعلیٰ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ ظاہریت پر مبنی تھی اور ملکہ عالمین صلوات اللہ علیہا کی سیرت طیبہ باطنیت پر مبنی تھی جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان گھر سے باہر کی دنیا میں کچھ اور انداز سے زندگی گزارتا ہے اور گھر کے اندر اس کی زندگی باہر والی زندگی سے مختلف ہوتی ہے۔

ہر انسان کی پبلک لائف (Public Life) اور ہوتی ہے، انڈویجوئل لائف (Individual Life) اور ہوتی ہے، اس طرح ہر انسان کی اولاد کو بیک وقت دوطرزِ حیات ملتے ہیں، ایک داخلی اور ایک خارجی، اور ان میں سے جو عوامی طرزِ حیات ہوتا ہے اس میں تکلف اور تصنع ہوتا ہے، رواداری ہوتی ہے، اور کئی رویے اپنی ذات پر جبراً لپیٹنا پڑتے ہیں، اپنے سٹیٹس(Status) اور فکری بلندیوں سے بہت نیچے آ کر بات کرنا پڑتی ہے لیکن داخلی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ انسان اندرون خانہ کی زندگی بڑی آزادانہ اور صرف اپنے لیئے گزارتا ہے جہاں دوسروں کیلئے کچھ نہیں ہوتا۔

اسی طرح پوری کائنات کے سامنے سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ بہترین نمونۂ حیات ہے لیکن معصومین علیہم الصلواۃ والسلام کیلئے ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کی حیاتِ طیبہ بہترین واعلیٰ ترین نمونۂ حیات ہے جس میں خارجی پہلو نہ ہونے

کے برابر ہے، اس میں بے نیازی ہے، ترحم ہے، شفقت علی الخلق ہے، ضبط وصبر ہے، ہجرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، مامتا ہے، غصبِ حقوق کے باوجود درگزر ہے، مہلت ہے۔

اسے ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آئیڈیل(ideal) والد کی زندگی کا عنصر غالب ہے، اور ملکہ عالمین صلوات اللہ علیہا کی حیاتِ طیبہ میں آئیڈیل(ideal) والدہ کی زندگی کا عنصر غالب ہے، اس لیئے معصومین علیہم الصلواۃ والسلام نے آئیڈیل(ideal) والد کی بجائے اپنی زندگی کیلیئے آئیڈیل(ideal) والدہ کی زندگی کو اپنے رویوں پر اپلائی(Apply) رکھا ہے۔

غالبًا یہ 1995ء کی بات ہے کہ یورپ میں بائیبل سوسائٹی والوں سے بائیبل پر کمپیوٹر ریسرچ کی کہ اللہ میں عورت کی صفات زیادہ پائی جاتی ہیں یا مرد کی؟

کمپیوٹر نے یہ فیصلہ دیا کہ اللہ میں عورت کی صفات زیادہ پائی جاتی ہیں، یعنی آئیڈیل (ideal) ماں کی صفات اُس کی ذات میں زیادہ موجود ہیں اور باپ کی صفات و خصوصیات اس سے قدرے کم ہیں، یعنی یورپ والے مانتے ہیں کہ اِلٰہی طرزِ حیات آئیڈیل(ideal) ماں کا ہےاور ملکہ عالمین صلواۃ اللہ علیہا کا طرز حیات تو ایک ایسی ماں کا ہے کہ خود ان کے بابا پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انہیں اُم اَبِیھا کا خطاب عطا فرماتے ہیں کہ یہ تو اپنے بابا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی ماں ہیں۔

یہی طرزِ حیات ائمہ معصومین علیہ الصلواۃ والسلام کیلیئے آئیڈیل(ideal) طرز حیات اور اُسوۂ حسنہ ہے کہ دشمنوں کی ہزاروں دشمنیوں کے باوجود ان پر ابر رحمت بنے

ہوئے ہیں خالق ہمیں ان سے وفا کرنے کی توفیق عطا فرمائے ......آمین

عبارت توقیع

☆وَ سَیُـرْدِی الْـجَاْهِلَ رِدَاءَ هٗ عَمَلَهٗ وَسَیَعْلَمُ الْکَاْفِرُ لِمَنْ عُقْبیٰ الدَّار

شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرماتے ہیں کہ عنقریب آپ دیکھیں گے کہ اس جاہل حاکم کو اس کے اعمال کی چادر پہنادی جائے گی اور کافر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ عقبیٰ کا عالی شان گھر کس کی ملکیت ہے۔

شرحی نکات

255 ہجری سے لے کر 279 تک کا جو زمانہ ہے اس میں معتمد علی اللہ عباسی حاکم رہا اور اس نے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کو تلاش کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس دور میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کو سامرہ سے حلہ کی طرف ہجرت فرمانا پڑی اور اس کے آخری زمانہ میں شیعوں میں اختلافات پیدا ہوئے، جو اولین برسوں میں جناب جعفر تواب سلام اللہ علیہ کی وجہ سے پیدا ہوئے لیکن اسے انہوں نے خود ہی رفع کر دیا اور جناب جعفر تواب سلام اللہ علیہ 271 ہجری میں فوت ہوگئے، ان کے بعد کے جو اختلافات ہیں وہ شیعوں میں کچھ مفاد پرست لوگوں کی وجہ سے ہوئے، جیسا کہ اس دور میں کئی لوگ ایسے بھی تھے جو خود امامت کے دعویدار تھے اور اپنی امامت کا پرچار کر رہے تھے، دوسری طرف معتمد

باللہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی تلاش میں بھی مصروف تھا، اور ساتھ ہی یہ پروپیگنڈا بھی کررہا تھا کہ جناب ابومحمدؑ العسکری علیہ الصلواۃ والسلام کی کوئی اولاد ہی نہیں ہے، اور ان کی منقولہ و غیر منقولہ جائداد انہیں لاولد ثابت کر کے فقہ حنفیہ کے مطابق تقسیم بھی کر دی گئی تھی۔

اس پروپیگنڈا کا اثر بھی شیعوں پر ہوا اور بہت سے لوگوں نے یہ عقیدہ رکھ لیا کہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نعوذ باللہ موجود ہی نہیں ہیں، اور شہنشاہ معظم ابومحمدؑ حسنؑ العسکری علیہ الصلواۃ والسلام ہی قائم زمانہ ہیں اور آخری دور میں انہوں نے ہی قیام و خروج فرمانا ہے۔

ایک طرف کئی نام نہاد شیعوں نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا، اور اس سے جو مخلصین تھے ان کے دلوں میں بھی شکوک وشبہات پیدا ہوگئے، اور یہ سلسلہ 279 ہجری تک چلتا رہا۔

اسی سن میں معتمد علی اللہ کی موت ہوگئی اور اس کے بعد ابوالعباس احمد بن موفق باللہ حاکم ہوا اور اس نے اپنا لقب معتضد باللہ رکھ لیا...... یہ 24 سال ایسے تھے جن میں عقیدہ حجت پر قائم شیعوں پر بہت زیادہ ظلم ڈھائے گئے اور اسی دور میں شیعوں پر کئی اقسام کے حملے ہو رہے تھے مثلاً

(1) وجودِ حجت عجل اللہ فرجہ الشریف کی نفی کا پروپیگنڈا کر کے عقائد کو نقصان پہنچایا جا رہا تھا۔

(2) اپنی امامت کے دعویدار، لوگوں کو گمراہ کر کے اپنی دکانیں چمکا رہے

تھے اور سادہ لوح شیعوں کو گمراہ کر رہے تھے۔

(3) جو لوگ عقیدہ حجت علیہ الصلواۃ والسلام پر قائم تھے ان پر مظالم ہو رہے تھے اور حکومتی جاسوس گلی گلی میں ان کی بو سونگھتے پھر رہے تھے، جو بھی شیعہ ثابت ہو جاتا تھا اس کا گھر جلا دیا جاتا اور اسے شہید کر دیا جاتا تھا۔

(4) مخلصین شیعہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ ان سے رابطہ کر کے اپنے لیئے دستور العمل لیں مگر ان کے تعاقب میں بھی جاسوس پھر رہے تھے اس لیئے رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔

اس دور میں کبھی کبھار کوئی توقیع مبارک صادر ہو جاتی تھی جو شیعوں کو اپنے عقائد میں استحکام فراہم کرتی تھی مگر آپ کتب غیبت اٹھا کے دیکھیں کہ غیبت صغریٰ کے دور میں جو تقریباً 70 سال کا عرصہ بنتا ہے اس میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی بہت کم توقیعات صادر ہوئی ہیں۔

اس توقیع مبارک کے بعد معتمد علی اللہ عباسی دار البوار کی طرف روانہ ہو گیا اور اسے اس کے اعمال بد کی چادر مکافات پہنا دی گئی تو شیعوں کو کچھ سکھ اور سکون ملا

عبارتِ توقیع

☆ عَصَمَنَا اللّٰهُ وَ اِيَّاكُمّ مِنَ الْمَهَالِكِ وَ الْاَسْوَاءِ وَالْآفَاتِ وَا لْعَاهَاتِ كُلِّهَا بِرَحْمَةِ فَاِنَّه‘ وَلِيُّ ذَالِكَ وَ الْقَادِرُ عَلٰى مَا يَشَاءْ وَكَانَ لَنَاْ وَ لَكُمْ وَلِيّاً وَ حَافِظاً ......

شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف فرماتے ہیں اللہ عزوجل ہمیں اور آپ کو جملہ ہلاکتوں سے محفوظ رکھے، جملہ اذیتوں، آفات اور گراوٹوں سے اپنی رحمت کے طفیل محفوظ رکھے، کیونکہ وہ ان امور کا سرپرست ہے اور وہ ہراس چیز پر قادر ہے جو وہ چاہتا ہے اور ہمیشہ ہمارا اور تمہارا محافظ اور سرپرست رہا ہے۔

شرحِ نکات

دوستو!......شہنشاہ معظم عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے دشمن کے انجام بد کی خبر کے بعد اپنے چاہنے والوں کو دعا فرمائی ہے یعنی یہ جملہ دعائیہ ہے، اور آپ ان حالات کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو مصائب کے پہاڑ شیعوں پر ٹوٹ رہے تھے، اور اس کے بعد دعا فرماتے ہیں......اللہ ہمیں اور تمہیں ''مہالک'' سے محفوظ رکھے

دوستو!......انسان کیلئے مہالک دو طرح کے ہوتے ہیں

( ) پہلی دینی ہلاکت ہوتی ہے جس میں وہ معصیتیں ہوتی ہیں جن کے ساتھ توبہ واستغفار کی توفیق سلب ہوجاتی ہے، اور بعض ایسے گناہ ہوتے ہیں جو اتنے بڑے نہیں ہوتے مگر ان کا اصرار یعنی بار بار کرنا ہلاکت کا موجب بنتا ہے، انہیں اخلاقیات میں مہلکات کہتے ہیں ۔اس دعا میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے مومنین اور اپنے شیعوں کو ان مہلکات سے محفوظ رہنے کی دعا فرمائی ہے۔

( ) دوسری دنیاوی وجسمانی ہلاکت ہوتی ہے، اس دنیاوی ہلاکت کی بہت

سی اقسام ہوتی ہیں یعنی قتل ہے، غارت ہے، خودکشی ہے، نا اُمیدی ہے، معاشی و اقتصادی قتل ہے ...... اس جملہ میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے اپنے شیعوں کوایسے مہلکات سے محفوظ رہنے کی بھی دعا فرمائی ہے۔

اسی طرح کئی نقصان دہ چیزیں بذات خود لذت بخش ہوتی ہیں لیکن ان کا انجام برا ہوتا ہے اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو نقصان دہ بھی ہوتی ہیں اور اذیت بخش بھی ہوتی ہے، انہیں ''اسوا'' کہتے ہیں۔شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے اپنے چاہنے والوں کوان ''اسوا'' سے حفاظت کی دعا بھی فرمائی ہے۔

اسی طرح کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو فطری وارضی وسماوی آفات ناگہانی ہوتی ہیں جیسا کہ طوفان، زلزلے، بجلی گرنا، فلڈ، ژالہ باری، برف باری، آتش زنی، وبائی امراض وغیرہ جیسی آفات ناگہانی ہیں توان سے حفاظت کی بھی دعا فرمائی ہے۔

اسی طرح کئی طرح کی گراوٹیں ہوتی ہیں یعنی انسان کا معاشرے میں مقام سے گرنا ہے، یاکسی بلند چیز سے گرنا ہے، معیارِایمان سے گرنا ہے، یامعیارِعمل سے گرنا ہے، یاکسی دنیاوی یادینی مرتبے اور منصب سے گرنا ہے جو انسان کیلئے بہت اذیت بخش ہوتا ہے، تو شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف نے اپنے ایسے مومنین جو ان کی طرف رجوع کرتے ہیں انہیں ان گراوٹوں سے محفوظ رہنے کی دعا بھی فرمائی ہے، اور فرمایا ہے کہ اللہ جل جلالہ تمہیں ایسی تمام چیزوں سے اپنی رحمتِ واسعہ کی وجہ سے محفوظ رکھے، کیونکہ ہمارا عملی کوئی استحقاق نہیں ہے، جو بھی کرم ہوتا ہے وہ رحمت واسعہ کے طفیل ہی ہونا ہوتا ہے، کیونکہ ہماری کمزوریوں کا تقاضہ ہے کہ رحم فرمایا

جائے۔

☆فَاِنَّہ' وَلِیُّ ذَالِكَ وَ الْقَادِرُ عَلیٰ مَا یَشَاءُ وَکَانَ لَنَا وَ لَکُمْ وَلِیّاً وَ حَافِظاً

فرماتے ہیں چونکہ اللہ جل جلالہ ان تمام امور میں ولی الاعلیٰ ہے اور وہ ہر اس چیز پر قادر ہے جو وہ چاہتا ہے وہ پہلے بھی آئندہ بھی ہمارا اور تمہارا سرپرست ہے اور حفاظت فرمانے والا ہے۔

دوستو!......دعائے الــلـهـم کــن میں جوشہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ' الشریف کی حفظ و سلامتی کی دعا ہے، اس میں ہم یہی کہتے ہیں''ولیا وّ حـافـظاً ''یعنی اے اللہ جل جلالہ تو ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ' الشریف کا ولی وحافظ ہو جا۔

اسی طرح شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ' الشریف بھی اپنے دعا کرنے والوں کو انہی الفاظ میں دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ تو ان کا ولی وحافظ ہو جا تا کہ انہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔

دوستو!......جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ دین و دُنیا میں انسان کی جو حفاظت فرمائی جاتی ہے وہ رحم دلی و رحمت کی وجہ سے فرمائی جاتی ہے، ورنہ ہمارے اعمال اس قابل نہیں ہیں کہ کسی عطا کو اُکسا سکیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ''من لایَرحم لایُرحم'' جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا اس لیئے ہمیں بھی اپنی زندگی میں رحم و بخشش کو معمول بنانا چاہیے۔

فقرہ توقیع

☆وَالسَّلامُ عَلیٰ جَمِیْعِ الْاَوْصِیَاءِ وَ الْاَوْلِیَاءِ وَالْمُؤمِنِیْنَ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٖ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلیٰ مُحَمَّدِ النَّبِیْ وَ سَلّمُ تَسْلِیْمَاً......

شرحِ نکات

شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف فرماتے ہیں سلام ہو جملہ انبیاء علیہم السلام پر اور سارے اوصیا علیہم السلام پر اور مومنین رضوان اللہ علیہم پر، اور ان رحمت و برکات کا نزول ہو اور صلوات ہو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور سلام ہو جیسا کہ سلام کا حق ہے اور صلوات ہو ان کی پاک آل علیہم الصلواۃ والسلام پر۔

....

یہ توقیع مبارک کی شرح دراصل استاذی المکرّم کی مجالس کے خطبات میں ہوئی ہے جسے کتابی شکل میں مرتب کیا گیا ہے اور اس کی اولین مجلس نیمہ شعبان کی شب کی تھی اس لیئے اس میں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور پرنور کے بارے میں قدرے طویل گفتگو ہوئی ہے۔

مرتب......مہتاب اذفر

یاھوالوھاب الخبیر العلیم

یا مولا کریم عجل اللہ فرجك و صلوات اللہ علیك

القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات

تالیفات وتصنیفات

السیّد مخدوم محمدؐ جعفرؑ الزمان نقوی البخاری

(1) انتصارِ مظلوم [اردو مسدس نظمیں]

(2) عرفانِ حجتؑ

شہنشاہ معظم کے اسم حجت عجل اللہ فرجہ الشریف کی شرح پر چودہ خطبات

(3) کنٹھا المعروف قلندر نامہ [فقر کے موضوع پہ سرائیکی مسدس]

(4) عصمت السیدات علیٰ غیر السادات

سیدزادی کا کسی غیر سید سے عقد ہرگز جائز نہیں ہے،

اس کے متعلق ناقابل تردید دلائل، ثبوت اور حقائق

(5) گستاخیاں [سادات عظام کے موضوع پہ اصلاحی نظمیں]

(6) طریق المنتظرین

حقوق امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اور فرائض مومنین پر ایک جامع کتاب

(7) دعائے تعجیل فرج

(8) امتیاز العالین عن انواع العالمین

(9) معدن العصمت فی سیرت ام القائم الحجہ صلواۃ اللہ علیہا

(10) اسرار العبدیات یعنی عملی روحانیات

(11) افکارالمنتظرین [غوامض الٰہیات پرخطبات]

(12) The Last Reformer of the World

دنیا کے تمام مذاہب میں آخری دور میں ایک آنے والی ذات کا تصور

(13) باادب بامراد

(14) عرفانیے [مدحیہ اردو نظموں قطعات ور باعیات کا مجموعہ]

(15) شرح دعائے عہد

(16) انتصارِ ولایت عصر

کربلا نے ہمیں انصار سازی کا کیا درس دیا ہے؟

(17) مجالس المنتظرین فی مقتل المظلومین پانچ جلدیں، اُردو، سرائیکی

محققانہ مجالس، ایک تاریخ، ایک جغرافیہ، ایک روضہ نگاری

جو ہزاروں کتابوں سے بے نیاز کردیں

(18) اسماء القائمؑ 4 جلدیں

اماؑم زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے اسماء مبارکہ پر خطبات

(19) دین نصرت

(20) مصباحِ شیعت [شیعیت کے اصول وفروع پر جامع کتاب]

(21) وحدانیت مطلقہ

[امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں مولا امیرؑ المومنین کے چالیس فرامین]

(22) کرچیاں [اردو قطعات، رباعیات، سلام]

(23) کشکول

السید محمد باقرالزمان نقوی المعروف ببلہ سائیں کا سرائیکی مجموعہ کلام

(24) کاروانِ ادعیہ

بارگاہِ امام عصرؑ میں استغاثے اور دعاؤں کا سرائیکی مجموعہ

(25) موعودالرسلؐ دنیا کے تمام مذاہب میں آخری دور میں ایک آنے والی ذات کا تصور

(26) محسنین اسلام عقد محسنہ اسلام صلوات اللہ علیہا کے موضوع پر جامع کتاب

(27) داغ ماتم فن نوحہ نگاری (4 جلدیں)

(28) عرفانِ امامت

(29) ہیلاں (سرائیکی مسدس)

(30) صحیفہ نصرت (اردو مسدس نظمیں)

(31) کنوزِ قصائد (قصائد پاک و عارفانہ کلام)

(32) زرپارے اقوال و آرٹیکل

(33) آہیں غزلیات

(34) دہکتے احساس (اردو نظمیں)

(35) گوہر روحانیات (روحانیت پہ مبنی لیکچرز)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمؑ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلیٰ آلِہٖ اَجمَعِین

مصنف ادیم نقوی

(31) محسن عالم

(32) اہل البیتؑ

(33) خونِ ناحق

(34) مشعلِ نور

(35) ہل من ناصر ینصر نا

(36) جاہلیت کی موت

(37) مدح اولیاء

(38) راہِ ارم

(39) مجالس الصادقین

(40) الحسینؑ والبکاء

مصنف ابوالفارق واسطی

(41) تعلیم الاسلام

(42) جامع الانوار

(43) انوارالایقان

مصنف ابومنصور

(44) القرآن ....مترجم

(45) تعلیم بذریعہ ادعیاء معصومینؑ

(46) عرفان

(47) حقائق واسرار

(48) دعائے ابوحمزہ ثمالی

(49) امت منقاد

(50) جادہ منزل

(51) نشانِ منزل

(52) ''سرِخودی'' (علامہ اقبال کے اشعار کی تشریح)

مصنف شبیر بلگرامی

(53) سورۃ فجر اور کربلا

(54) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن حکیم کے متعلق غیر مسلم مشاہیر کی آراء

(55) غم حسینؑ اور تزکیہ نفس

(56) مکتوب غم

(57) Grief Purifies The Self

(58) Beacon Light

(ادیم نقوی کی الہامی نظم ''مشعل نور'' کا انگریزی ترجمہ)

(59) Glories of Belief

(ادیم نقوی کی معرکۃ الآراء کتاب ''انوار ایقان'' کا انگریزی ترجمہ)

(60) The First Word of Islam

(ادیم نقوی کی کتاب ''اسلام کا پہلا کلمہ'')

مصنفہ عذرا مسعود

(61) رموز

مصنف حکیم سید محمود گیلانی

(62) ایلی علیہ السلام

مترجم لیفٹیننٹ کرنل (ر) مظفر علی ہمدانی

(63) ''پھر حضرت علی آئے'' یہ ترجمہ ہے ڈی۔ایف۔کراکا کی کتاب Then Came Hazrat Ali کے دو ابواب 19،21 کا ہے اور اسی مصنف کے ایک مضمون کا بھی جو بمبئی کے انگریزی جریدے ''کرنٹ'' 23 ستمبر 1976ء کی اشاعت میں ''علی عظیم کے روضہ نجف میں آج بھی معجزے ہوتے ہیں'' کی سرخی کے تحت شائع ہوا

.... ☆ ....